اساتذہ کیلئے تربیتی واقعات

تالیف

مولانا محمد روح اللہ نقشبندی غفوری

پسند فرمودہ

حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب کاندھلوی دامت برکاتہم

دار الاشاعت

اردو بازار ◯ ایم اے جناح روڈ ◯ کراچی پاکستان فون: 2631861
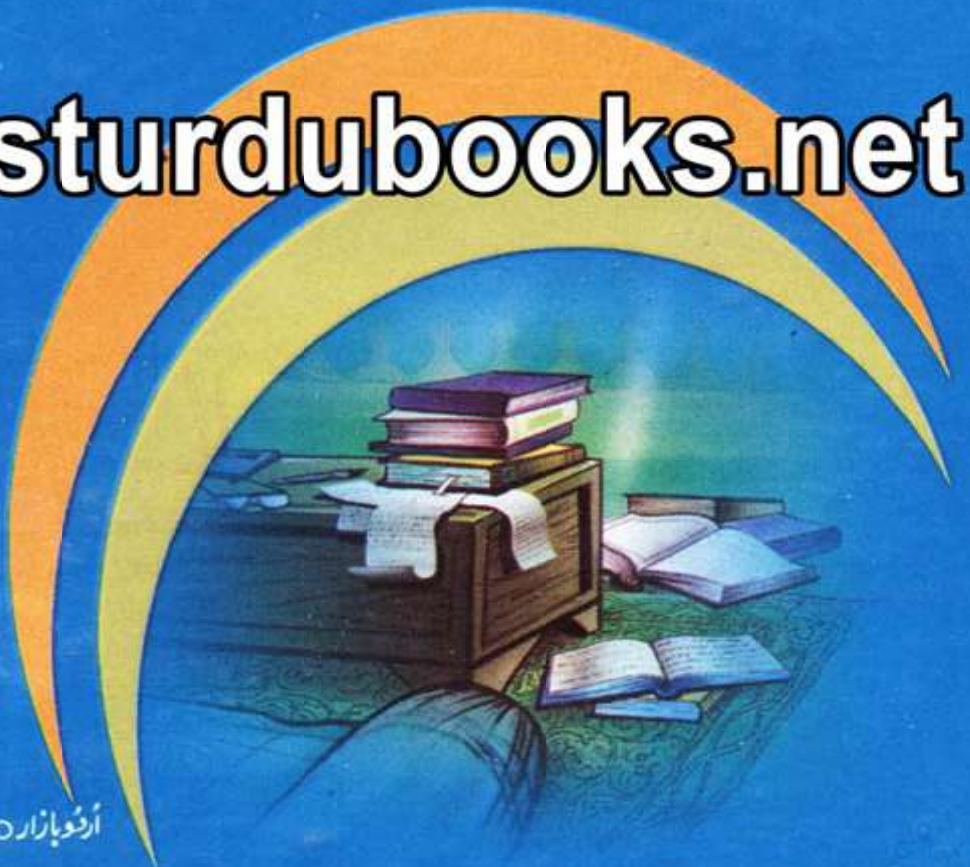
اساتذہ کیلئے تربیتی واقعات

تالیف

مولانا محمد روح اللہ نقشبندی غفوری

پسند فرمودہ

حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب کاندھلوی دامت برکاتہم

دارالاشاعت اردو بازار ایم اے جناح روڈ کراچی پاکستان 2213768

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی

طباعت : اکتوبر ۲۰۰۷ء علمی گرافکس

ضخامت : 256 صفحات

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمد للہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو از راہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تا کہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

ملنے کے پتے

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت القلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد
مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور

ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
بیت العلوم 20 نابھہ روڈ لاہور
مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور
مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد

کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

انگلینڈ میں ملنے کے پتے

Azhar Academy Ltd.
54-68 Little Ilford Lane
Manor Park, London E12 5Qa
Tel : 020 8911 9797, Fax : 020 8911 8999
Email : sales@azharacademy.com,
Website : www.azharacademy.com

Islamic Books Centre
119-121, Halli Well Road
Bolton BL 3NE, U.K.

امریکہ میں ملنے کے پتے

MADRASAH ISLAMIAH BOOK STORE
6665 BINTLIFF, HOUSTON,
TX-77074, U.S.A.

DARUL-ULOOM AL-MADANIA
182 SOBIESKI STREET,
BUFFALO, NY 14212, U.S.A

فہرست

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

انتسابِ جمیل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم . امّا بعد

پیر کامل، نمونہ اسلاف، علم وعمل کا سنگم

قدوۃ العارفین، بُرہان الواصلین، سرتاج العارفین

فضیلۃ الشیخ حضرت اقدس مولانا شمس الرحمٰن صاحب

عباسی نقشبندی غفوری دامت برکاتہم وفیوضہم

کے نام

جن کی روحانی توجہ سے بندہ ناچیز وحقیر کو ''اساتذہ کیلئے تربیتی واقعات،، کتاب لکھنے کا شرف نصیب ہوا، گر قبول اُفتد زہے عز وشرف

خاکپائے اہل اللہ پُر جُرم ومعصّیت

محمد روح اللہ نقشبندی غفوری

پسند فرمودہ

زینت المشائخ، حضرت اقدس مولانا محمد طلحہ صاحب کاندھلوی دامت برکاتھم

جانشین شیخ الحدیث

امام اہل سُنّت حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی نور اللہ مرقدہٗ

ناظم مدرسہ مظاہر العلوم جدید سہارنپور (انڈیا)

جناب مولانا محمد روح اللہ نقشبندی صاحب کی تالیفات دیکھنے کو ملی، جواہر مجدّدیہ، جواہر مظہریہ، اساتذہ کیلئے تربیتی واقعات، طلباء کیلئے تربیتی واقعات، انہوں نے جو کتابیں لکھی ہے ان کو جگہ جگہ سے سننے کی توفیق ہوئی، اللہ تعالیٰ ان کی تصانیف کو اُمت کے لئے نافع فرمائے اور ان کی اس خدمت کو قبول فرمائے اور اُمت کو زیادہ سے زیادہ اس سے فائدہ حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور مؤلف کو اخلاص کی دولت سے مالا مال فرمائے

فقط والسلام

محمد طلحہ کاندھلوی

۹/ ربیع الاوّل ۱۴۲۷ھ

ابتدائی باتیں

تعلیم وتربیت پیغمبرانہ عمل ہے آپ حضرات خوش قسمت ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت والے کام کے لئے منتخب کیا ہے، اس سعادت پر اللہ پاک کا جتنا بھی شکرادا کریں وہ کم ہے، یہ بھی تو ہوسکتا تھا کہ ہمیں محنت مزدوری اور دوکانوں اور فیکٹریوں کی ملازمت میں لگا دیا جاتا بلکہ ہم میں سے کتنے ہی ایسے ہیں جنہوں نے یہ کوشش کی ہوگی کہ وہ قرآن کی تعلیم حاصل نہ کریں اور اسکول کالج میں پڑھ کر یا کوئی ہنر سیکھ کر کہیں ملازمت کرلیں اور روپیہ کمانے کی مشین بن جائیں مگر ہمارے رحیم وکریم رب نے ہماری کمزوریوں اور غلطیوں کے باوجود ہمیں اپنی مقدس کتاب کے ساتھ جوڑے رکھا اور بالآخر ہماری زندگی تعلیم وتدریس کے لئے قبول فرمالی اور ہمیں یہ موقع فراہم کردیا کہ ہم مسلمان بچوں کی تعلیم وتربیت میں اپنے آپ کو اس طرح لگائیں کہ وہ مستقبل کے مدرس، عالم، مفتی، مجاہد اور مبلغ بن کر ہمارے لئے صدقہ جاریہ کی صورت اختیار کرجائیں۔

دنیاوی ضروریات تو سب کے ساتھ لگی ہوئی ہیں ہم بھی ان ضروریات سے بے نیاز نہیں ہوسکتے، الحمد للہ ہمارا رب باعزت طریقے سے ہماری معاشی ضروریات بھی پوری کررہا ہے، اخلاص کے ساتھ کتاب مقدس کی خدمت کرنے والوں کو ہو وہ کبھی دوسروں کا محتاج نہیں بننے دیتا، ہم کتنے خوش قسمت ہیں کہ ہمیں دنیا بھی مل رہی ہے اور ہماری آخرت بھی بن رہی ہے۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے قرآن اس لئے پڑھا تاکہ اسے ذریعہ معاش بنالے وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے چہرہ پر گوشت نہیں ہوگا بلکہ ہڈی ہی ہڈی ہوگی۔

(مشکوٰۃ شریف ج ۱ ص ؛ ۱۹۳)

ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:

چونکہ اس شخص نے سب سے قیمتی چیز یعنی قرآن کریم اور سب سے اعلیٰ عضو یعنی چہرہ کو سب سے ردی چیز یعنی دنیا کمانے کا ذریعہ بنایا اس لئے وہ قیامت کے دن انتہائی قبیح صورت اور بدترین حالت میں آئے گا۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ گانے بجانے سے دنیا کمانا اتنا برا نہیں جتنا قرآن پاک کے ذریعہ دنیا کمانا برا ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو شخص علم دین کو دنیا کمانے کا ذریعہ بناتا ہے اس کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی اپنی داڑھی سے جوتے کے تلے کو صاف کرے۔

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)

آپ تنخواہ ضرور لیں لیکن خدارا تنخواہ اور روپے پیسے کو اپنی تدریس کا مقصد ہرگز نہ بنائیں بلکہ آپ کا اصل مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی رضا ہونا چاہیے اگر آپ اللہ تعالیٰ کی رضا کی نیت سے صبح سے شام تک قرآن کریم پڑھائیں گے تو اللہ کی قسم! آپ کو اتنا اجر و ثواب ملے گا جسے دنیا کا کوئی کلکولیٹر اور کمپیوٹر شمار ہی نہیں کر سکے گا اور انشاء اللہ دنیا بھی ذلیل ہو کر آپ کے قدموں میں آئے گی۔

نیت کی درستگی کے بعد جب آپ مسند تدریس پر تشریف رکھیں تو درج ذیل معروضات کو پیش نظر رکھیں، یہ معروضات بزرگوں ہی کے افادات سے ماخوذ ہیں انشاء اللہ انہیں سامنے رکھنے سے آپ کی تدریس اور محنت کے بے پناہ فوائد ثمرات ظاہر ہوں گے۔

معلمین اور مدرسین کے لئے سنہری نصائح

(1).... اس کی کوشش کریں کہ استاد جب بنیں تو اپنی اصلاح کسی شیخ کامل سے کرا چکے ہوں، اور ماتحتوں کو ایک نظر سے دیکھیں، اور طلباء کے اخلاق کی نگرانی فرمائیں اور ان کی اصلاح کو مدنظر رکھیں۔

(2)..... خود پاک وصاف رہیں تاکہ طلبہ میں بھی نظافت، صفائی پیدا ہو، مگر اس سے تکلف و تصنع مراد نہیں۔

(3)..... جس بات کا اثر ڈالنا مقصود ہو پہلے خود اس کا عامل بن جائیں۔

(4)..... اگر شاگرد کو کچھ سزا کسی جرم پر دیں تو دوسرے وقت اس کی دل جوئی بھی کردیں تاکہ غم رفع ہو جائے۔

(5)..... شاگردوں کا ممنون رہیں، کہ ان لوگوں نے اپنے کو ہمارے سپرد کیا کہ ہم دین کی خدمت خوب شوق سے دن ورات کریں۔

(6)..... ہمیشہ دعاء کیا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے تعلیم و تربیت و اصلاح کا طریقہ تعلیم

فرمادیں اور اس میں برکت نصیب فرمائیں، اور قبول فرمادیں اور متعلّمین کو علم و عمل نصیب فرمائیں اوران کے ظاہر و باطن کی اصلاح فرمادیں۔

(7) متعلّمین کو ایک نظر سے دیکھیں اور یکساں برتاؤ رکھیں تا کہ کسی متعلّم کے دل میں حسد یا رنج نہ پیدا ہو اور بدگمانی نہ ہو، اگر کسی وجہ سے کسی کے ساتھ خاص معاملہ کرنا ہو تو اس کی وجہ کو اوروں پر صراحۃً یا اشارۃً ظاہر کر دیں۔

(8)..... تعلیم میں دنیا پیش نظر نہ ہو بلکہ دین مدنظر ہو۔

(9)..... اگر کسی شاگرد کو کسی حرکت ناشائستہ پر نصیحت کرنا ہو، اور وہ حرکت ایسی ہو کہ اگر سب کے سامنے ظاہر کی جائے تو اسے شرم آئے گی تو اسے اکیلے میں نصیحت کریں اور بعد کو وہ نصیحت سب کو سنا دیں اور اس کا نام ظاہر نہ کریں۔

(10)... پڑھاتے وقت ہر طالب کی طرف توجہ کریں تا کہ کسی کی دل شکنی نہ ہو۔

(11)... کچھ دیر تک فراغت کے وقت خلوت کریں اور اس میں اپنے نفس سے محاسبہ کریں، کہ تو نے اللہ تعالیٰ کے اوامر میں سے کیا کیا پورا کیا؟ اور نواہی میں سے کس کس کو چھوڑا؟ اور تعلیم اور تربیت میں کیا کیا کوتاہیاں ہوئیں؟ اور کیا کیا سرانجام ہوئیں؟ مرضیات خداوندی کے بجالانے پر تہہ دل سے شکر ادا کریں تا کہ موافق وعدۂ خداوندی ''لئن شکر تم لازیدنکم'' ترقی ہو اور ارتکاب معاصی پر دل سے توبہ واستغفار کریں تا کہ بشارت یعنی ''طوبی لمن وجد فی صحیفته استغفارا کثیرا'' میں داخل ہوں اور کوتاہیوں کے دفع کرنے کی دل و جان سے کوشش کریں، اور اللہ تعالیٰ سے بصد عاجزی التجا کریں کہ مرضیات بجالانے کی توفیق عنایت فرمائیں اور غیر مرضیات سے اجتناب نصیب فرمائیں اور اسی پر عمر بھر رکھیں اور اسی پر خاتمہ فرمائیں ''وماذلک علی اللہ بعزیز''

خلاصہ یہ ہے کہ کچھ دیر تک ضرور خلوت اختیار کریں اور مذکورہ کاموں کو بجالائیں تا کہ نور باطن نصیب ہو اور بہت سی آفتوں سے نجات ہو۔ ع

ہیچ آفت نرسد گوشۂ تنہائی را

شعر: قعر چہ بگرزید ہر کو عاقل ست — زانکہ در خلوۃ صفاہائی دل است

جناب رسول کریم ﷺ کو حکم ہوا خلوت اختیار کرنے کا حالانکہ آپ ﷺ معصوم

تھے، ہم لوگ تو سر سے پاؤں تک گناہ ہی میں بھرے ہوئے ہیں، ہم لوگوں کے لئے تو خلوت اور ضروری ہوگی، چنانچہ ارشاد خداوندی ''فاذا فرغت فانصب والی ربک فارغب'' سے ظاہر ہے، جیسے ربڑ وغیرہ میں پھونک مار کر ہوا بھر دیتے ہیں، اسی طرح خلوت دل کو ذوق وشوق وجد وشکر وہمت سے پر کر دیتی ہے۔

(12)... خلوت بالا مرد سے بہت اجتناب کریں، اور امرد خوبصورت سے بہت ہی سخت اجتناب کریں، ہرگز ان کے ساتھ خلوت نہ کریں اور جلوت میں بھی ضرورت سے زیادہ بات چیت نہ کریں، نہ ان کی طرف قصدًا دیکھیں، نہ ان کی بات نفس کے تقاضہ سے سنیں، کیونکہ امرد پرستی کا مرض اسی طرح سے پیدا ہوتا ہے کہ پہلے بالکل پتہ نہیں چلتا اور جب جڑ مضبوط ہو جاتی ہے تب پتہ چلتا ہے اور اس وقت کنارہ کشی امرد سے بہت دشوار ہوتی ہے کیونکہ یہ مثل مشہور ہے۔ شعر

سر چشمہ شاید گرفتن بہ میل چو پر شد نہ شاید گرذشتن بہ میل

اپنی پاک دامنی پر ناز نہ کریں کہ میں بھلا اس مرض میں کہاں مبتلا ہو سکتا ہوں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

ان النفس لامارة بالسوء الاية

اور حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے رخ پر جب تک وہ امرد تھے نظر نہ ڈالی۔

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''میں دنیا میں سوائے نفس کے کسی سے نہیں ڈرتا'' تو ہم تم اپنے پاک ہونے پر کیا ناز کر سکتے ہیں، اگر ایسا خیال دل میں آئے تو سمجھیں شیطان دھوکا دے رہا ہے، اور یہ مرض اس میں وہ ایسی طرح پیدا کرنا چاہتا ہے کہ اسے خبر نہ ہو، اور جب خبر ہوگی یہ شیطان ہی کا مقولہ ہے کہ اگر جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ جیسا مرد اور رابعہ بصری رحمہا اللہ جیسی عورت خلوت میں ہو جائیں تو میں دونوں کے اندر خیالات برے پیدا کر کے دونوں کا منہ کالا کر دوں۔

تو صاحبو! جب یہ ایسے اولیاء کو بہکانے کا دعوی کرتا ہے تو ہم اور آپ کب اس کے دھوکے سے بچ سکتے ہیں ''رب اعوذ بک من همزات الشياطين و اعوذ بک رب ان يحضرون''

اورنفس اس سے بھی بڑھ کر دشمن ہے''اللھم انی اعوذ بک من شر نفسی''
شعر

نفس کشتی باز رستی زاعتذار کس ترادشمن نماند در دمار
ازدے ایں دنیائے دوں برتست تنگ ازپئے اوباحق وباخلق جنگ

ان دونوں دشمنوں سے بہت ہوشیار رہنا چاہئے ورنہ دنیا وآخرت دونوں چوپٹ ہوجائیں گی، اور''خسر الدنیا و الاٰخرۃ''نصیب ہوگا۔شعر

بگاڑ دین کو اپنا کہیں دنیا ہی بن جائے نہ کچھ دین ہی رہا باقی نہ دنیا کے مزے پائے
بڑی دولت ملے اس کو جو ہو اللہ کا عاشق امید اجر عقبی پر یہ دنیا اس سے چھٹ جائے

اورنفس اور شیطان سے ہر گھڑی ہر آن مقابلہ کرنے کو تیار ہیں جو کام کرنے کو یہ کہیں ہر گز نہ کریں، مثلاً یہ کہیں امرد کی باتیں سنو، یا اس کی طرف دیکھو یا اس کے پاس چلو، تو ہر گز ان کا کہنا نہ مانیں اور دو تین دفعہ مخالفت کرنے سے انشاء اللہ تعالیٰ ان کا تقاضا جاتا رہے گا۔شعر

النفس کالطفل ان تھملہ شب علی حب الرضاع وان تفطمہ ینفطم

ہاں طالب علم کی اصلاح کی غرض سے کچھ تنبیہ یا کوئی سزا یا کوئی ترکیب کردیں جس میں اپنے نفس کا کوئی شائبہ نہ ہو، اگر ہوگا تو اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے۔''وکفیٰ باللہ شھیدا''

(13)... طلبہ کی صحت کے لئے اوران کی فراغت کے لئے برابر دعا کیا کریں۔

(14)... مصالح طلبہ کی فکر رکھیں ان میں اطمینان قلب پیدا کرنے کی فکر کریں اپنے تعلقات یا اپنے مال کے ذریعہ ان کی مدد کرتے رہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ بندہ کی مدد کرتا رہتا ہے جب تک کہ بندہ اپنے بھائی کا ہاتھ بٹاتا رہتا ہے، اور جو شخص اپنے بھائی کی حاجت براری کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری کرتا ہے اور جو شخص کسی کی تنگی میں آسانی پیدا کردے گا اللہ تعالیٰ اس کے حساب میں قیامت کے دن آسانی پیدا فرمائے گا خصوصاً جبکہ یہ اعانت طلب علم میں ہو جو کہ قرب خداوندی حاصل کرنے کا افضل ترین ذریعہ ہے۔

(15)... طلبہ کے ساتھ تواضع سے پیش آنا چاہئے ان کے لئے اپنے بازو جھکادینا

چاہئے اور ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے فرمایا ہے "واخفض جناحک لمن اتبعک من المؤمنین" جس کو سکھاؤ اس سے نرمی برتو اور جس سے سیکھو اس سے بھی تواضع سے پیش آؤ!

(ب) طالبعلم کو اس کے پسندیدہ خطاب سے مخاطب کرنا چاہئے جس میں تعظیم اور توقیر ہو تاکہ اس کی عزت نفس محفوظ رہے اور ان کے ساتھ خوش معاملگی اور خندہ پیشانی سے پیش آنا چاہئے اور ان کو ہر طرح خیر کی وصیت کرنا چاہئے۔ چنانچہ منقول ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ مجالست کے اعتبار سے اکرم الناس تھے، اور اپنے شاگردوں کا اکرام کرنے میں آگے آگے رہتے تھے۔

(16)... ہر طالب علم آپ کے پاس ایک قیمتی امانت ہے والدین نے اور مدرسہ کے مہتمم نے آپ پر اعتماد کرتے ہوئے یہ امانت آپ کے حوالے کی ہے، اس امانت میں خیانت نہ کیجئے، اس کی شخصیت کو مثالی اور اس کی زندگی کو قیمتی بنانے کے لئے اپنی ساری صلاحیتوں کو صرف کر دیجئے، یہ مت سوچئے کہ آپ کی تنخواہ آپکی محنت کے مقابلے میں بہت تھوڑی ہے بلکہ یہ سوچئے کہ مجھے اللہ پاک کے ہاں سے جو اجر و ثواب ملنے والا ہے یہ محنت اس کے مقابلے میں کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتی۔

(17)... اگر آپ صاحب اولاد ہیں تو پھر تو معاملہ بہت آسان ہے اور اگر آپ صاحب اولاد نہیں تو کم از کم آپ تو کسی کی اولاد ہیں کیا آپ نہیں جانتے کہ والدین پر اولاد کا ایک حق محبت و شفقت بھی ہے، آپ اپنے شاگردوں کے روحانی باپ ہیں، روحانی باپ کا مقام جسمانی باپ سے بھی بلند ہے، آپ اپنے تلامذہ کے ساتھ محبت اور شفقت کا معاملہ کیجئے بالخصوص جو بچے یتیم یا مسافر اور غریب ہیں وہ آپ کی توجہ کے زیادہ مستحق ہیں حاشا وکلا آپ کے سخت اور تلخ رویے کی وجہ سے کہیں ان کا دل نہ ٹوٹ جائے اور ان کی معصوم زبان سے کوئی بد دعا نہ نکل جائے یا وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قرآن سے باغی نہ ہو جائیں۔

(18)... ہر بچے کا مزاج مختلف ہوتا ہے کوئی محبت اور پیار سے چلنے والا ہوتا ہے، کوئی سختی کے بغیر کام کر کے نہیں دیتا، آپ ہر بچے کے مزاج کو سمجھنے کی کوشش کریں اور اس کے مزاج کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ فرمائیں، بعض اوقات مسابقہ اور مقابلہ کا جذبہ بھی طالب علم کو محنت پر آمادہ کرتا ہے، آپ یہ صورت بھی اختیار کر کے دیکھیں۔

(19)... طلبہ میں امیر اور غریب ہونے کے اعتبار سے ہرگز فرق نہ کیجئے، رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ "تمہیں اللہ کی نصرت اور روزی ان کمزوروں اور غریبوں ہی کی برکت سے حاصل ہوتی ہے۔ مدرسہ کا چندہ اور ہماری تنخواہیں ان غریب طلبہ ہی کی برکت سے ہیں، اگر ہمارے ظالمانہ رویہ کی وجہ سے یہ ہم سے روٹھ گئے تو اللہ کی رحمت بھی روٹھ جائیگی۔

(20)... سب سے اہم بات یہ ہے کہ آپ اپنے طلبہ کے لئے ایک بہترین نمونہ بنیں آپ کی باتوں سے زیادہ آپ کا کردار وعمل طلبہ کو متاثر کرے گا، آپ فرض نمازوں ہی کا نہیں نفلی نمازوں کا بھی اہتمام کریں، تلاوت کا ناغہ نہ ہونے دیں، ذکر ودعا کا اہتمام کریں، صلحاء والا لباس پہنیں، سنجیدگی اور وقار اختیار کریں، اچھی زبان استعمال کریں، کسی اللہ والے سے اصلاحی تعلق قائم کرکے اپنی اصلاح کی کوشش کریں، دنیا سے زیادہ آخرت کی فکر کریں، گناہوں سے اور گناہ والی مجلسوں سے دور بھاگیں۔

انشاء اللہ آپ کے کردار کی خوشبو سے پوری درسگاہ معطر ہو جائے گی اور کوئی طالب علم بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہے گا۔

یقین فرمائیں کہ ہمارے دل میں چھپے ہوئے اچھے خیالات اور رات کے اندھیرے میں کئے جانے والے اعمال کے اثرات اتنے واضح اور روشن ہوتے ہیں کہ اندھوں کو بھی دکھائی دیتے ہیں یہی حال برُے خیالات اور اعمال کا بھی ہے۔

کسی بھی نظام تعلیم میں استاد کو ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ کوئی بھی نظام تعلیم اچھے اساتذہ کے بغیر کامیاب نہیں ہوسکتا۔ اساتذہ ہی معیار تعلیم کو بلند کرنے اور پست کرنے میں کردار ادا کرتے ہیں۔ استاد کو ہر دور میں بڑی اہمیت حاصل رہی ہے۔ قدیم سے جدید زمانہ تک جو فاصلہ طے کیا گیا جو ترقی ہوئی اس میں استاد کو نمایاں عمل دخل رہا۔ استاد ہی انسانیت کی تعمیر کرتا ہے۔

استاد کو روحانی باپ گردانا گیا ہے۔ ہر طالب علم کے لئے ایک استاد کی ضرورت ہے جو حصول علم، تعمیر سیرت اور اس کے عقائد واعمال میں رہنما کا کام کرے۔ استاد کسی بھی نظام تعلیم کی کنجی ہوا کرتا ہے۔ اگر کسی قوم کو اعلیٰ درجہ پر لانا ہے تو اس کے لئے اعلیٰ درجے کے اساتذہ ہونا ضروری ہیں۔ اسلامی معاشرے میں استاد کو بہت ہی اہم مقام

حاصل ہے یہی وجہ ہے کہ محسن انسانیت حضور اقدس ﷺ کو استاد بنا کر بھیجا گیا۔ حضور اقدس ﷺ نے اپنے استاد ہونے پر فخر کا اظہار فرمایا۔

اچھے استاد کے بغیر اچھی عمارت، ساز و سامان اور اعلیٰ نصاب تعلیم بے معنی ہوں گے۔ استاد طلباء کے اخلاق کی تربیت، عادات و اطوار کو بہتر بنانے اور طلباء میں اچھی عادتیں پیدا کرنے کا ذمہ دار ہے۔

زیر کتاب نظر (راقم الحروف کی) ''اساتذہ کیلئے تربیتی واقعات'' اسی اصلاحی کوشش کی ایک اہم کڑی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس حقیر سی سعی کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائیں۔

نازل ہوں اس پہ رحمتیں اللہ کی دائما ‌ ‌ جس کی کہ زندگی ہے خلائق کی رہنما
قول و عمل کے زور سے ثابت جو کر گیا ‌ ‌ اپنے ورود خاص کا دنیا میں مدعا
بھیجا گیا ہوں خاص معلم بنا کے میں ‌ ‌ ہوں انما بعثت جہاں میں معلما

بندۂ ناچیز و حقیر
محمد روح اللہ نقشبندی غفوری

اساتذہ کیلئے تربیتی واقعات

بزرگوں کے نصیحت آموز واقعات

باہمی تعلقات

استاد کی طالب علموں پر شفقت اور خلوص اس تعلق کو اس قدر بڑھا دیتا ہے کہ شاید ماں باپ کے ساتھ بچوں کو اتنا تعلق نہیں ہوسکتا۔ ہمارے اسلاف میں اس کی شاندار مثالیں موجود ہیں، اس ضمن میں اسلاف کے خلوص کی چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

اپنا ثواب کیوں ضائع کروں؟

ایک دن شیخ محمد ابراہیم قاری عبدالرحمٰن صاحب محدث پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیٹھے تھے کہ آپ نے ایک خط لکھا اور اس انتظار میں تھے کہ کوئی خادم خاص نظر پڑے تو اس سے ڈاک میں ڈلوایا جائے کسی مستفید شاگرد نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا: ''لایئے یہ خط میں ڈال آؤں'' اور بے حد اصرار کیا، حضرت نے فرمایا: ''میں تم سے یہ کام نہیں لینا چاہتا کیونکہ تمہارا تعلق میرے نزدیک یہ بھی ایک گونہ رشوت ہے، اس کے بعد لوجہ اللہ تعلیم کا خلوص باقی نہ رہے گا لہٰذا میں تم سے یہ معمولی کام لے کر اپنا ثواب کیوں ضائع کروں''۔ (تذکرہ رحمانیہ)

مولانا فضل امام کے دل میں طلبہ کی قدر

مولانا فضل حق خیرآبادی جو مولانا فضل امام کے صاحبزادے ہیں، جوان تھے اور اپنے والد کے ساتھ خود بھی دلی میں درس دیتے تھے، جہاں مولانا فضل امام ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے صدر الصدور تھے، ایک طالب علم مولانا فضل امام سے پڑھنے آیا، انہوں نے مولوی فضل حق صاحب کے پاس اس کو بھیج دیا کہ مجھے فرصت نہیں تم ہی پڑھا دیا کرو۔ یہ طالب علم بیچارا کچھ غبی تھا، مولوی فضل حق صاحب کو جوانی کا زمانہ، چند اسباق کے بعد ان کا جی اکتا گیا، ایک دن پڑھاتے ہوئے کتاب پھینک دی اور برا بھلا کہہ کر نکال دیا، طالب علم مولانا فضل امام کے پاس پہنچا اور حال بیان کیا، یہی سننے کی بات

ہے، مولانا فضل امام آپے سے باہر ہوگئے، مولوی فضل حق کو اسی وقت طلب کیا، طلبی کا فقرہ تھا ''بلاؤ اس خبیث کو'' جوان عالم بیٹا ہے، لیکن ایک طالب علم کی تحقیر کی ہے۔ مولوی فضل حق سامنے آتے ہیں، لکھا ہے کہ بے تحاشا ایک تھپڑ مولوی فضل امام نے رسید کیا، پگڑی دور جا پڑی، اور فرماتے جاتے تھے تو طلبہ کی قدر کیا جانے؟ بسم اللہ کے گنبد میں پلا ہے، خبردار! میرے طالب علموں کو اگر کچھ کہا۔ (تذکرہ غوثیہ)

طلبہ کے ساتھ کھانا کھانا

حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد نائب امیر شریعت بہار تھے، ایک زمانہ تک ان کا قیام الٰہ آباد کے مدرسہ سبحانیہ میں رہا بعض واقعات پیش آئے کہ الٰہ آباد سے منتقل ہو کر آپ اپنے وطن صوبۂ بہار چلے آئے اور گیا کو مستقر قرار دیا، طلبہ کا بھی ایک بڑا مجمع آپ کے ساتھ مدرسہ سبحانیہ چھوڑ کر گیا پہنچ گیا، بے سروسامانی کے حال میں آئے تھے، کوئی انتظام معقول شروع میں نہ ہو سکا، یہاں سب سے اہم مسئلہ طعام کا تھا جس کا حل یہ کیا گیا کہ جس کے پاس جو کچھ تھا وہ سب ایک جگہ جمع کر دیا گیا اور اسی سے قوت لا یموت کا یہ انتظام کیا گیا کہ اکثر کھچڑی اور کبھی صرف خشکہ پکا لیا جاتا تھا، اس کو سرخ مرچ کے بھرتے کے ساتھ جو آگ پر بھون لی جاتی تھی اور اُس میں نمک ملایا جاتا تھا، مولانا ایک دسترخوان پر بلا تکلف طلبہ کے ساتھ بیٹھ کر وہی کھانا کھا لیتے تھے اور مولانا کی پیشانی پر کبھی شکن بھی نہیں پڑتی تھی۔ (حیات سجاد)

قاری صاحب آ گئے آؤ سبق پڑھو

قاری عبدالرحمٰن کی سوانح عمری میں یہ واقعہ درج ہے کہ جن دنوں قاری صاحب شاہ اسحاق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھتے تھے، ایک دن موسلا دھار بارش ہو رہی تھی اور قاری صاحب قیام گاہ کی دوری کی وجہ سے وقت پر نہ پہنچ سکے جو طلبہ حاضر تھے انہوں نے شاہ صاحب سے عرض کیا کہ اس بارش میں قاری صاحب کا اتنے طول طویل فاصلہ سے آنا ممکن نہیں اس لئے سبق شروع کرا دیا جائے، شاہ صاحب نے فرمایا ''ابھی ٹھہرو وہ ضرور آئیں گے'' یہ جملہ ختم ہی ہوا تھا کہ اس برستے ہوئے پانی میں دیکھا جاتا

ہے کہ پائنچے چڑھائے اور کتاب ایک گھڑے میں بہ حفاظت بند کئے قاری صاحب آ رہے ہیں، شاہ صاحب نے طلبہ کو مخاطب کر کے فرمایا لو دیکھو میں نے کیا کہا تھا، وہ قاری صاحب آگئے، آؤ اب سبق پڑھو"۔ (تذکرہ رحمانیہ)

طلبہ کے لئے سراپا شفقت ورحمت

حضرت مولانا برہان الدین سنبھلی اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

حضرت مدنی رحمہ اللہ علیہ یوں تو سب ہی کے لئے ہمہ وقت سراپا شفقت ورحمت تھے لیکن دورانِ درس یہ صفت اپنے منتہیٰ کو پہنچی ہوئی نظر آتی تھی، طلبہ کے لئے ان کے ہر جا و بے جا سوالات نیز بے تکے اعتراضات کے جوابات نہایت انبساط اور خندہ پیشانی کے ساتھ دیتے اور بیچ بیچ میں کبھی کبھی کسی خوش نصیب سے مزاح بھی فرما لیتے۔ خاص طور پر رات کے وقت سبق پڑھاتے ہوئے یہ وصف اتنا بڑھ جاتا کہ تھوڑے وقفہ کے بعد مجلس درس قہقہہ زار بن جاتی۔ خاص طور پر جب کسی طالب علم کے بارے میں حضرت کو مطلع کیا جاتا یا وہ خود دیکھ لیتے کہ فلاں طالب علم اونگھ یا سو رہا ہے، تو حضرت نہایت ظریفانہ انداز میں بآواز بلند اس طالب علم کا نام لے کر مخاطب فرماتے اور حکم دیتے کہ اٹھئے جایئے وضو کیجئے، اگر کوئی گہری نیند میں ہوتا تو اسے صدر النائمین جیسے القاب سے یاد کیا جاتا۔

ہم کیچڑ ہی سے پیدا ہوئے

مولانا فضل الکریم شیخ الاسلام راوی ہیں کہ شدید گرمیوں کا زمانہ ہے، دو پہر کے بارہ بج رہے ہیں اور حضرت شیخ مدنی رحمۃ اللہ علیہ پیرانہ سالی اور ضعف ونقاہت کے باوجود دار الحدیث سے سبق پڑھا کر مکان پیدل واپس تشریف لے جا رہے ہیں، چھتری پیش کی جاتی ہے تو اس کو لینے سے انکار فرما دیتے ہیں، بارش کے زمانہ میں راستہ کیچڑ آلود ہوتا، آسمان سے ترشح ہو رہا ہے، لیکن حضرت دار الحدیث کی طرف جا رہے ہیں، کپڑے پر کیچڑ پڑ رہی ہے، اس کی جانب کوئی توجہ نہیں، ایک ہاتھ میں چھڑی اور دوسرے ہاتھ میں چھتری ہے، کسی کی ہمت ہے کہ چھتری پکڑ سکے، سواری پیش کی جاتی ہے تو اس سے بھی

انکار فرما دیتے ہیں، ناصر تانگہ والا تانگہ لے کر کھڑا ہے، طلبہ گزارش کر رہے ہیں کہ راستہ کیچڑ آلود ہے، تانگہ پر تشریف رکھئے، مگر سنئے حضرت کیا جواب دیتے ہیں؟ فرماتے ہیں کیچڑ سے ہم پیدا ہوئے، اگر اسی میں جاملیں تو کیا ڈر ہے؟ ایک دن ناصر تانگہ والے کی برکت لینے کی تمنا اور طلبہ کے اصرار کو دیکھتے ہوئے مان گئے، لیکن دوسرے دن کہیں جانا تھا، ناصر تانگہ والا حاضر ہوا، تو اس کے تانگہ پر اس وقت سوار ہوئے جبکہ یہ شرط تسلیم کرالی کہ وہ درس گاہ تک لے جانے کے لئے آئندہ کبھی نہ آئے گا۔ آخر جب کمزوری بہت زیادہ بڑھ گئی تو ایک دن مکان سے درس گاہ تک (جس کا فاصلہ تین چار سو قدم کے درمیان ہے) تشریف لا رہے تھے، راستے میں شمالی گیٹ پر ضعف کی وجہ سے دربانِ دارالعلوم کی نشست گاہ پر بیٹھ گئے، اسی واقعہ کے بعد ایکسرے کی غرض سے سہارنپور تشریف لے گئے وہاں سے واپس تشریف لانے کے بعد طلبہ نے عرض کیا کہ حضرت! کچھ دنوں کے لئے سبق موقوف فرمادیں تو آپ نے جواب دیا کہ "لڑکوں کو شرارت سوجھتی رہتی ہے، یہ نہ پڑھنے کا بہانہ ہے، مجھے تو سبق پڑھانے میں کوئی تکلیف نہیں ہوتی، البتہ آنے جانے میں ذرا تکلیف ہوتی ہے"۔.......... عرض کیا کہ حضرت! سواری کا انتظام قبول فرمایئے، تو فرمایا: "ہاں یہاں تک آنے جانے کے لئے ہوائی جہاز کا انتظام کرلو" یہ وہ دن تھا جس روز سول سرجن نے انتہائی تاکید کی تھی کہ رات کو درس نہ دیا جائے، حضرت شیخؒ نے ڈاکٹر کا مشورہ تو قبول فرمایا، مگر وہ اس طرح کہ بجائے شب کے نماز عصر کے بعد سلسلۂ درس شروع فرمادیا۔ (شیخ الاسلام نمبر، ص ۱۴۴)

طلبہ کے درمیان مساوات

ان اساتذہ کی نگاہ میں ہر طالب علم یکساں قدر و قیمت کا حامل ہوتا تھا۔ طالب علموں کے درمیان وہ دولت یا حکومت کی بنا پر کسی تفریق کے قائل نہیں تھے۔ بنی عباس کے جلیل القدر خلیفہ ہارون الرشید نے امام مالکؒ (۱۷۹ھ) سے گزارش کی کہ شہزادگان امین اور مامون کو گھر آکر تعلیم دیں، امام مالکؒ نے یہ درخواست رد کردی فرمایا یہ علم کی توہین ہے کہ عالم چل کر متعلم کے گھر جائے۔

پھر خلیفہ نے دوسری درخواست کی کہ اچھا یہ لڑکے پڑھیں تو مسجد میں ہی، مگر آپ ان کو علیحدہ وقت دیں اور ان کو علیحدہ بٹھائیں امام مالکؒ نے یہ درخواست بھی رد کردی اور فرمایا میں تعلیم میں تفریق نہیں کرسکتا یہ سب کے ساتھ بیٹھیں اور سب کے ساتھ پڑھیں۔

طلبہ پر شفقت

اساتذہ طلبہ کی نہ صرف قدر کرتے تھے بلکہ ان کے حق میں بڑے شفیق اور مہربان ہوتے تھے، مصائب اور مشکلات میں ان کا سہارا بنتے تھے، ان کی ہر قسم کی معاونت کرتے تھے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ (۱۸۰ھ) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں شریک ہوتے تھے، وہ ایک بیوہ ماں کے بیٹے تھے، ماں کا اصرار تھا کہ وہ محنت مزدوری کریں اور کچھ کما کر لائیں اور درس میں شریک نہ ہوں اس لئے وہ درس میں ناغہ سے شریک ہوتے تھے استاد کو جب اصل صورت حال کا علم ہوا تو انہوں نے طالب علم کا اور ان کی والدہ کا وظیفہ مقرر کردیا تا کہ وہ معاش کی جانب سے بے فکر ہو کر تحصیل علم میں مشغول رہیں۔ یہی وہ طالب علم تھے جو آگے چل کر بنی عباس کے جلیل القدر خلیفہ ہارون الرشید کے قاضی القضاۃ مقرر ہوئے، جن کے فتاوے ساری مملکت بنی عباس میں مراکش سے لے کر ملتان تک نافذ العمل ہوتے تھے۔

شفیق استاد اور ایک شاگرد

اسد بن فرات جو آگے چل کر جزیرہ صقلیہ میں گورنر بنے وہ امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس مؤطا امام مالک پڑھنے کے لئے آئے، استاد کے پاس صرف عشاء کے بعد کا وقت تھا۔ نوجوان طالب علم سارے دن کا تھکا ہارا عشاء کے بعد استاد کے سامنے درس کے لئے بیٹھتا تھا، وہاں اس کو اکثر نیند آجاتی تھی، شفیق استاد نے پانی کا گلاس اپنے پاس رکھ لیا تھا کہ جب شاگرد کو نیند آئے تو وہ اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے ماردیں اور اس کو ہوشیار کرکے پھر پڑھاتے تھے۔

ربیعہ بن سلیمان کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ امام شافعی مسجد میں درس دے رہے تھے۔

وہاں دھوپ آ گئی، کسی نے ان کی توجہی اس دھوپ کی طرف دلائی، وہ وہاں سے ہٹ گئے اور یہ شعر پڑھا۔

اھین لھم نفسی لا کرم مابھم
ولن تکرم النفس حتی لا تھینہ

میں اپنے نفس کی اہانت کرتا ہوں تا کہ وہ عزت حاصل کریں، کسی نفس کو عزت حاصل نہیں ہوتی جب تک کہ اس کی اہانت نہ کی جائے''۔

مہمانان رسول ﷺ سے الگ نہ ہوئے

علماء فرنگی محل کے فاضل عالم علامہ عبدالعلی فرنگی محلی مدرسہ عالیہ رامپور میں تدریس کے لئے گئے ان کی شہرت سن کر دور دراز علاقوں سے طلبہ رامپور پہنچ گئے، نواب رامپور مدرسہ کے اخراجات محدود رکھنا چاہتے تھے، وہ طلبہ کی کثرت کو ناپسند کرتے تھے، مولانا کو نواب صاحب کا رویہ ناگوار گزرا۔ وہ رامپور چھوڑ کر اپنے طالب علموں کو ساتھ لے کر بہار، برودان، بنگلہ دیش چلے گئے منشی صدرالدین نے ان کو اپنے مدرسہ بلالیا وہ اپنے ایک ہزار روپیہ کی تنخواہ کا بیشتر حصہ بھی طلبہ پر خرچ کر دیتے تھے، جب مفتی صدرالدین کا رویہ بھی بدلا ہوا پایا تو وہاں سے ہجرت کر کے نواب آرکاٹ مدراس کے پاس چلے گئے مگر ہر حال میں طالب علم ان کے ساتھ رہے۔

بیمار طلبہ کی مزاج پرسی اور عیادت

مولانا علی مدرس دہلی کالج بیمار طلبہ کی عیادت اور ان کی دلجوئی ان کے گھروں پر جا کر کرتے تھے۔ بیشتر طلبہ مسجد کے حجروں میں رہتے تھے اس زمانہ میں دارالاقامہ کا رواج نہ تھا، مولانا حجروں میں جا کر طلبہ کی مزاج پرسی کرتے تھے۔

سونے کے کنگن فروخت کر ڈالے

حکیم برکات احمد ٹونکی کے یہاں بعض طلبہ کو کھانا بھی کھلایا جاتا تھا۔ ایک مرتبہ ایسی تنگی آئی کہ گھر کے اخراجات پورے کرنے مشکل ہو گئے، حکیم صاحب کی اہلیہ نے مخفی طور

پر ایک لائق طالب علم کے ذریعہ اپنے سونے کے کنگن فروخت کروائے اور طلبہ کے اخراجات پورے کئے یہ معلوم نہیں بیگم صاحبہ نے یہ معاملہ حکیم صاحب کے علم کے بعد کیا یا بغیر علم کے کیا۔

طالب علم سے لڑکی کی شادی

بعض اساتذہ اپنے شاگردوں سے اس درجہ خوش ہوتے تھے کہ ان کو اپنی دامادی کے لئے قبول کر لیتے تھے اپنی لڑکی کی ان سے شادی کر دیتے تھے حضرت سعد بن مسیّب، سید التابعین تھے، ایک غریب طالب علم ابووداع چند روز تک ان کے درس سے غیر حاضر رہا جب وہ دوبارہ آیا تو انہوں نے غیر حاضری کا سبب دریافت کیا، ابووداع نے جواب دیا کہ میری بیوی کا انتقال ہو گیا تھا، اس وجہ سے حاضر نہ ہو سکا استاد نے تعزیت کی اور کہا مجھے اطلاع کیوں نہ دی گئی، میں بھی جنازہ میں شرکت کرتا، پھر تھوڑی دیر سوچ کر دریافت کیا کہا دوسری شادی کرنے کا ارادہ ہے، ابوداع نے کہا میں کیسے شادی کر سکتا ہوں میری پونجی میں کل تین درہم ہیں۔

حضرت سعید بن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے غریب طالب علم سے اپنی لڑکی کی شادی کر دی واضح رہے یہ وہی لڑکی ہے جس کے لئے وقت کے خلیفہ ولید بن عبدالملک کا پیغام آیا تھا مگر حضرت سعید نے اس کو رد کر دیا تھا۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ کا شاگردوں پر شفقت

شاگردوں کی راحت کا خیال

☆... ولید بن قاسم فرماتے ہیں ''امام صاحب کریم الطبع تھے اپنے شاگردوں کا خیال رکھتے اور ان کے ساتھ ہمدردی کا معاملہ فرماتے۔''

☆... عصام فرماتے ہیں ''کسی شخص کو اپنے شاگردوں کا ایسا خیال نہ تھا جس طرح امام صاحب کو تھا حتیٰ کہ اگر کسی کے بدن پر مکھی بھی بیٹھتی تو اس کی ناگواری امام صاحب پر محسوس ہوتی تھی کسی نے آپ کے ایک شاگرد کے متعلق بیان کیا کہ وہ اپنی

چھت پر سے گر گیا۔ امام صاحب نے زور سے چیخ ماری جس کو تمام مسجد والوں نے سنا اور گھبرائے ہوئے ننگے پاؤں کھڑے ہوئے پھر روئے اور فرمایا ''اگر اس مصیبت کا اٹھالینا میرے لئے ممکن ہوتا تو میں اس کو ضرور اٹھالیتا'' اور تاصحت روزانہ صبح وشام اس کی عیادت کو تشریف لے جایا کرتے تھے۔

(الخیرات الحسان فی مناقب الامام ابی حنیفہ النعمان ص ۱۳۹)

طلباء کرام کا اکرام

آپؒ اپنے طلبہ کے لئے جمعہ کے روز طرح طرح کے کھانے پکواتے لیکن کھانے میں خود شریک نہ ہوتے، پوچھنے پر فرماتے ''اس طرح تم لوگوں کی بے تکلفی جاتی رہے گی۔'' اس سے امام صاحبؒ کے حلم اور حکمت کا اندازہ ہوتا ہے۔ وہ جانتے کہ نوجوانوں کو کسی بزرگ کی موجودگی میں سنجیدہ ہو کر بیٹھنا پڑے گا اور وہ آپس میں ہنسی مذاق نہ کر سکیں گے۔

شاگردوں کی امداد

☆.... امام ابوحنیفہ خوشحال و مالدار خاندان کے چشم و چراغ تھے، سخاوت اور داد ودہش میں بہت آگے تھے، احباب نوازی ان کا محبوب مشغلہ تھا، اپنے شاگردوں اور حلقہ نشینوں کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے، حسن بن زیاد لولؤی امام صاحب کے مخصوص تلامذہ میں ہیں۔ جب وہ امام صاحب کی مجلس میں شریک ہونے لگے تو ان کے والد نے امام صاحب سے کہا کہ میری کئی بیٹیاں ہیں اور حسن کے علاوہ کوئی میرا ہاتھ بٹانے والا نہیں ہے، اس لئے میں بہت پریشان ہوں، امام صاحب نے حسن بن زیاد کو بلا کر کہا کہ تمہارے والد ایسا ایسا کہہ رہے تھے، تم میرے پاس رہو، میں نے کسی فقیہ کو فقیر نہیں دیکھا ہے۔ ساتھ ہی اپنے پاس سے ان کا وظیفہ جاری کر دیا جو ان کی فراغت تک برابر جاری رہا۔ (احبار ابی حنیفہ واصحابہ ص ۱۳۲)

☆... قاضی ابو یوسف کا بیان ہے کہ میں عسرت اور تنگدستی کی حالت میں امام

صاحب سے تعلیم حاصل کررہا تھا، ایک دن میرے والد آئے اور مجھے درس سے اٹھا کر اپنے ساتھ لے گئے اور کہا کہ ابوحنیفہ خوشحال آدمی ہیں، تم تنگ دست ہو، ان کی برابری نہ کرو، اس کے بعد میں نے امام صاحب کے یہاں آمدورفت بند کردی، امام صاحب نے میری غیر حاضری کے بارے میں حلقہ نشینوں سے دریافت کیا، چند دن کے بعد میں دوبارہ ان کے یہاں گیا تو غیر حاضری کی وجہ معلوم کی، میں نے معاشی، الجھن بیان کی، مجلس کے ختم پر مجھے بیٹھ جانے کا اشارہ کیا، سب لوگ چلے گئے تو ایک تھیلی دی اور کہا کہ اپنا کام چلاؤ، اور برابر آتے رہو۔ یہ رقم ختم ہوجائے تو مجھے خبر دینا اس تھیلی میں سو ۱۰۰ درہم تھے، اس کے تھوڑے دن کے بعد بغیر کہے سنے دوسری تھیلی دی، اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہا اور میں نے بڑے اطمینان وسکون سے تعلیم مکمل کی، میں سترہ سال تک ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں یوں رہا کہ عید اور بقرعید کے علاوہ کسی دن غیر حاضر نہیں رہا۔

(احبار ابی حنیفہ واصحابہ ص ۹۲۔۹۳)

☆... ایک مرتبہ حاجیوں نے امام صاحب کی خدمت میں بہت سے جوتے ہدیہ میں پیش کیے چند دنوں کے بعد امام صاحب نے اپنے لئے جوتا خریدنا چاہا، لوگوں نے پوچھا کہ ہدیئے کے جوتے کیا ہوئے، آپ نے بتایا کہ ان میں سے ایک جوڑی بھی میرے یہاں نہیں ہے۔ میں نے سب اپنے شاگردوں کو دیدیا۔ (ایضاً ص ۵۰)

شاگردوں کی ہمت افزائی

جس زمانہ میں زفر بن ہذیل امام صاحب کے یہاں زیرِ تعلیم تھے، ان کی شادی ہوئی اور شاگرد نے استاد سے نکاح خوانی کی خواہش کی، امام صاحب نے بڑے انشراح کے ساتھ شاگرد کی خواہش پوری کی اور خطبۂ نکاح میں اس کے بارے میں یہ شاندار الفاظ کہے۔

هذا زفر بن الهذيل، وهو امام من ائمة المسلمين وعلم من اعلام الدين فی حسبه وشرفه وعلمه

یہ زفر بن ہذیل ہیں، جو اپنے حسب و نسب، شرافت اور علم کی وجہ سے مسلمانوں کے امام اور دین کے زبردست عالم ہیں

شاگرد کے بارے میں استاد کے ان جملوں سے حاضرین بہت محفوظ ہوئے مگر خاندان کے بعض لوگوں نے زفر سے کہا کہ تمہارے قبیلہ کے اعیان و اشراف یہاں موجود ہیں۔ پھر بھی تم نے ابوحنیفہ سے نکاح پڑھوایا؟ زفر نے کہا کہ اگر میرے والد بھی یہاں موجود ہوتے تو میں امام ابوحنیفہ ہی کو اس کے لئے آگے بڑھاتا۔

(احبار ابی حنیفہ واصحابہ ص ۱۰۳)

☆... امام صاحب سے ایک شاگرد نے سوال کیا کہ فقہی بصیرت و اتقان کے لئے کیا کیا جائے؟ امام صاحب نے کہا کہ پوری توجہ اور دلجمعی سے کام لیا جائے، اس نے کہا کہ اس کی کیا صورت ہے؟ امام صاحب نے کہا کہ دنیاوی مشاغل ختم کردیئے جائیں۔ اس نے کہا کہ یہ کیسے ہوگا؟ امام صاحب نے بتایا کہ

تاخذالشی عندالحاجة ولاتزد.

جس چیز کی جتنی ضرورت ہو اتنی ہی حاصل کرو، زیادہ کے چکر میں نہ پڑو،

(ایضاً ص ۸)

اپنے شاگردوں کی ہمت افزائی، ان کی خیر خواہی اور ان کی ضروریات پر توجہ امام صاحب کے حلقہ درس کی خصوصیات میں ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں کے نام

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں کی تعداد کئی ہزار ہے، ان کے معاصرین میں کسی محدث یا فقیہ کے تلامذہ کی تعداد اتنی زیادہ نہیں ہے، حافظ ابوالحجاج مزی نے تہذیب الکمال میں تقریباً ایک سو ۱۰۰ شاگردوں کا ذکر کیا ہے، صاحب عقود الجمان نے (ص ۹۱ سے ۱۵۸ تک) تقریباً آٹھ سو شاگردوں کے نام درج کئے ہیں، جنہوں نے مندرجہ ذیل ملکوں اور شہروں سے آکر امام صاحب سے فیض پایا۔

مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، دمشق، بصرہ، کوفہ، واسط، موصل، جزیرہ، رقّہ، نصیبین، رملہ، مصر، یمن، بحرین، بغداد، اہواز، کرمان، اصفہان، استر آباد، حلوان، ہمدان، نہاوند، رے، قومس، دامغان، طبرستان، جرجان، سرخسی، نسا، مرو، بخارا، سمرقند، کسّ، صُغانیان، ترمذ، بلخ، ہرات، قُہستان، زمّ، خوارزم، بجستان، مدائن، مصیصہ، حمص وغیرہ،

کئی علماء نے امام صاحب کے تلامذہ کے نام اور حالات ان کے ملکوں اور شہروں کی نسبت سے لکھے ہیں، جن میں فقہاء، محدثین، قضاۃ سب ہی شامل ہیں، چند حضرات کے نام یہ ہیں قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابراہم، محمد بن حسن شیبانی، زفر بن ہذیل عنبری، حماد بن ابوحنیفہ، حسن بن زیاد لولوی، ابوعصمۃ نوح بن ابومریم (نوح الجامع)، قاضی اسد بن عمرو، ابو مطیع حکم بن عبداللہ بلخی، مغیرہ بن مقسم، زکریا بن ابی زائدہ، مسعر بن کدام، سفیان ثوری، مالک بن مغول، یونس بن ابو اسحٰق، داوٗد طائی، حسن بن صالح، ابوبکر بن عیاش، عیسیٰ بن یونس، علی بن یونس، علی بن مسہر، حفص بن غیاث، جریز بن عبدالحمید، عبداللہ بن مبارک، وکیع بن جراح، ابواسحاق فزاری، یزید بن ہارون، مکی بن ابراہیم، ابو عاصم النبیل، عبدالرزاق بن ہمام صنعانی، ابوعبدالرحمٰن مقری مکی، ہشیم بن بشیر، علی بن عاصم، عباد بن عوام، جعفر بن غون، ابراہیم بن طہمان، حمزہ بن حبیب زیات مقری، یزید بن زریع، یحیٰ بن یمان، خارجہ بن مصعب، مصعب بن مقدام، ربیعہ بن عبدالرحمٰن رائی مدنی، یحیٰ بن نصر بن حاجب، عمرو بن محمد عنقری، ہوزہ بن خلیفہ، عبداللہ بن موسیٰ، ابراہیم بن طہمان وغیرہ۔ تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۲۴

امام احمد بن حنبل شیبانی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ طلبہ کی عزت وراحت کا خیال

محمد بن داوٗد مصیصی کہتے ہیں کہ ہم طلبہ حدیث امام احمد کی مجلس میں حدیث کا مذاکرہ کررہے تھے، محمد بن یحیٰ نے ایک ضعیف حدیث بیان کی، اس پر امام صاحب نے ان سے کہا کہ اس قسم کی حدیث نہ بیان کرو یہ سنکر محمد بن یحیٰ شرما گئے۔ امام صاحب نے

انکی دلجوئی کے لئے فرمایا کہ ابوعبداللہ یہ بات میں نے آپ کی بڑائی رکھنے کے لئے کہی ہے۔ (مناقب الامام احمد مختلف مقامات سے)

☆... امام صاحب اپنے عزیز طلبہ کے آرام و راحت کا پورا پورا اہتمام کر کے دوسروں کو اس کی تاکید کرتے تھے، ہارون بن عبداللہ حمال کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ رات کو امام احمد بن حنبل میرے مکان پر آئے، سلام کے بعد میں نے ناوقت آنے کی وجہ معلوم کی تو فرمایا کہ آج آپ نے پھر میرے دل میں خلجان پیدا کر رکھا تھا، میں نے کہا کہ ابوعبداللہ! کیا بات ہے؟ تو بتایا کہ میں آپ کے حلقہ درس سے گذر رہا تھا، دیکھا کہ آپ سایہ میں بیٹھ کر حدیث بیان کر رہے ہیں اور طلبہ دھوپ میں اس حال میں ہیں کہ ان کے ہاتھ میں قلم اور دفتر ہے، پھر کہا کہ:

لاتفعل مرة اخرى، اذا قعدت فاقعد مع الناس	دوسری بار ایسا نہ کریں، جب درس دینے کے لئے بیٹھیں تو لوگوں کیساتھ بیٹھا کریں
(تذکرة الحفاظ ج ۲ ص ۵۷)	

طلبہ کیساتھ خوش طبعی

☆.... امام صاحب اپنے حلقہ نشینوں کی خوش طبعی سے خوش ہوتے تھے، اسحاق بن ہانی کہتے ہیں کہ ہم لوگ امام صاحب کے یہاں تھے، ہمارے ساتھ ابوبکر مروزی اور مہنیٰ بن یحییٰ شامی بھی تھے ایک شخص نے باہر سے دروازہ کھٹکھٹایا اور کہا کہ مروزی یہاں ہیں؟ مروزی اس شخص سے ملنا نہیں چاہتے تھے، مہنی بن یحییٰ نے معاملہ سمجھ کر یہ ترکیب کی کہ اپنی انگلی اپنی ہتھیلی پر رکھا اور اس شخص کو اندر سے جواب دیا کہ مروزی یہاں (ہتھیلی پر) نہیں ہیں، ان کا یہاں کیا کام ہے، یہ تماشا دیکھ کر امام صاحب ہنس پڑے اور کچھ بولے نہیں۔

☆.... امام صاحب کے پڑوس میں ایک شخص معاصی اور فسق و فجور میں بہت آگے تھا۔ ایک دن اس نے امام صاحب کی مجلس میں آکر سلام کیا۔ آپ نے بڑے انقباض کے ساتھ جواب دیا، اس نے کہا کہ ابوعبداللہ! اب آپ کو مجھ سے انقباض نہیں

ہونا چاہیے کیونکہ میں نے ایک خواب دیکھ کر اپنی زندگی بالکل ہی بدل دی ہے، امام صاحب نے اس سے پوچھا کہ تم نے کیا خواب دیکھا؟ اس نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ایک بلند مقام پر ہیں اور بہت سے لوگ نیچے بیٹھے ہیں ان میں سے ایک ایک آدمی اٹھ کر رسول اللہ ﷺ سے کہتا ہے کہ آپ میرے لئے دعا فرمایئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کیلئے دعا فرماتے ہیں آخر میں جب میں نے اٹھنا چاہا تو اپنے معاصی کیوجہ سے مجھے شرم آئی اور بیٹھا رہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا نام لے کر فرمایا کہ اے فلاں! تم کیوں نہیں اٹھ کر مجھ سے دعاء کا سوال کرتے ہوتا کہ میں تمہارے لئے دعاء کروں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنی گناہگار زندگی کی وجہ سے شرم آتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم مجھ سے دعاء کا سوال کرو میں تمہارے لئے دعاء کروں گا، کیونکہ تم میرے کسی صحابی کو برا بھلا نہیں کہتے ہو، چنانچہ اس کے بعد میں بھی اٹھا اور آپ نے میرے لئے بھی دعاء فرمائی، اور جب خواب سے بیدار ہوا تو اپنی پچھلی زندگی سے توبہ کر لی۔

یہ خواب سنکر امام صاحب نے حاضرین سے فرمایا کہ اے جعفر، اے فلاں، اے فلاں! اس واقعہ کو یاد کرلو اور لوگوں سے اس کو بیان کرو، اس سے فائدہ ہوگا۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے درس کی خصوصیات اور امتیاز

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں عام طور پر درس کا طریقہ یہ تھا کہ شیوخ حدیث اپنے تلامذہ کو حدیث کی املا کرادیتے تھے اور ائمہ فقہ صرف فقہ کا درس دیتے تھے لیکن امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے درس کی یہ خصوصیت تھی کہ وہ دونوں کا مجمع البحرین ہوتا تھا۔ وہ درس میں نہ تو صرف اخبرنا و حدثنا پر اکتفا کرتے تھے اور نہ قال اقول ہی پر، بلکہ اگر ایک حدیث سناتے تھے تو اسی کے ساتھ اس سے اخذ کیے ہوئے نتائج و مجتہدات کو بھی طلبہ کے ساتھ رکھتے جاتے تھے۔

علی مدائنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ ۱۸۰ھ میں بصرہ تشریف لائے تو ہم لوگ ان کی خدمت میں استفادہ کے لیے پہنچے، ان کا طریقہ

درس یہ تھا کہ وہ دس حدیثیں بیان کرتے اور فقہی آراء بھی ان کے ساتھ پیش کرتے تھے۔

(جزء الذہبی رحمۃ اللہ علیہ ص ۱۷۲)

حدیث دانی صرف حفظ اور روایت حدیث کا نام نہیں بلکہ اس کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ حدیث سے مسائل اخذ کیے جائیں، اس سے اجتہاد اور استنباط کیا جائے تا کہ احادیث رسول ﷺ سے زندگی کے ہمہ گیر نظام کے لیے زیادہ سے زیادہ روشنی حاصل کی جاسکے۔ روایت حدیث کے علاوہ ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا اصلی کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے سنت رسول ﷺ سے مسائل کا استخراج کیا ہے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا حلقہ درس اور طلبہ کی والہانہ حاضری

بشر بن غیاث مریسی رحمۃ اللہ علیہ قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے مگر خلق قرآن کے مسئلہ میں انہوں نے معرکہ کی ہمنوائی کی تھی، علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں مرجیہ اور معتزلہ میں شمار کیا ہے۔ (منہاج السنۃ ج ۱ ص ۲۵۶)

تاہم بشر مریسی رحمۃ اللہ علیہ صاحب تصانیف و روایات کثیرہ ہیں جو انہوں نے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے لکھیں، وہ اہل زہد اور ورع میں سے تھے مگر علم کلام سے دلچسپی اور معتزلہ کی ہمنوائی کی وجہ سے لوگ ان سے بدگمان ہو گئے۔ ان ہی کے متعلق ابن احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے کہ: میں قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس درس میں موجود تھا کہ میرے سامنے ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے بشر مریسی کو اپنی درس گاہ سے نکلوا دیا کہ معتزلہ کی ہمنوائی کی وجہ سے وہ انہیں ڈانٹنا چاہتے تھے۔ بہر حال درس گاہ سے نکال دیئے گئے، اس کے بعد جب دوبارہ مجھے قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس درس میں حاضری کا موقعہ ملا تو کیا دیکھتا ہوں کہ بشر مریسی وہاں موجود ہیں، میں نے ان سے کہا ''جو کچھ تمہارے ساتھ قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی درس گاہ میں بدسلوکی ہوئی ہے اس کے بعد بھی تم یہاں پھر موجود ہو۔'' بشر نے میرے اس طعن کا جواب دیتے ہوئے کہا:۔

''میرے ساتھ جو بدسلوکی ہوئی ہے اس کی بنیاد پر میں اپنا وہ حصہ نہیں ضائع کرسکتا جو اس بارگاہ علم میں حاضر ہونے کے بعد مجھے ملتا رہتا ہے۔''

(حاشیہ حسن التقاضی ص ۲۱)

وجہ یہ تھی کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ گوناگوں فضائل وکمالات کے جامع تھے یہی وجہ تھی کہ جو بھی ان کے آستانے پر ایک مرتبہ آجاتا تھا وہ پھر کسی دوسرے در کا رخ نہیں کرتا تھا، ایک مرتبہ جو ان کی بارگاہ علم میں پہنچ جاتا پھر وہ کسی اور حلقہ درس سے بے نیاز ہو جاتا تھا، جو ان کے علم وبصیرت کی ایک جھلک دیکھ لیتا تھا وہ پھر کبھی اور کہیں نہیں جاتا تھا۔

طلبہ پر شفقت اور اخلاق کی بلندی

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ بہت زیادہ وسیع القلب اور متحمل المزاج تھے، ان کی پیشانی پر کبھی بھی بل نہ آتا۔ حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ دونوں بزرگوں سے علم حاصل کیا تھا وہی راوی ہیں کہ۔

کان ابو یوسف اوسع صدراً با لتعلیم من زفر — امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ تعلیم کے بارے میں امام زفر رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ کشادہ دل اور وسیع الظرف تھے (حسن التقاضی ص ۱۹)

میں جب بھی امام زفر رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کرتا یا اپنی کوئی (علمی) مشکل ان کی خدمت میں پیش کرتا وہ سمجھاتے میں نہ سمجھ پاتا تو پھر سوال کرتا امام زفر رحمۃ اللہ علیہ پھر جواب دیتے، پھر بھی میری سمجھ میں نہ آتا اور میں پھر کچھ کہتا تو وہ ناراض ہو جاتے اور ارشاد فرماتے ''نہایت نالائق ہو، عقل سے عاری، فہم سے خالی، تم کبھی بھی علم حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکتے''۔ میں یہ سنکر دل برداشتہ ہوکر، بجھا ہوا، غمگین امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ درس میں پہنچتا یہاں بھی میں سوال کرتا وہ پھر جواب دیتے، غرض بار بار یہی ہوتا لیکن ہر مرتبہ زیادہ سے زیادہ نرمی اور شفقت کے ساتھ مجھے سمجھاتے، اپنا علم میرے دل میں اتار دینے کی کوشش کرتے، اور ارشاد فرماتے: ''کوئی

بات نہیں، صبر کرو، غور کرو، بات کی تہہ تک پہنچ جاؤ گے تو مقصد حاصل کرلو گے، مراد کو پہنچ جاؤ گے"۔ پھر ارشاد فرماتے:

لو استطعت ان اشاطر کم مافی قلبی لفعلت (رسائل ابن جوزی تذکرہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ ص ۴۲ و حسن التقاضی ص ۱۹)

اگر میری استطاعت میں یہ بات ہوتی تو جو کچھ علم وفضل میرے پاس ہے وہ سب تمہارے دلوں میں انڈیل دیتا۔

تحصیل علم امام مالک رحمۃ اللہ علیہ

امام صاحب نے اس زمانہ میں آنکھ کھولی جب مدینہ منورہ میں علم وعرفان کے بے حدوحساب چشمے جاری تھے، ان کا گھرانہ خود علوم کا مرجع تھا۔ امام صاحب نے دس سال کی عمر میں تحصیل علم کی ابتداء فرمائی۔ امام القراء نافع بن عبدالرحمٰن (م: ۱۶۹ھ) سے علم قرأت حاصل کر کے نوسو سے زائد اہل علم وفضل سے کسب فیض فرمایا۔ بارہ برس تک حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے خصوصی شاگرد حضرت نافع کے درس میں شریک رہے۔ اس دوران وہ تکالیف ومشقتیں برداشت کیں جو ہر کس وناکس کا کام نہیں ہوسکتا، یہاں تک کہ گھر کی چھت توڑ کر لکڑیاں تک فروخت کرنے کی نوبت آئی۔ (مقدمہ اوجز المسالک ص ۳۴)

درس وتدریس

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اکیس سال کی عمر میں تدریس شروع فرمائی، بعض حضرات نے سترہ سال کا قول نقل کیا ہے۔

امام صاحب نے اپنے دست مبارک سے تقریباً ایک لاکھ احادیث لکھیں، ان کے دروازے پر شائقین علم وسائلین مسائل کا ایسا ازدحام رہتا کہ دیکھنے والا کسی بڑے بادشاہ وقت کا دربار سمجھ بیٹھتا۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۰۱)

جب حاضرین زیادہ ہوجاتے تو امام صاحب پہلے اپنے خاص تلامذہ ورفقاء کو بلواتے، ان سے فارغ ہوکر پھر عوام کو اجازت ملتی۔ اس پر کسی نے شکوہ کیا تو فرمایا:

(اصحابی جیران رسول اللہ ﷺ)

''میرے شاگرد، رسول اللہ ﷺ کے پڑوسی ہیں۔'' (مقدمہ اوجز المسالک ص ۳۹)

امام مالک درس حدیث کا جس قدر اہتمام فرماتے اور اس کے آداب کی رعایت رکھتے یہ بھی ایک حیران کن حقیقت ہے۔ ایک مرتبہ درس حدیث کے دوران بچھو نے سولہ مرتبہ امام صاحب کو ڈنگ مارا جس کی وجہ سے آپ کا چہرہ متغیر ہوتا رہا لیکن درس حدیث کو بدستور جاری رکھا۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے میں دریافت کیا تو فرمایا: ''حدیث رسول اللہ ﷺ کی تعظیم کی وجہ سے میں نے برداشت کیا ہے۔''

(مقدمہ اوجز المسالک ص ۲۳)

آپ کا معمول یہ تھا کہ اگر کوئی فقہی مسئلہ پوچھنے آتا تو گھر سے باہر تشریف لا کر اس کا جواب دے دیتے، لیکن اگر حدیث کی بات ہوتی تو پہلے غسل فرماتے، نئے کپڑے پہن کر خوشبو استعمال فرماتے، عمامہ باندھ کر باہر آتے اور مطلوبہ بات کو حل فرماتے۔ درس حدیث کی مجلس میں برابر عود ولوبان کی دھونی ہوتی رہتی تھی۔

مسائل بتانے میں کمال احتیاط

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ مسئلہ بتانے میں کمال احتیاط کی رعایت فرماتے تھے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ ''میں نے اس وقت فتویٰ دینا شروع کیا جب ستر جید علماء نے میری اہلیت کی گواہی دی۔'' جب تک مسئلہ میں کامل شرح صدر نہ ہوتا جواب دینے سے انکار فرماتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے 48 مسائل کے بارے میں سوال کیا گیا تو 32 مسائل میں آپ نے لاعلمی کا اظہار فرمایا۔

خالد بن حداش کہتے ہیں کہ میں نے 40 مسائل کے بارے میں امام صاحب سے سوال کیا تو انہوں نے صرف 5 مسائل کا جواب دیا اور باقی کے بارے میں لاعلمی کا اظہار فرمایا۔ (محدثین عظام اور ان کی کتابوں کا تعارف ص ۲۲۷)

فتویٰ میں غایت احتیاط کے بارے میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ خود فرماتے ہیں: ''میرے لیے یہ سخت گراں اور مشکل ہے کہ مجھ سے حلال وحرام کے بارے میں پوچھا

جائے، میں نے اپنے شہر مدینہ میں ایسے علماء وفقہاء کو دیکھا ہے جن کے نزدیک موت فتویٰ دینے سے بہتر تھی۔ اب میں اپنے زمانہ والوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ فقہ وفتویٰ کے بارے میں خواہش ظاہر کرتے ہیں، اگر ان کو یقین ہو جائے کہ کل اس کا انجام کیا ہوگا تو اس سے باز آجائیں، حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما خیار صحابہ میں سے تھے، ان کے سامنے جب مسائل آتے تو صحابہ کو جمع کر کے ان سے مشورہ کر کے فتویٰ دیا کرتے تھے اور ہمارے زمانہ والوں کے لیے فتویٰ دینا فخر کا سبب ہے، اس لیے ان کو اسی کے مطابق علم دیا جاتا ہے اور وہ حقیقی علم سے محروم رہتے ہیں، ہمارے اسلاف کا یہ طریقہ نہیں تھا کہ وہ کہیں یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے، بلکہ وہ کہتے تھے میں اس بات کو مکروہ سمجھتا ہوں اور اس بات کو پسند کرتا ہوں، کیونکہ حلال وحرام وہ چیزیں ہیں جن کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حلال وحرام بتایا ہے۔'' (سیرت ائمہ اربعہ ص ۱۱۸، ابن خلکان ج ۲ ص ۱۱)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے ''بسا اوقات میں ایک مسئلہ کی تحقیق کے لیے پوری رات جاگتا ہوں، اور ایک مسئلہ میں دس سال سے غور کر رہا ہوں مگر اب تک صحیح فیصلہ نہیں کر سکا۔'' (ترتیب المدارک ج ۱ ص ۱۴۴)

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا درسِ ''موطا'' اور طلبہ کا ازدحام

اہل عراق میں غالباً حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ پہلے شخص تھے جنہوں نے مدینہ منورہ میں تین برس تک رہ کر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے شیوخ مدینہ سے استفادہ اور کسب فیض اور ان کی مرویات کا ایک بڑا سرمایہ اپنے ساتھ عراق لائے اور اس زمانہ میں متعدد وجوہ کی بناء پر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی مرویات کو شہرت و امتیاز اور خصوصیت حاصل تھی، اس لیے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی عراق میں ان کی روایتوں کا مستقبل درس قائم کیا اور اس کے لئے ہفتہ میں ایک دن متعین کر دیا تا کہ وہ لوگ جو امام دارالہجرت کے پاس بذات خود پہنچ کر استفادہ نہیں کر سکتے تھے وہ ان کی مرویات سے مستفیض ہو سکیں۔ چنانچہ جس روز امام محمد رحمۃ اللہ علیہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی روایات کی تحدیث اور تدریس کرتے تھے اس قدر ہجوم ہوتا تھا کہ مجلس میں جگہ ناکافی ہو جاتی تھی۔

چنانچہ ایک مرتبہ امام محمدؒ نے حاضرین سے فرمایا کہ تم لوگ اپنے اصحاب کے بارے میں کتنے برے ہو اور تم سے بڑھ کر اپنے اکابر اور مشائخ کا ناقدر شناس میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ا۔ جب میں تم سے امام مالکؒ کی مرویات بیان کرتا ہوں تو تمہارا ٹھٹھ کا ٹھٹھ لگ جاتا ہے، اور جب میں تم سے تمہارے اکابر کی مرویات بیان کرتا ہوں تو بادلنخواستہ شریک ہوتے ہو، صاف معلوم ہوتا ہے کہ بے ادبی سے آئے ہو۔

(مناقب الامام ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وصاحبیہ للذہبی رحمۃ اللہ علیہ ص ۵۰)

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ ''موطا'' کا درس دیتے تو ہجوم سے راستے بند ہو جاتے

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد جب ان سے براہ راست سماع حدیث کی امید منقطع ہوگئی تو یہ مجمع اور زیادہ بڑھنے لگا، اسد بن فرات رحمۃ اللہ علیہ نے سفر عراق کے حالات بیان کئے پھر امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے درس موطا کی کیفیت بھی بیان فرمائی ہے۔اور جب امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں کسی نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کی خبر دی، اس مجلس اور اس کے بعد کے درس کی کیفیت بھی بیان فرمائی، چنانچہ ان سے روایت ہے کہ:۔

ہم لوگ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر تھے اور ان کا حلقہ درس زوروں پر تھا کہ ایک شخص کودتا اور لوگوں کو پھلانگتا ہوا تیزی سے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہنچا اور اس نے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے آہستہ سے کچھ کہا، اس کا پیغام سننے کے بعد امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے باآواز انا للّٰہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور فرمایا افسوس ہے وہ مصیبت ہم پر ٹوٹ پڑی ہے جس سے بڑی کوئی اور مصیبت نہیں ہوسکتی، امیر المومنین فی الحدیث امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اس جہان فانی سے رحلت فرما گئے ہیں۔ یہ الفاظ دوسرے لوگوں نے بھی سنے، مجلس پر سناٹا چھا گیا اور لوگوں پر حزن والم اور غم وصدمہ کی کیفیت طاری ہوگئی، اور یہ خبر بہت جلد عام ہوگئی اور تمام لوگوں کو اس کا صدمہ ہوا۔

اسد بن فرات کا بیان ہے کہ اس کے بعد حالت یہ ہوگئی کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے سنی ہوئی حدیثوں کی جب روایت کرتے تو لوگ انبوہ در انبوہ جمع ہوجاتے اور لوگوں کی اس قدر بھیڑ ہوجاتی کہ دوسروں کے لیے راستہ چلنا بھی دشوار ہوجاتا اس لیے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی حدیثوں اور مرویات سے لوگوں کی رغبت اور شغف میں غیر معمولی اضافہ ہوگیا تھا۔ (بلوغ الامانی ج ۱۵۔۱۶)

رات کے وقت مجلس درس کا اہتمام

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ دن کے علاوہ رات کے وقت بھی درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھتے تھے لیکن یہ درس عام نہیں ہوتا تھا بلکہ جو طلبہ دور دراز سے خاص ذوق لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوتے اور ان کے پاس وقت کم ہوتا تھا تو ان کے لیے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ رات کے وقت مجلس درس منعقد کرتے تھے۔ چنانچہ اسد بن فرات رحمۃ اللہ علیہ مدینہ منورہ سے عراق آئے اور یہاں آکر فقہاء حنفیہ بالخصوص امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے وابستہ ہوگئے اور جلد ہی ان سے اختصاص اور قرب وخدمت کا مقام حاصل کرلیا۔ ایک موقعہ پر انہوں نے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا حضرت! میں ایک غریب الدیار مسافر طالب علم ہوں'' علم فقہ سے کورا، لیکن اس کا جویا اور شائق ہوں اور وہ بھی کسی اور سے نہیں صرف آپ سے، اور آپ کا تدریسی اور تعلیمی حال یہ ہے کہ ہر وقت عراقی طلبہ آپ کو گھیرے ہوئے ہیں میرے لیے تو استفادہ مشکل ہے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں ارشاد فرمایا۔ دن کے وقت تم عام عراقی طلبہ کے ساتھ میرے حلقہ درس میں سماع کیا کرو، باقی رہی رات تو وہ ساری کی ساری آپ کے لیے وقف کیے دیتا ہوں، شب کو میرے گھر پر رہا کرو میں تمہاری ساری کسر پوری کردوں گا۔''

(معالم الایمان ج ۲ ص ۴)

رات کے درس میں بعض تلامذہ پر اونگھتے وقت پانی چھڑکنے کا اہتمام

اسد بن فرات رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی اس شفقت نے مجھے حصول علم اور استفادہ وکسب فیض کا بہترین موقع مرحمت فرمایا صرف یہ نہیں کہ امام

محمد رحمۃ اللہ علیہ رات کو مجھے خصوصیت سے پڑھایا کرتے تھے بلکہ جب میں نے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں شب باشی شروع کردی اور میں روزانہ رات کے وقت ان کے ہاں چلا جایا کرتا تھا تو وہ اپنے بالا خانہ سے مجھے پڑھانے کے لیے جب اترتے تو پانی کا ایک پیالہ بھی ساتھ لاتے جو پانی سے لبالب بھرا ہوتا، اور قرأت و درس کا سلسلہ شروع کردیتے جب رات زیادہ گذر جاتی اور میں اونگھنے لگتا یا غنودگی طاری ہونے لگتی تو وہ پیالے سے پانی کا چلو لے کر مجھ پر چھڑک دیتے میں فوراً ہوشیار اور بیدار ہوجاتا اور پھر وہ سلسلہ درس شروع کردیتے، پھر جب مجھے اونگھ ستاتی یا غنودگی طاری ہوتی تو پھر وہ ایسا ہی کرتے، ایک عرصہ تک ہم دونوں کا یہ معمول رہا۔ یہاں تک کہ میں نے گوہر مقصود حاصل کرلیا اور جو کچھ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے سیکھنا چاہتا تھا وہ سیکھ لیا۔

(معالم الایمان ج ۲ ص ۴)

اسد بن فرات رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ابو عبید رحمۃ اللہ علیہ کے لیے بھی رات کو مخصوص طور پر وقت نکالا تھا۔ اس سے یہ اندازہ بھی ہوجاتا ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اپنے تلامذہ کے وقت کو کس قدر عزیز رکھتے تھے اور ان کے افادہ کے لیے کتنی مشقتیں برداشت کرتے تھے۔

تعلیم البنات کا اہتمام

کبھی کبھی امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے پاس عورتیں بھی استفادہ کے لیے آیا کرتی تھیں، ان کے لیے بھی امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے خصوصیت سے تعلیم و تدریس کا اہتمام کیا تھا۔ پردہ، عفت اور حیا محفوظ رہتی۔ کسی کے تصور میں بھی نہ آتا کہ یہاں عورتیں بھی پڑھنے آتی ہیں۔ آپ نے خصوصی انتظامات کے ساتھ ان کی تعلیم کیلئے رات کا وقت رکھا تھا۔

محمد بن سماعہ رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ دس رومی لونڈیاں انشاء اور عربیت میں ماہر ہوکر (غالباً فقہ میں) ان سے استفادہ کے لیے آئی تھیں اور آپ نے ان کے لیے تعلیم و تدریس کا خصوصی انتظام کیا تھا۔　(سیر الصحابہ ج ۸ ص ۱۵۹)

کردری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی غالباً اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے

کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے دس رومیات (یورپین) عورتوں کو جو شرعی کنیز ہونے کی حیثیت رکھتی تھیں عربی زبان اور کتابت کی تعلیم دی تھی جو ان کی تدوین وترتیب اور تحقیق و تحریر کے کام کاج میں ان کا ہاتھ بٹاتی تھیں۔ (مناقب کردری)

تلامذہ کے ساتھ حسن سلوک اور مالی معاونت

تلامذہ کے ساتھ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا حسن تلطف اور حسن سلوک صرف درس و تدریس، وقت کی قربانی، تفہیم وتشریح میں تعب ومشقت اور وقت کا ایثار وقربانی یا دن کی محنت کے ساتھ ساتھ شب بیداری کے اہتمام تک محدود نہ تھا بلکہ روپیہ پیسہ، انفاق، مالی امداد اور اس سلسلہ میں طلبہ کی سرپرستی میں ان کا یہ وصف اور زیادہ نمایاں ہوجاتا تھا۔ خارج اوقات میں تدریس اور طلبہ کی علمی پیاس بجھانے کا اہتمام کرنے کے ساتھ ساتھ جب انہیں یہ معلوم ہوجاتا کہ اس طالب علم کی جیب خالی ہوچکی ہے اور اس کے پاس جو کچھ تھا وہ خرچ کر چکا ہے تو انہوں نے ایسے شائق اور لائق تلامذہ کی مالی مدد کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا۔ اور ایسے واقعات اور معاملات اسد بن فرات رحمۃ اللہ علیہ نے زیادہ ظاہر کیے ہیں۔ عام معاونت اور یومیہ تعاون کے علاوہ بعض اوقات بھرپور مدد بھی کر ڈالتے تھے۔

اسد بن فرات رحمۃ اللہ علیہ سے مالی معاونت

چنانچہ ایک مرتبہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اسد بن فراتؒ کو دیکھا کہ وہ حلقہ درس میں بیٹھے ہیں، ناگاہ سبیل لگانے والے کی آواز آئی تو اسد بن فرات رحمۃ اللہ علیہ جلدی سے اٹھ کر گئے اور پانی پی کر واپس حلقہ درس میں آبیٹھے، اس پر امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا مغربی! تم سبیل کا پانی پیتے ہو؟ اسد رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا خدا آپ کو فلاح دے میں تو ابن السبیل ہوں۔ تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سمجھ گئے کہ ان کے پاس خرچہ ختم ہوگیا ہے تو رات کے وقت خادم کے ذریعہ ان کی خدمت میں اسّی (۸۰) دینار (سونے کے موجودہ بھاؤ کے اعتبار سے) یکمشت بھجوا کر ان کی مدد کی اور ان کی مشکلات رفع کرنے میں حصہ لیا۔

(معالم الایمان فی تاریخ القیروان ج ۲ ص ۵)

صرف یہ نہیں بلکہ حصول علم کے بعد جب اسد بن فرات رحمۃ اللہ علیہ واپس جانے لگے تو یہ دیکھ کر کہ ان کے پاس زادراہ کے طور پر کچھ نہیں ہے تو پھر حسب ضرورت اور حسب دلخواہ ان کی بھرپور مدد کی۔

ائمہ علم میں سے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے سوا کوئی ایسا شخص نہیں ہے جس نے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ اپنے شاگردوں سے زیادہ حسن سلوک کیا ہو، ان کی مالی دشواریاں رفع کی ہوں اور خود تکلیف اٹھا کر انہیں راحت پہنچائی ہو اور پیشانی پر بل بھی نہ آنے دیا ہو اور یہ سارے کام اس طرح انجام دیئے ہوں جیسے ان سے بڑھ کر لطف ولذت کسی اور کام میں ہے ہی نہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق خاطر اور مالی معاونت

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ ہیں اور ان کی کتابوں سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ اسد بن فرات رحمۃ اللہ علیہ کی طرح امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے لیے بھی رات کے درس کا اہتمام کیا گیا تھا۔ درسی تعلمی اور تربیتی شفقتوں کے ساتھ ساتھ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی مالی معاونت میں بھی اپنا استحقاق پیدا کر چکے تھے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا برتاؤ اپنے تلامذہ اور شاگردوں سے عام طور پر اور شاگردِ رشید امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے خاص طور پر انتہائی شفقت ومحبت، رحم وکرم، رافت و مروت، بذل وعطا اور جود وسخا کا تعلق تھا وہ اپنے شاگردوں کی تکلیف دیکھ ہی نہیں سکتے تھے، خود دُکھ اٹھاتے تھے انہیں سکھ پہنچاتے تھے، خود تکلیف برداشت کرتے تھے ان کے لیے سامان راحت مہیا کرتے تھے، اپنی حاجات وضروریات روک کر ان کے لیے اپنا مال ودولت بے دریغ خرچ کر ڈالتے تھے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اپنے جود وسخا کو پوشیدہ رکھتے تھے اور یہ نہیں چاہتے تھے کہ کسی اور کو جود وسخا کا علم ہو، یہ بات صرف وہی جانتے تھے جو ان کے زیر بار احسان رہتے تھے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دادودہش، بذل وعطا اور جود وسخا سے متعلق بہت سی روایتیں

کتب تاریخ میں مرقوم ہیں، سب پر خاص کر تلامذہ پر بے دریغ خرچ کرتے تھے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی تو بہت زیادہ مالی مدد انہوں نے کی تھی مگر یہ بات انہیں گوارا نہ تھی کہ لوگ انہیں امور خیر میں خرچ کرتا دیکھیں، اس بات کو وہ زیادہ چشم مردم سے پنہاں رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔

ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ کبیر میں لکھا ہے کہ ابو عبید رحمۃ اللہ علیہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے اس وقت ملا جب وہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے حضور میں حاضر تھے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں پچاس دینار دیئے اور اس سے پہلے بھی وہ انہیں پچاس درہم دے چکے تھے، اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اگر واقعی تم علم کے جو یا ہو تو بس اس سے چمٹے رہو اس کا دامن چھوڑو نہیں۔ ابو عبید رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو کہتے ہوئے سنا ہے۔'' کہ میں نے محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ سے بہت کچھ سنا اور لکھا ہے۔''

ابن سماعہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے کہ ایک بار امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اصحاب اور تلامذہ سے تقریباً ایک ہزار درہم بطور چندہ جمع کیے اور یہ رقم امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو مختلف وقفوں میں دے دی گئی۔ (جواہر مفیہ ج ۲ ص ۴۵)

عراق کے زمانہ قیام میں ایک بار امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ قرض نہ ادا کر سکے تو اس سلسلہ میں گرفتار ہو کر نظر بند کر دیئے گئے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کو معلوم ہوا تو قرض خواہ کا قرض ادا کر کے انہیں رہا کرا دیا۔ (مناقب کردری)

کھڑا نہ ہونا بے ادبی تصور کرتا ہوں

ایک مرتبہ امام شافعیؒ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) شاگردوں کو سبق پڑھا رہے تھے، دوران سبق اچانک آپ کھڑے ہو گئے۔ تھوڑی دیر کھڑے رہنے کے بعد بیٹھ گئے۔ کچھ دیر بعد حسب سابق دوبارہ کھڑے ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد پھر بیٹھ گئے۔

حتی کہ آپ نے یہی عمل کم و بیش دس مرتبہ دہرایا۔ آخر شاگردوں سے نہ رہا گیا، پوچھا، ''استاد محترم! آپ بار بار کھڑے کیوں ہو جاتے ہیں؟'' فرمایا، ''دراصل باہر کچھ

بچے کھیل رہے ہیں، ان میں ایک سید زادہ بھی ہے۔ جب وہ قریب آتا ہے، تو اس کی تعظیم کی خاطر کھڑا ہو جاتا ہوں۔ کیونکہ میں، رسول اللہ (ﷺ) کے خاندان کے ایک فرد کے قریب آنے پر ادباً کھڑا نہ ہونا، بے ادبی تصور کرتا ہوں۔''

(تذکرۃ الاولیاء۔ صفحہ ۱۳۰)

محدث العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا درسگاہ میں ایک طالب علم سے خصوصی شغف رہتا تھا

حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ ہمارے ایک رفیق درس جن کا نام مولوی محمد عیسیٰ تھا، شاید بھکر نامی قصبہ کے رہنے والے تھے۔ بیچارے بڑے متین اور سنجیدہ اور نیک آدمی معلوم ہوتے تھے۔ شدت نیکی کی وجہ سے تعلق ان کا علم کے ساتھ بھی کچھ نیک ہی نیک سا تھا۔ شاہ صاحبؒ کے متصل' دستِ چپ کی طرف شروع ہی سے انہوں نے اپنی جگہ بنالی تھی۔ وقت پر ٹھیک اپنی مقررہ جگہ پر آ کر بیٹھ جاتے، شاید کسی دوسرے طالب علم کی ہمت بھی نہ ہوتی تھی کہ ان کی جگہ پر قبضہ کرے، ہوتا یہ تھا کہ کسی بلند و بالا مسئلہ پر شاہ صاحبؒ کے معلومات کا بحر ذخار موجیں مارتا ہوا چلا جاتا ہے۔ حافظ الدنیا، شیخ ابن ہمام، شمس الائمہ سرخسی، ابن نجیم کا ذکر ہو رہا ہے کہ اچانک شاہ صاحبؒ مولوی محمد عیسیٰ کی جانب متبسمانہ لہجہ میں مخاطب ہو جاتے، اور ان کی طرف خطاب کر کے کچھ فرماتے۔ صحیح الفاظ تو اس وقت یاد نہ رہے اور الفاظ کی نوعیت ایک رہتی کب تھی، تاہم حاصل یہی ہوتا تھا کہ جو کچھ بیان کیا گیا گویا مولوی عیسیٰ صاحب سے اس کی تصدیق چاہی جاتی تھی۔ بیچارے مولوی محمد عیسیٰ خاموش مسکرانے لگتے، سارا حلقہ اس وقت صرف مسکراہٹ ہی مسکراہٹ، اور تبسم ہی تبسم بن جاتا تھا ''ہاں مولوی محمد عیسیٰ صاحب تو اب آپ کی رائے اس مسئلہ میں کیا ہے۔'' یہ یا قریب قریب اسی کے عموماً ان سے سوال کیا جاتا۔ بظاہر مولوی محمد عیسیٰ صاحب کے وجود سے استرواح اور ازالہ ملال وکلال کا کام لیا جاتا تھا۔ شاید ہی کوئی دن ایام درس کے طویل عہد میں ایسا گزرا ہو جس

میں دلوں کے انبساط وانشراح کا یہ موقعہ اوّل یا آخر یا وسط میں نہ نکل آتا ہو، معلوم نہیں ہمارے یہ رفیق درس آج کل کہاں ہیں؟ کس مشغلہ میں ہیں؟ اسی دنیا میں ہیں یا اپنے محبوب استاذ اور سلف صالحین کے ساتھ لاحق ہو گئے، اگر اسی دنیا میں موجود ہیں تو ان سے معافی کا خواستگار ہوں۔ (احاطہ دارالعلوم میں بیتے ہوئے دن ص ۱۰۹)

کمالِ تواضع وعبدیت

حضرت مولانا پروفیسر سعید احمد صاحب فرماتے ہیں

ایک واقعہ لکھتا ہوں جس سے اندازہ ہوگا کہ حضرت الاستاذ کو چھوٹوں کی دلجوئی اور ان کی دلداری کا کس قدر خیال رہتا تھا۔ حضرت الاستاذ میری شادی میں شریک ہوئے اور حضرت نے ہی میرا نکاح پڑھایا تھا۔ یہ مہینہ مئی کا تھا جو آگرہ کے لئے بہت ہی شدید اور انتہائی سخت موسم ہے۔ بارات کو اعتماد پورہ جو آگرہ سے تین چار اسٹیشنوں کے فاصلہ پر ہے وہاں جانا تھا، ریل کے اوقات کی مجبوری کی وجہ سے دوپہر کو تقریباً دوڈھائی بجے کے قریب ہم لوگ آگرہ سے روانہ ہوئے اور ایک ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد اعتماد پور کے اسٹیشن پر پہنچ گئے، مگر منزل ابھی دو میل دور تھی۔ اسٹیشن سے قیام گاہ تک جانے کے لئے اس نواح کی مخصوص اور سخت تکلیف دہ سواری یعنی یکہّ میں بیٹھنا تھا، پھر اس پر لطف یہ کہ راستہ نہایت ناہموار جگہ جگہ گڑھے اور نشیب وفراز وہ کہ الامان! گرمی اپنے شباب پر۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ قافلہ یکوّں پر سوار ہو کر اسٹیشن سے شہر کی جانب روانہ ہوا تو راستہ کی ناہمواری اور گڑھوں کی فراوانی کے باعث برا حال ہو گیا۔ حضرت شاہ صاحب ٹھہرے ایک نہایت ہی لطیف اور نازک مزاج بزرگ تھوڑی دیر چلنے کے بعد ہی یکہّ رکوایا اور پاپیادہ ہو گئے، چلچلاتی دھوپ پڑ رہی اور لو چل رہی ہے۔ چاروں طرف سے مٹی کے تودے ہیں کہ فضا میں گشت لگاتے پھر رہے ہیں اور اسی عالم میں حضرت شاہ صاحبؒ منہ اور کانوں کو رومال سے لپیٹے ہوئے حسبنا اللّٰہ و نعم الوکیل پڑھتے ہوئے قدم بڑھائے اعتماد پور کی آبادی کی طرف چلے جا رہے ہیں۔ آخر خدا خدا کر کے مقام آیا۔ ایک بڑے مکان میں انتظام تھا، وہاں ہم لوگوں کو پہنچا دیا گیا۔ یہاں لوگ پہلے سے موجود تھے، کوئی پنکھا لے کر دوڑا، اور کوئی پانی سے بھرا لوٹا لے کر آیا کہ سخت گرمی میں چل

کر آئے ہیں۔ ذرا منہ ہاتھ دھو کر ٹھنڈے ہو لیجئے۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو صدر مجلس میں قالین پر بٹھا دیا گیا اور دو تین آدمی بڑے بڑے پنکھے لے کر جھلنے کھڑے ہو گئے۔ جب ذرا پسینہ خشک ہو گیا اور دم میں دم آ گیا تو دودھ کے شربت کا ایک بھرا ہوا گلاس میں خود لے کر حضرت الاستاذ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں آنے کو آ تو گیا، ورنہ حق یہ ہے کہ شرم کے مارے نگاہ نہیں اٹھتی تھی کہ میری وجہ سے مولانا شبیر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے حضرات کو عموماً اور حضرت الاستاذ کو خصوصاً کس قدر شدید تکلیف پہنچی ہے۔

اسی قسم کے خیالات اور احساس ندامت و شرمندگی تھا جن سے اس وقت دو چار ہو رہا تھا۔ اسی عالم میں دودھ کے شربت کا گلاس حضرت الاستاذ کی طرف بڑھایا۔ حضرت میرے چہرے بشرے سے سمجھ گئے، گلاس میرے ہاتھ سے لے لیا اور خوش مزاجی کے ساتھ فرمایا........

ع الایا ایہا الساقی ادر کاساً و ناولہا

پھر ایک دو گھونٹ لینے کے بعد میری طرف دیکھ کر ذرا تبسم فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اور مولوی صاحب ''کہ عشق آساں نمود اوّل و لے افتاد مشکلہا''

(حیات انور ص ۱۷۰ تا ۱۷۶)

بے پناہ شفقت

حضرت مولانا محمد میاں صاحب ناظم جمعیت علماء ہند دہلی حضرت امام کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا طالبانِ علوم نبوت سے برتاؤ اور طرزِ عمل کی منظر کشی یوں کرتے ہیں:

ایشائی اور مشرقی تہذیب استاذ کو باپ اور شاگردوں کو اولاد کا درجہ دیتی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ اس کا عملی نمونہ تھے۔ آپ کی بے پناہ شفقت ہر وقت طلبہ علوم کے استقبال کے لئے وقف تھی۔ آپ کا دروازہ طلبہ کے لئے ہر وقت کھلا ہوا تھا۔ بدشوق طلبہ کو بھی آپ محبت و شفقت ہی سے گرویدہ کرنے کے عادی تھے۔

طالب علم سے معافی مانگو

مولانا سید احمد مالک کتب خانہ اعزازیہ دیوبند کا بیان کیا ہوا یہ واقعہ سننے کے قابل ہے۔ کہتے ہیں کہ جس سال ہماری بخاری و ترمذی حضرت شاہ صاحب کے یہاں زیر درس تھیں، دارالعلوم دیوبند میں ایک عجیب مجہول شخصیت طالب علم کی حیثیت سے داخل ہوئی۔ یہ شخصیت پنجاب کی تھی۔ میلے کچیلے کپڑے پھٹا پرانا لباس' یہ طالب علم صرف درس میں نظر آتا۔ باقی تمام اوقات مطالعہ میں گذارتا۔ عصر سے مغرب تک اکثر طلباء تفریح کے لئے نکل جاتے، مگر یہ کبھی تفریح میں نظر نہ آیا۔ محنتی اور شوقین طلباء بھی کبھی اپنی ضروریات کے لئے بازار جاتے لیکن اسے دیوبند کے بازار میں نہیں دیکھا گیا۔ حد تو یہ ہے کہ دارالعلوم میں اجتماعات یا وقتی و ہنگامی جلسوں میں اس کی صورت نظر نہ پڑتی۔ میلے کچیلے کپڑے جن پر جوئیں گشت کرتی رہتی، طلبا اس کے قریب بیٹھنے یا اسے اپنے قریب بٹھانے سے گریز کرتے۔ اس کا معمول تھا کہ کھانے کے اوقات میں مٹی کا پیالہ لیے ہوئے مطبخ آتا، کھانا لینے کے بعد وہیں بیٹھ کر کھالیتا۔ اسی پیالہ کو لیے ہوئے مولسری کے کنویں پر پہنچتا، پیالہ کھنگال کر اسی میں پانی پی لیتا اور پھر بدستور داخل حجرہ۔ ایک آدھ مرتبہ اس کے کمرے میں جھانک کر دیکھا تو ایک بوریا اور ایک اینٹ جس سے یہ تکیہ کا کام لیتا، اس کے سوا کمرہ میں کوئی چیز نہیں تھی۔

ایک رفیق درس مولانا مفتی عتیق الرحمان نے ایک روز خلافِ معمول اس طالب علم کو دیکھا کہ اپنی مخصوص نشست چھوڑ کر ہمارے ساتھ والی نشست پر آبیٹھا۔ پھٹا پرانا لباس اس پر چلتی ہوئی جوئیں اپنی کوفت سے زیادہ یہ اور احساس تکلیف کا باعث بن رہا تھا کہ حضرت استاذ کو بھی اذیت ہوگی۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف لا چکے تھے۔ آپ کی تقریر روانی کے ساتھ جاری تھی۔ حافظ ابن تیمیہ' ابن حجر عسقلانی' ابن ہمام' بدرالدین عینی وغیرہ کے حوالے بلند پایہ تحقیقات اور اس پر ردوقدح کے دوران حضرت استاد کی مسکراہٹ۔ میں نے یہ سمجھ کر کہ آپ کی تمام تر توجہ اس وقت متعلقہ مسئلہ کی جانب ہے، نہایت ہی خفی لہجہ میں اس طالب علم سے کہا کہ تمہیں شرم نہیں آتی، اتنے غلیظ ہو کر یہاں آبیٹھے ہو، میں مطمئن تھا کہ میری آواز حضرتؒ کے کان تک نہیں پہنچی ہوگی، گردن اٹھا کر دیکھا تو شاہ صاحبؒ کی کشادہ پیشانی پر ناگواری کی شکنیں پڑی ہوئی تھیں اور تقریر کا

انبساط بھی رخصت ہو چکا تھا۔ سبق قبل از وقت ختم کیا اور درس گاہ سے رخصت ہوئے، مجھے اشارے سے بلایا، جب میں قیام گاہ پر پہنچا تو محسوس ہوا کہ آپ شدید ناگواری میں ہیں فرمایا! مولوی صاحب! آپ بہت نظیف ہیں کہ ایک غریب طالب علم کی آپ نے دل شکنی فرمائی۔ یہ تواضع کے خلاف اور کبر کی علامت ہے۔ آپ کو کیا معلوم جس طالب علم کو آپ نے سخت وسست کہا وہ واحد طالب علم ہے جو میری تقریر کو مکمل سمجھ رہا ہے۔ جایئے اس سے معافی مانگئے۔ حضرت استاد کے اس حکم کی تعمیل کی گئی، لیکن یہ شبہ باقی رہا کہ حضرت نے اس طالب علم کے متعلق ایسے وقیع کلمات کس لئے استعمال کئے۔

ایک روز امتحان کی غرض سے اس طالب علم کے کمرہ میں پہنچ کر ایک اہم روایت کے متعلق سوال کیا اور میری حیرت کی انتہا نہ رہی، جب اس کی زبان سے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر اس طرح سنی کہ الفاظ کی بھی تبدیلی نہ تھی۔

(نقشِ دوام ص ۹۵)

بھائی شمس الدین رخصت ہو رہے ہیں

جناب مسعود احمد قاسمی صاحب لکھتے ہیں:

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی لطیف طبیعت پائی تھی اور ساتھ ہی مزاح کا عنصر بھی موجود تھا۔ ایک دن عصر اور مغرب کے درمیان وقت میں بخاری شریف کا درس دے رہے تھے کہ یکا یک کتاب بند کر دی اور کہا جب بھائی شمس الدین ہی چلے گئے تو اب سبق میں کیا لطف رہ گیا۔ چلو تم بھی اپنے گھر کا راستہ لو۔ سب لوگ حیران و پریشان رہ گئے کہ بھائی شمس الدین کون تھے اور وہ کب چلے گئے؟ جب حضرت شاہ صاحبؒ نے لوگوں کی حیرانی کو دیکھا تو غروب ہوتے ہوئے سورج کی طرف اشارہ کر کے فرمانے لگے:

جاہلو! دیکھتے نہیں وہ بھائی شمس الدین رخصت ہو رہے ہیں، اندھیرے میں سبق پڑھ کر کیا کرو گے۔ اس میں تو لطف نہیں آئے گا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا تواضع اور شفقت

ایک طالب علم نے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت کی، آپ نے فرمایا کہ ایک شرط پر منظور ہے کہ خود کچھ مت پکانا، گھر میں جو تمہاری روٹیاں مقرر ہیں وہی ہمیں بھی کھلا دینا۔ اس نے منظور کرلیا۔ یہ ہے شان مسکنت اور غربت وانکساری اور عاجزی کہ اتنا بڑا شخص اور اس طرح اپنے آپ کو مٹائے ہوئے تھا۔

(اسلاف کے حیرت انگیز واقعات ص ۴۴)

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے طالبعلمی کے زمانے میں مکان میں تنہا ایک جگہ رہتے تھے، روٹی کبھی پکوالیتے تھے تو کئی کئی وقت تک کھالیتے تھے (ص ۴۹)

حضرت حاجی شاہ عابد حسین صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کی فنائیت

(سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند)

(حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے) فرمایا کہ حاجی محمد عابد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ اہتمام میں ایک طالب علم کسی انتظام میں آپ سے خفا ہوگیا اور مقابلہ میں برا بھلا کہا، حضرت حاجی صاحب خاموش ہوگئے۔ دوسرے وقت ڈومنی والی مسجد میں جہاں وہ طالب علم رہتا تھا خود تشریف لے گئے اور اس طالب علم کے سامنے ہاتھ جوڑ کر بیٹھے اور فرمایا کہ مولانا معاف کردیجیے، آپ نائب رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں آپ کا ناراض رکھنا مجھے گوارا نہیں ہے۔

ہمارے حضرت (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) نے فرمایا کہ مہتمم اور ایک ادنیٰ طالب علم کے سامنے ان کا یہ حال۔ اب تو امید نہیں کہ ایسے لوگ پیدا ہوں۔ روز بروز تغیر ہوتا جاتا ہے۔ سچ ہے۔

حریفاں بادھا خوردند رفتند	تہی خمخانہ کردند و رفتند

(ارواح ثلاثہ ص ۳۳۷)

حضرت مُلّا محمود دیوبندی رحمہ اللہ کی تواضع وسادگی

شیخ الاسلام حضرت اقدس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدھم تحریر فرماتے ہیں:
دارالعلوم کی تاریخ میں یہ جملہ بہت معروف ہے کہ دارالعلوم کی ابتداء دو ایسے بزرگوں سے ہوئی جن دونوں کا نام محمود تھا اور دونوں قصبہ دیوبند کے باشندے تھے۔ان میں شاگرد تو وہ محمود تھے جو شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے معروف ہوئے اور استاد حضرت مُلّا محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ راقم الحروف کے جدامجد حضرت مولانا محمد یسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ مُلّا محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سنن ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ پر جو حاشیہ حضرت شاہ عبدالغنی محدث دہلوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے لکھوایا ہے۔ان کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ طلباء نے اس پر تعجب کا اظہار کیا۔ وجہ یہ تھی کہ علم کے دعوے اور نام ونمود کی خواہشات سے اللہ تعالیٰ نے اس فرشتہ خصلت بزرگ کو ایسا پاک رکھا تھا کہ عام آدمی کو یہ پہچاننا بھی مشکل تھا کہ یہ کوئی بڑے عالم ہیں۔

اپنا گھریلو سودا سلف اور گوشت ترکاری خود بازار سے خرید کر لاتے اور گھر میں عام آدمیوں کی طرح زندگی گزارتے تھے مگر علوم کے استحضار اور حفظ کا عالم یہ تھا کہ راقم کے جدامجد حضرت مولانا محمد یسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک بڑی کتاب (جو غالباً منطق یا اصول فقہ کی کتاب تھی) اتفاقاً درس سے رہ گئی تھی، انہیں یہ فکر تھی کہ دورہ حدیث شروع ہونے سے پہلے یہ کتاب پوری ہوجائے چنانچہ انہوں نے ملّا محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کی، ملّا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اوقات مدرسہ کے علاوہ بھی میرے تمام اوقات اسباق سے بھرے ہوئے ہیں صرف ایک وقت ہے کہ جب میں گھر کا گوشت ترکاری لینے کے لیے بازار جاتا ہوں، یہ وقت خالی گذرتا ہے تم ساتھ ہوجاؤ تو اس وقفے میں سبق پڑھادوں گا۔ احقر کے دادا حضرت مولانا محمد یسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ کتاب بڑی اور مشکل تھی جس کو دوسرے علماء غور و مطالعہ کے بعد بھی مشکل سے پڑھاسکتے تھے۔ مگر ملّا محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ راستہ میں، کچھ قصاب کی دوکان پر یہ تمام کتاب ہمیں اس طرح پڑھادی کہ کوئی مشکل ہی نظر نہ آئی۔

(اکابر دیوبند کیا تھے؟ص۹۹)

تاج المحدثین حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

''بیشک میری غلطی ہے، ان شاء اللہ آئندہ نہ دیکھو گے''

مولوی نور محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جس زمانہ میں مجھے گنگوہ کی حاضری نصیب تھی اور حضرت (گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ) سے حدیث پڑھا کرتا تھا، دیکھتا تھا کہ طالب علم ہو یا مسافر جو بھی حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتا اس کو تین روز تک اپنا مہمان سمجھتے اور دستر خوان پر پاس بٹھا کر یا مکان سے کھانا منگا کر روبرو کھلایا کرتے تھے، جب طلبہ کی آمد زیادہ ہوئی اور حضرت کے مشاغل بہت بڑھ گئے تو طلبہ کو کھانا کھلانے کا وہ اہتمام آپ سے نہ ہو سکا جو کبھی کبھی آنے والے مسافر کا ہوتا تھا مگر تین دن کی مہمانی ضرور قائم تھی۔ اتفاق سے ایک پنجابی طالب علم آئے اور خدا جانے کیا وجہ پیش آئی کہ مکان سے ان کا کھانا نہ آیا چونکہ یہ طالب علم میرے پہلے ملاقاتی تھے اس لیے مجھے رنج ہوا اور میں نے حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر بیبا کانہ غصہ کے ساتھ عرض کیا کہ ''طلبہ کیا مہمان نہیں ہیں دوسرے لوگ ہی مہمان ہیں'' اس کی کیا وجہ کہ جو بھی مہمان آتا ہے آپ اس کو خود کھانا کھلاتے اور ان بیچاروں کو دوسروں پر چھوڑ کر اتنی بھی خبر نہیں لیتے کہ مکان سے کھانا آیا نہیں''؟

بعد میں مجھے اپنی اس حرکت اور گستاخ جرات پر بہت ندامت ہوئی، مگر اس وقت غصہ کی حالت میں جو کہنا زیبا نہ تھا وہ بھی کہہ گذرا۔ میری اس عرض پر حضرت نے ندامت کے ساتھ گردن جھکا لی اور مجھ ناکارہ سے کہ ادنیٰ شاگرد تھا معذرت کا یہ فقرہ فرمایا کہ ''بیشک میری غلطی ہے ان شاء اللہ آئندہ نہ دیکھو گے''۔

اس تاریخ سے میں نے دیکھا کہ حضرت نے طالب علم کی مہمانی کسی معتمد سے معتمد شخص کے حوالہ بھی نہیں کی، جو کوئی آیا خود اس کو کھانا کھلایا۔ آپ کی یہ بے نفسی اور للّٰہیت دیکھ کر مجھے یقین ہوا کہ حضرت بڑے پایہ کے شیخ ہیں''۔

(تذکرۃ الرشید جلد ۲ ص ۵۵)

''طلبہ کی حالت غیر ہوگئی اور وہ چیخیں مارنے لگے''

ارشاد فرمایا کہ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ علیہ کے یہاں درس حدیث ہورہا تھا، مولانا فخر الحسن گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ جیسے ذہین طلبہ حدیث پڑھنے والے تھے۔ دوران درس ایک روایت آئی **لاتفضلونی علی یونس بن متی** حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھے یونس بن متی علیہ السلام پر فضیلت مت دو، اس پر طلبہ نے اشکال کیا کہ حضور اقدس ﷺ کو کیوں افضل قرار نہ دیں آپ تو سب سے افضل ہیں، خود قرآن مجید میں ہے **تلک الرسل فضلنا بعضهم علی بعض** اس سے آگے ہے **ورفع بعضهم درجات**۔ حضرت گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ جو افضل ہوتے ہیں وہ اس طرح کہا کرتے ہیں مگر اس سے طلبہ کی تشفی نہ ہوئی، اس لیے حضرت گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ نے دوسری قوت سے کام لیا، فرمایا اچھا چلو بتلاؤ مجھ کو کیسا سمجھتے ہو؟ طلبہ نے عرض کیا اپنے میں سب سے برتر سمجھتے ہیں، پھر فرمایا کہ میں جو کچھ کہوں اس کو کیسا سمجھتے ہو؟ عرض کیا بالکل سچ سمجھتے ہیں پھر فرمایا کہ جس بات کو میں قسم کھا کر بیان کروں اس کو کیسا سمجھتے ہو؟ کہنے لگے اس میں تو جھوٹ کا شائبہ تک بھی نہ ہوگا اس پر فرمایا:

''یاد رکھو! واللہ میں تم سے ہر شخص کو اپنے سے ہزار درجہ افضل سمجھتا ہوں''۔

حضرت کے اس فرمانے پر طلبہ کی حالت غیر ہوگئی، چیخیں مارنے لگے، گریبان پھاڑنے لگے اور مولانا مجمع کو ذبح کر کے تڑپتا ہوا چھوڑ کر حجرہ میں چلے گئے۔ اگلے روز جب سبق پڑھانے کے لیے تشریف لائے تو دریافت فرمایا کل والی حدیث کا مطلب سمجھ میں آگیا؟ سب نے عرض کیا کہ حضرت بالکل سمجھ میں آگیا۔

(ملفوظات فقیہ الامت، جلد ا حصہ سوئم ص ۴۷)

''جو لوگ قال اللہ تعالیٰ قال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے ہوں رشید احمد ان کے جوتے نہ اٹھائے تو اور کیا کرے؟''

ایک مرتبہ حضرت حدیث شریف کا درس دے رہے تھے، ابر ہورہا تھا کہ اچانک بوندیں پڑنا شروع ہوگئیں، جس قدر طالب علم شریک درس تھے سب کتابوں کی حفاظت

کے لیے اٹھ کر بھاگے اور سہ دری میں پناہ لی، پھر کتابیں رکھ کر جوتے اٹھانے چلے، صحن کی طرف رخ کیا تو دیکھتے ہیں کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سب کے جوتے جمع کر کے لا رہے ہیں، طلبہ نے کہا کہ حضرت! آپ نے یہ کیا کیا؟ فرمایا: ''جو لوگ قال اللہ تعالیٰ وقال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے ہوں رشید احمد ان کے جوتے نہ اٹھائے تو اور کیا کرے؟''۔ (ص۶۲)

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خادم پر شفقت

ارشاد فرمایا کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ایک طالب علم خادم رہتا تھا، ایک روز اس کو کسی جگہ بھیج دیا، اس کی عدم موجودگی میں کہیں سے مٹھائی آئی، وہ حضرت نے وہیں تقسیم کردی جب وہ طالب علم کام سے فارغ ہو کر آیا اور اس کو معلوم ہوا کہ مٹھائی تقسیم ہوئی تھی تو اندر ہی اندر بہت غصہ ہوا کہ کام کے واسطے ہم اور مٹھائی کے واسطے دوسرے، جی ہی جی میں خوب گھٹا، اسی دوران اس کو اپنے حجرہ کے پاس کسی کے پاؤں کی آہٹ محسوس ہوئی پھر زنجیر پر ہاتھ پڑا اور دروازہ کھٹکھٹایا، اس نے غصہ میں اندر ہی سے پوچھا کون؟ حضرت نے فرمایا رشید احمد، لو یہ تمہارا حصہ ہے مٹھائی کا، تمہارے پیچھے تقسیم ہوئی تھی تم یہاں تھے نہیں اس لیے میں نے تمہارا حصہ رکھ لیا تھا۔

(ملفوظات فقیہ الامت جلد۲ حصہ دہم ص ۸۸)

مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا درس بند ہو جانے پر ہدیہ لینے میں تقویٰ

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد کیا گیا ہے کہ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث کا درس اپنے ہاں گنگوہ میں جاری کر رکھا تھا وہ سب توکل پر تھا۔ چنانچہ وہ درس جب بند ہوا (کیونکہ مولانا کی بینائی جاتی رہی تھی) تو اس کے بعد جب کبھی باہر سے بڑی بڑی رقمیں آتیں تو مولانا سب واپس کر دیتے کہ اب درس نہیں رہا۔ بعض لوگوں نے مولانا کو رائے دی کہ حضرت رقم واپس کیوں کی جائے۔ صاحب رقم سے کسی دوسرے مصرف خیر کی اجازت لے کر اس میں صرف فرما دیجئے گا۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ میں لوگوں سے کیوں اجازت لیتا پھروں؟ (اکابر علماء دیوبند کا تقویٰ ص۱۶)

طلباء کی جوتیاں

حرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ حدیث کا سبق پڑھا رہے تھے کہ بارش آگئی، سب طلباء کتابیں لے کر اندر کو بھاگے مگر مولانا سب طلباء کی جوتیاں جمع کر رہے تھے کہ اٹھا کر لے چلیں لوگوں نے یہ حالت دیکھی تو کٹ گئے۔ (ارواح ثلثہ ص ۳۰۳)

حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ

اور طلبہ کے ساتھ شفقت بھرے واقعات

آپ ضلع میانوالی کے قصبہ واں بھچراں میں بروز ہفتہ ۱۹ ذی القعدہ ۱۲۸۳ھ/ ۲۵ مارچ ۱۸۶۷ء میں میاں محمد بن حافظ عبداللہ بن حافظ الیاسؒ کے گھر پیدا ہوئے۔ آپ کے والد گرامی معزز قوم میانہ سے تعلق رکھتے تھے۔

آپ حضرت خواجہ محمد عثمان دامانی قدس سرہ کے خاص ترین اصحاب اور اعظم ترین خلفاء میں شامل تھے۔ جید عالم، فاضل، صوفی کامل اور خوش استعداد ظاہری و باطنی تھے۔ حضرت خواجہ محمد عثمان دامانی قدس سرہ کے صاحبزادگان گرامی کے استاذ تھے۔

آغاز و تکمیل علوم

سب سے پہلے قرآن شریف پڑھا۔ بعدازاں فارسی کی ابتدائی کتب اپنے والد محترم سے پڑھیں۔ جب شوق بڑھا تو موضع سیلوان (کندیاں، ضلع میانواں) تشریف لے گئے اور وہاں عربی و فارسی کی باقی کتب پڑھیں۔ ۱۳۰۲ھ/۱۸۸۳ء میں دورہ حدیث پڑھنے کے لیے گنگوہ (ہندوستان) تشریف لے گئے اور محدث وقت حضرت مولانا رشید گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء) سے دورہ پڑھا۔ پھر ۱۳۰۳ھ میں ان کے مشورے سے مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں گئے اور وہاں حضرت مولانا محمد مظہر نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۰۲ھ/۱۸۸۳ء) سے تفسیر قرآن پڑھی۔ بعدازاں ۱۳۰۴ھ میں مولانا احمد حسن کانپوری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء) سے منطق و فلسفہ کی تکمیل کر کے وطن لوٹے۔ (مجموعہ فوائد عثمانیہ ص ۱۶۲ سید اکبر علی نقشبندی مجددیؒ)

خدمت خلق:

شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ ہمارے شیخ حضرت مولانا حسین علی صاحب کی حیثیت ایک شفیق باپ اور ایک مہربان مربی کی سی تھی۔ وہ طلبہ میں گھل مل کر رہتے تھے۔ ان کے ساتھ کھاتے پیتے تھے اور ان سے خدمت لینے کے بجائے اُلٹا ان کے آرام و آسائش کا خیال رکھتے تھے۔ اس ضمن میں شیخ کے اس معمول کا ذکر عام لوگوں کے لیے باعث حیرت ہوگا اور بہت ممکن ہے کہ بعض لوگوں کو اس کا یقین ہی نہ آئے لیکن حضرت شیخ کے تمام تلامذہ اور احباب گواہ ہیں کہ حضرت شیخ ہر روز جبکہ ابھی خواب شیریں کے مزے لے رہے ہوتے تھے، طلبہ کے لیے لوٹوں میں پانی بھر دیا کرتے تھے۔ طلبہ جب فجر کی نماز کے لیے بیدار ہوتے تو انہیں وضو کے لیے لوٹے پانی سے بھرے ملتے تھے۔

حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ فرماتے تھے کہ ابتدا میں جب میں وہاں گیا اور کئی روز مسلسل مجھے مسجد کے لوٹوں میں پانی بھرا ہوا ملا تو مجھے حیرت ہوئی، چنانچہ میں ایک طالب علم سے جو وہاں ہم سے پہلے پڑھ رہا تھا دریافت کیا کہ ہم پر اتنا مہربان کون ہے کہ ہمیں خبر تک نہیں ہوتی اور وہ ہمارے لیے لوٹوں میں پانی بھر دیتا ہے۔ مجھے معلوم ہوا کہ یہ خدمت حضرت شیخ خود ہی انجام دیتے ہیں تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی۔ دوسری شب میں نے اس بات کی تصدیق کرنے کا فیصلہ کیا اور پوری رات بیداری میں گزاری۔ آخر شب جب پانی کے برتنوں کے اُٹھانے رکھنے کی آوازیں آئیں تو میں دبے پاؤں اپنی جگہ سے اٹھ کر آہستہ آہستہ مسجد کی جانب گیا، وہاں دیکھتا ہوں کہ حضرت لوٹوں میں پانی بھر رہے ہیں۔ میں نے ان سے ڈول لے کر خود پانی بھر دینا چاہا لیکن شیخ نہ مانے اور مجھ سے فرمانے لگے: ”کیا تم نہیں چاہتے کہ جو لوگ خدا کے دین کا علم حاصل کرتے ہیں ان کی تھوڑی سی خدمت کا مجھے بھی ثواب مل جائے۔“

اخلاص:

حضرت شیخ مولانا حسین علی صاحبؒ محض دولت علم و عمل سے ہی مالا مال نہ تھے

بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مادی دولت سے بھی نوازا تھا اور آپ اپنے علاقہ کے کافی بڑے زمیندار تھے۔ زمین سے ان کو کافی آمدنی ہوتی تھی۔ آپ اس آمدنی کو علوم قرآن وحدیث حاصل کرنے والے طلبہ پر خرچ فرمادیا کرتے تھے۔ گویا آپ اپنے گھر سے کھلا پلا کر لوگوں کو قرآن پاک پڑھایا کرتے تھے۔ حضرت استاذ مولانا عبدالحیٔ صاحب کوٹ مومن والے جو کہ حضرت شیخ کے شاگرد اور مرید ہیں، بیان فرماتے ہیں کہ آپ تمام طلبہ کو روٹی اپنے گھر سے دیا کرتے تھے اور روٹی بھی ایسی جو عام طور پر لوگ مہمان کو دیا کرتے ہیں۔ تنوری کی بڑی روٹی پر کافی سارا تازہ مکھن رکھ کر دیا کرتے تھے اور خود اکثر طلبہ کے بچے ہوئے ٹکڑے ہی شوق سے کھایا کرتے تھے۔ ایک بار حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ کے صاحبزادے نے آپ کی اس فیاضی کو دیکھ کر شکایت کی کہ آپ سب کچھ ان پر خرچ کردیتے ہیں، گھر کا کچھ خیال نہیں فرماتے، تو حضرتؒ نے فرمایا: ''تم کو ان طلبہ کا احسان مند ہونا چاہیے کہ ان کی وجہ سے خدا ہمیں عزت کے ساتھ رزق دے رہا ہے۔''

سادگی اور عجز:

شیخ انتہائی طور پر سادہ طبیعت اور منکسر المزاج تھے۔ کھدر کا کرتہ اور تہبند زیب تن فرماتے تھے اور سر پر دستار (پگڑی) باندھتے، ہل چلاتے اور کھیتی باڑی کرتے اور دیگر کام انجام دینے میں کبھی عار محسوس نہ کرتے تھے۔ ایک بار دہلی شریف کے ایک عالم، شیخ کے علم وفضل کا شہرہ سن کر واں بھچراں پہنچے، اس وقت حضرت شیخ مٹی کا گارا بنا کر گھر کی دیوار مرمت کرنے میں مشغول تھے۔ انہوں نے لوگوں سے حضرت شیخ کے بارے میں دریافت کیا تو کسی نے اشارہ سے ان کی رہنمائی کی، مگر شیخ کو اس حالت میں دیکھ کر ان کو یقین نہ آیا لیکن جب انہیں بتایا گیا کہ ان سے مذاق نہیں کیا گیا بلکہ وہ جس صاحب (مولانا حسین علی) کی جستجو میں دہلی شریف سے یہاں تک پہنچے ہیں، وہ یہی ہیں تو وہ شخص انگشت بدنداں رہ گئے۔ کچھ دنوں کے بعد جب وہ واں بھچراں سے واپس جارہے تھے تو ان کی زبان پر یہ الفاظ تھے کہ ''مجھے اس درجہ علم وفضل کا مالک اور عالم باعمل مرکز ہندوستان دہلی میں بھی نظر نہیں آیا۔''

حضرت شیخ تکلفات کے بالکل قائل نہ تھے۔ جب کوئی آدمی آپ سے ملنے یا مسئلہ

پوچھنے آتا تو اس کے ساتھ سادگی اور بے تکلفی سے پیش آتے۔ آپ اپنی زمین میں کھیتی باڑی میں مصروف ہوتے۔ کوئی اگر تلاش کرتا ہوا وہاں آجاتا تو اسے وہیں ریتلی زمین پر بٹھا دیتے اور تسلی بخش جواب دیتے۔ حضرت شیخ کے ایک مرید مولوی محمد شریف صاحب امرتسری (مقیم سرگودھا) کا بیان ہے کہ حضرت شیخ اپنے باجرہ کی فصل کی حفاظت کے لیے خود تشریف لے جاتے اور چڑیوں کو اونچی آواز سے اُڑاتے تھے اور دوپہر کو قیلولہ کرنے کے لیے ایسی ہی کسی درخت کے نیچے زمین کے بنے پر سر رکھ کر لیٹ جاتے۔ کوئی یہ تمیز نہیں کر سکتا تھا کہ یہ اتنے بڑے علم وفضل کے مالک بزرگ ہیں یا ایک عام دیہاتی کسان ہے۔

وفات حسرت آیات:

پچاس برس تک خدمت دین کرنے کے بعد بالآخر ۴ رجب ۱۳۶۲ھ/ ۲۵ جون ۱۹۴۳ء کو یہ آفتاب علم وعمل غروب ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون.

اولاد امجاد:

آپ نے ایک شادی کی اور اللہ کریم نے پانچ صاحبزادے عطا فرمائے جن کے اسمائے گرامی ہیں:

(۱) مولانا صدرالدین صاحبؒ: آپ نے اپنے والد بزرگوار کی حیات میں وفات پائی۔

(۲) مولانا حافظ عبدالرحمٰن صاحب۔

(۳) مولانا محمد صادق صاحبؒ: آپ نے اپنے والد بزرگوار رحمۃ اللہ علیہ کی جانشینی کا حق ادا فرمایا۔ آپ کے مدرسہ کو قائم رکھا۔

(۴) مولانا محمد عبداللہ صاحبؒ: آپ اپنے والد بزرگوار کی زندگی میں ہی رحلت فرما گئے۔

(۵) مولانا عبدالرزاق صاحبؒ: آپ شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔

جانشین معظم

آپ کے صاحبزادے حضرت مولانا حافظ عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ آپ کے جانشین

قرار پائے۔

آپ کو عربی اور فارسی ہر دو زبانوں پر عبور کامل حاصل تھا۔ مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بڑا گہرا لگاؤ تھا۔ بہت اچھے واعظ اور صوفی مزاج بزرگ تھے۔ تصوف وسلوک میں ان کا قدم بڑا راسخ تھا اور نقشبندی مجددی سلسلہ طریقت میں ہزاروں لوگ آپ سے فیض یاب ہوئے ہیں۔ حضرت مولانا حسین علیؒ نے اپنے صاحبزادوں میں سے خلافت صرف آپ کو عطا فرمائی تھی۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، واقعی مجھ سے غلطی ہوئی

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے اساتذہ کے اساتذہ کا معمول سنا ہے کہ سبق پڑھانے کے دوران اگر کوئی طالب علم ایسا اشکال کرتا جس کا جواب سمجھ میں نہیں آیا تو دوران سبق میں اپنے استاد سے جا کر پوچھ آتے اور آ کر تقریر فرماتے۔ حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ ارشاد فرمایا کرتے ہیں کہ میں نے ترجیح الراجح کا سلسلہ اسی لیے قائم کیا ہے کہ جس کو میری تصانیف میں غلطی معلوم ہو مجھے متنبہ کردے تا کہ مجھے اگر اپنی غلطی کا اطمینان ہو جائے تو اس سے بالاعلان رجوع کرلوں۔ چنانچہ مجھ سے جہاں کہیں لغزش ہوئی ہے اس کا دل کھول کر بہت فراخ دلی سے اقرار کیا ہے اور جہاں مجھے شرح صدر اپنی غلطی کا نہیں ہوا وہاں دوسرے کا قول بھی نقل کر دیا ہے تا کہ جو قول جس کے جی کو لگے وہ اسی کو اختیار کرلے۔ میں نے ہمیشہ یہی کیا ہے خواہ مخواہ اپنی بات کو نبھایا نہیں یہ حرکت حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ ویسے تو یہ خصلت اپنے سبھی اکابر میں تھی لیکن جیسا رنگ (مولانا محمد یعقوب صاحب) میں اس صفت کا نمایاں تھا اور حضرات میں ایسا نہ تھا۔ دوران درس میں جہاں کسی مقام پر شرح صدر نہ ہوا جھٹ اپنے کسی ماتحت مدرس کے پاس کتاب لیے جا پہنچے اور بے تکلف کہا کہ مولانا یہ مقام میری سمجھ میں نہیں آیا ذرا اس کی تقریر تو کر دیجئے۔

چنانچہ بعد تقریر کے واپس آ کر طلباء کے سامنے اس کو دہراتے اور فرماتے کہ مولانا نے اس مقام کی یہ تقریر کی ہے اور اسی طرح اگر کوئی طالب علم کسی مقام کی مولانا کی تقریر

کے معارض تقریر کرتا اور وہ صحیح ہوتی تو اپنی تقریر سے فوراً درس میں ہی رجوع فرما لیتے اور صاف لفظوں میں فرماتے کہ مجھ سے غلطی ہوئی اور صرف ایک بار ہی نہیں بلکہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد رہ رہ کر جوش اٹھتا اور بار بار فرماتے ہاں واقعی مجھ سے غلطی ہوئی۔ مولانا کو ایسی باتوں سے ذرا عار نہ آتی تھی۔ (اکابر علماء دیو بند کا تقویٰ ص ۵۲)

مولانا سید حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ (مجاز صحبت حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) کی تواضع وانکساری

حضرت تھانوی قدس سرہ، کی تعلیمات میں معاملات اور حقوق العباد کی ادائیگی سرفہرست ہیں، مولانا سید حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی حقوق العباد کی ادائیگی پر خصوصی توجہ فرماتے۔ آپ میں تواضع وانکساری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ آپ کے ایک شاگرد نے آپ کے ساتھ کسی کوتاہی پر اپنے بوڑھے خانساماں (باورچی) کو ڈانٹ دیا اور اس سے معافی منگوائی، آپ کو یہ بات ناگوار گزری، چنانچہ جب وہ بوڑھا خانساماں باورچی خانے میں گیا تو آپ نے اس کے پیچھے جا کر خود اس سے معافی مانگی۔

(بزم اشرف کے چراغ ص ۹۱)

شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب دیو بندی رحمۃ اللہ علیہ کا ایسا ہی ایک اور واقعہ

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں رمضان المبارک میں یہ معمول تھا کہ آپ کے یہاں عشاء کے بعد تراویح شروع ہوتی تو فجر تک ساری رات تراویح ہوتی تھی، ہر تیسرے یا چوتھے روز قرآن شریف ختم ہوتا تھا، ایک حافظ صاحب تراویح پڑھایا کرتے تھے اور حضرت والا پیچھے کھڑے ہو کر سنتے تھے، خود حافظ نہیں تھے۔ تراویح سے فارغ ہونے کے بعد حافظ صاحب وہیں حضرت والا کے قریب تھوڑی دیر سو جاتے تھے، حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ ایک دن جب میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ کوئی آدمی میرے پاؤں دبا رہا ہے میں سمجھا کہ کوئی شاگرد یا کوئی طالب علم ہوگا

چنانچہ میں نے دیکھا کہ کون دبا رہا ہے۔ کافی دیر گزرنے کے بعد میں نے جو مڑ کر دیکھا تو حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ میرے پاؤں دبا رہے تھے میں ایک دم سے اٹھ گیا اور کہا کہ حضرت یہ آپ نے کیا غضب کر دیا۔ حضرت نے فرمایا غضب کیا کرتا۔ تم ساری رات تراویح میں کھڑے رہتے ہو، میں نے سوچا کہ دبانے سے تمہارے پیروں کو آرام ملے گا، اس لیے دبانے کے لیے آ گیا۔

(اصلاحی خطبات جلد ۵ ص ۴۲)

پہننے، اوڑھنے میں سادگی اور طالب علمانہ وضع

آپ کے شاگرد رشید عارف باللہ حضرت میاں سید اصغر حسین صاحب محدث دارالعلوم دیوبند رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

سنا ہے کہ جوانی میں حضرت مولانا لباس نفیس اور مکلّف پہنتے تھے لیکن چند ہی روز کے بعد نہایت سادہ بالکل طالب علمانہ ملانی وضع کا ہوتا تھا، نہ ایسا پھٹا پرانا کہ دیکھنے والے نفرت وکراہت کریں یا محتاج سمجھیں، نہ ایسا شاندار کہ امتیاز اور خصوصیت کا شائبہ ہو۔ مولانا محمد قاسم صاحب (نانوتوی) رحمۃ اللہ علیہ کو کسی نے نہ دیکھا ہو تو آپ کو دیکھ لے، اتفاقیہ کہیں قیمتی کپڑا میسر ہو گیا تو وہی پہن لیا، ادنی سے ادنی موجود ہوا تو اس میں بھی عار نہیں، کبھی بیلدار چکن کا کرتہ زیب تن کئے ہوئے جا رہے ہیں اور کبھی معمولی دھوتر اور گزی کا پیراہن پہنے ہوئے دارالعلوم کی صدر مدرسی کی مسند پر بیٹھے ہوئے حدیث پڑھا رہے ہیں، نہ اس میں افتخار نہ اس میں عار۔

مالٹا کے سفر سے پہلے بھی دیسی کپڑے کو زیادہ پسند فرماتے تھے اور اب آخری زمانہ میں تو اس طرف نہایت ہی توجہ ہو گئی تھی اور دوسروں کی ترغیب وتحریض کے لیے معمولی دیسی کپڑے اہتمام سے تیار کرائے تھے۔ نیچا کرتہ سینہ کھلا ہوا گریبان اور شرعی مغلئ پاجامہ ہوتا تھا دو پلی ٹوپی پہنتے یا عرب کی طرح سوزنی گول۔ عمامہ بہت کم باندھتے اور باندھتے بھی تو شملہ بمقدار علم سمجھ کر مزین مشین وشاندار نہیں بلکہ نہایت سادہ سفید یا دھاری دار اور مختصر، مالٹا سے واپسی پر کبھی کبھی کرتہ پر سفید صدری بھی پہن لیتے، موسم سرما میں روئی دار نیمہ آستین یا روئی دار چوغہ (یعنی لبادہ) اور سر پر روئی دار کن ٹوپ، سبز کاہی

یا کشمشی رنگ کی روئی دار دلائی اکثر استعمال کرتے۔فرماتے تھے کہ مالٹا کی سردی میں ان ہماری زرائیوں نے بڑا کام دیا۔ (حیات شیخ الہند ص ۱۱۰)

سادہ اور بے تکلف طالب علمانہ صفت کے لوگوں کی صحبت سے نشاط پاتے اور رئیسانہ ساز وسامان اور بے موقع تکلفات سے نہایت منقبض ہوتے۔کسی تقریب سے ریاست رامپور جانے کا اتفاق ہوا اور کسی معزز شخص کے ہمراہ بطور سیر کے نواب صاحب کے مکلّف سجے ہوئے کمرہ میں پہنچے انتہائی زیب و زینت تھی، جا بجا نقشے اور تصویریں لگی تھی، مکلّف قالین اور بستر لگے ہوئے تھے، خود فرماتے تھے کہ ''اس قدر انقباض ہوا کہ قریب تھا کہ دم گھٹ کر نکل جائے'' فوراً باہر آ گئے رئیسوں سے مناسبت اور لگاؤ نہ تھا، لیکن بزرگی جتلانے کے لیے اظہار نفرت یا ان کی توہین ہرگز نہ کرتے، بدرجہ مناسب تعظیم فرماتے، اخلاق سے ملتے، اگر وہ لوگ حضرت کے بزرگوں سے نسبت یا عقیدت رکھنے والے ہوتے تو حضرت اور بھی زیادہ تعظیم سے پیش آتے۔ایک مناظرہ کے جلسہ میں ریاست رامپور میں حضرت مولانا احمد حسن امروہی رحمۃ اللہ علیہ اور بڑے بڑے علماء بلائے گئے، حضرت کی خدمت میں تار آیا کچھ عذر فرما دیا، لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت دوسرا تار آوے گا فرمادیا کہ پھر آوے گا تو لکھوادیں گے کہ'' آنے کے لیے تیار نہیں'' وہ خود سمجھ لیں گے کہ ایسے مولوی کو کیا بلائیں جو مناظرہ کے لیے کتابیں دیکھنے کا محتاج ہے اور اگر یہ سمجھ لیا کہ حاضری کے قابل کپڑے موجود نہیں تو اور بھی خوب ہے۔ (ص ۲۱۳)

مہمان کی خدمت خود فرماتے، کبھی کھانا زنانہ مکان سے لا کر مہمانوں کے سامنے رکھتے۔عشاء کے بعد کھڑے ہیں اور سب کی ضروریات کو دریافت فرمارہے ہیں، خادم اور مہمان شرم سے پانی پانی ہوئے جاتے ہیں حضرت مکان میں سے بستر اور لحاف اٹھا کر لا رہے ہیں۔ مالٹا سے واپسی کے بعد حضرت بہت ضعیف ہو گئے تھے مجمع بھی بے تعداد رہتا تھا، پھر بھی ہر شخص سے اس کی راحت و آرام و قیام کا حال کچھ نہ کچھ دریافت فرما لیتے تھے۔رخصت ہونے والوں کے لیے ریل کے وقت سے پہلے بہت اہتمام و تاکید سے کھانا تیار کراتے تھے، ناواقف مہمان کی بدتمیزی پر صبر فرماتے تھے، بے وقت تکلیف دہی کی کبھی شکایت یا اس پر سرزنش نہ فرماتے تھے۔

ظاہرداری اور کسر نفسی سے نہیں بلکہ واقعی طور سے حضرت اپنے آپ کو نہایت حقیر

اور ادنیٰ مسلمان سمجھتے تھے اور شانِ عبدیت کے غلبہ سے اپنے تمام کمالات ہیچ نظر آتے تھے، ژولیدہ حال پھٹے پرانے، بوسیدہ لباس والوں سے بھی ایسی بشاشت سے ملتے تھے کہ ان کے دل باغ باغ ہو جاتے تھے۔ (ص ۲۱۴)

''میاں! دل تو یہ چاہتا ہے کہ کوئی جوتیاں مارے اور اف تک نہ کروں لیکن رائے ومشورہ میں سب کا تابع ہوں''

مولانا محمد قاسم صاحب (نانوتوی) رحمۃ اللہ علیہ کے علوم وکمالات مختلف فیض یافتہ اور خوشہ چینوں کو نصیب ہوئے، مگر مظہر تام اپنے استاد کے کمالات کے حضرت مولانا شیخ الہند ہی تھے۔

استاد رحمۃ اللہ علیہ کا وصف خصوصی جس میں وہ اپنے معاصرین میں ممتاز نظر آتے ہیں۔ خاکساری اور نیاز مندی تھا۔ یہی وصف مولانا میں ایسا نمایاں اور جلوہ گر تھا کہ نہ دلیل کی ضرورت نہ بیان کی حاجت۔ وہ اپنے آپ کو بالکل ایک ادنی اور معمولی انسان سمجھتے تھے۔ علوم وکمالات نے ان کے ذہن میں اپنے لیے نہ کوئی تشخص پیدا کیا تھا نہ امتیاز، ایک واقعہ میں حضرت کا حد سے زیادہ تواضع وانکسار دوستوں کو ناگوار گزرا تو رقت آمیز لہجہ سے فرمایا کہ ''میاں دل تو یہ چاہتا ہے کہ کوئی جوتیاں مارے اور اف تک نہ کروں لیکن رائے ومشورہ میں سب کا تابع ہوں''۔ (ص ۲۱۶)

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی اپنے شاگرد رشید حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ پر شفقت

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جو اپنے حضرات کی شان اور ان کی حق پرستی اور بے نفسی دیکھی۔ ایسا کسی کو بھی نہ دیکھا۔

(شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ) حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ جس وقت مالٹا سے دیوبند تشریف لائے تو میں بھی حضرت سے بغرض زیارت دیوبند حاضر ہوا تھا، حضرت نے بڑا ہی شفقت کا برتاؤ فرمایا، وہ باتیں اس وقت یاد آتی ہیں اور ان حضرات کو

نظریں ڈھونڈتی ہیں، اس وقت جب کہ میں دیوبند میں ہی تھا ایک صاحب نے حضرت سے عرض کیا کہ اس وقت ''اشرف علی'' یہاں موجود ہے حضرت اپنی زبان سے کچھ فرما دیں تا کہ مسائل حاضرہ میں یہ اختلاف کی صورت ختم ہو جائے۔

حضرت نے جواب میں فرمایا کہ ''وہ میرا لحاظ کرتا ہے وہ میرے سامنے کچھ نہ بولے گا، میرے کہنے سے اس کو تنگی اور تکلیف ہوگی اور کہنے سننے اور گفتگو سے رائے نہیں بدلا کرتی، رائے واقعات سے بدلا کرتی ہے جب وہ واقعات سمجھ لیں گے تو خود ہی رجوع کر لیں گے''۔

کیا ٹھکانہ ہے حضرت کی اس شفقت اور شانِ تحقیق کا۔ کہاں ہیں حضرت کے نقش قدم پر چلنے والے اور محبت کا دعویٰ کرنے والے؟ وہ حضرت کی شان ملاحظہ فرمائیں اور اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر دیکھیں۔ ایک مرتبہ کچھ لوگ حضرت ہی کی بیٹھک میں بیٹھے ہوئے مجھ کو برا بھلا کہہ رہے تھے۔ حضرت کے کان میں وہ الفاظ پڑ گئے، حضرت نے سب کو ڈانٹا اور فرمایا کہ ''تم ایسے شخص کی شان میں یہ الفاظ کہہ رہے ہو جس کو میں اپنا بڑا سمجھتا ہوں'' یہ الفاظ نقل کرتے ہوئے مجھ کو حجاب ہوتا ہے، یہ الفاظ میری ذات سے کہیں اعلیٰ اور ارفع ہیں، محض حضرت کی شفقت اور محبت ہی پر محمول کیا جا سکتا ہے یہ حضرت کا اپنے چھوٹوں کے ساتھ برتاؤ تھا، آپ دعویٰ تو کرتے ہیں حضرت کے نقش قدم پر چلنے کا مگر حضرت جیسا حوصلہ تو پیدا کر لیں۔

بقول مشہور

اگر چہ شیخ نے ڈاڑھی بڑھائی سن کی سی مگر وہ بات کہاں مولوی مدن کی سی

فرمایا کہ حضرت کے ایک خاص معتقد مولوی صاحب مجھ سے یہ روایت بیان کرتے تھے کہ مرض الموت میں جب حضرت دہلی میں تھے، اختلافات کی خبریں کانوں میں پڑیں تو حضرت نے فرمایا کہ ''لاؤ پھر میں ہی کچھ اپنی رائے سے ہٹ جاؤں یہ اختلاف تو اچھا نہیں معلوم ہوتا'' سو اگر حضرت میرے اختلاف کو باطل سمجھتے اور حضرت کو ان سے ناگواری ہوتی تو اپنے مسلک اور مشرب کی نسبت یہ کیسے فرما سکتے تھے'' کہ لاؤ میں ہی کچھ اپنی رائے سے ہٹ جاؤں'' یہ حضرت کا فرمانا بتلا رہا ہے کہ حضرت اس اختلاف کی حقیقت سے اچھی طرح واقف تھے۔ ایک بار حضرت نے اس کی نسبت

فرمادیا تھا کہ کیا میرے پاس کوئی وحی آتی ہے؟ یہ محض میری رائے ہے اس طرح اس کی (حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ) کی بھی ایک رائے ہے"۔

تو یہ حضرات تو ہر چیز کو اپنی حد پر رکھنے والے تھے۔

اب تو اتباع کا محض دعویٰ ہے اور میں تو ایک اور بات کہا کرتا ہوں کہ حضرت مولانا کو ان لوگوں نے پہچانا ہی نہیں، اپنے اوپر قیاس کرتے ہیں، حضرت جیسی ہستی اب کہاں

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر　　گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

(اکابر کا مقام تواضع ص ۱۵۴)

"اور کچھ خیال میں یوں بھی آتا ہے"

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سلیم اللہ خان صاحب، دامت برکاتھم فرماتے ہیں:
حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ تعالیٰ بخاری کے سبق میں اپنی رائے، بہت بیان کرتے تھے، ہم بخاری کے طلبہ کو وہ سنایا کرتے ہیں کہ یہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے، یہ قسطلانی کی رائے ہے ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے، یہ ابن منیر رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے اور یہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے اور ہمارا تو یہ وظیفہ ہے کہ ہم یہ سمجھاتے ہیں کہ وزنی رائے کس کی ہے۔ تو یہی سمجھ میں آتا ہے کہ وزنی رائے شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی ہے لیکن وہ اپنی رائے کا اظہار سبق میں اس طرح فرماتے تھے: "اور کچھ خیال میں یوں بھی آتا ہے"۔

آپ دیکھ رہے ہیں کہ تواضع کا کیا عالم ہے، علم کی گہرائی تو یہ ہے کہ دوسروں کے مقابلے میں آپ کی رائے اور توجیہ وزنی ہے اور تواضع کا یہ عالم ہے کہ فرماتے ہیں کہ "اور کچھ خیال میں یوں بھی آتا ہے"۔　　(مجالس علم و ذکر، جلد۲ ص ۱۱۳)

خدا کے لیے میرا خیال رکھنا اور مجھے رسوا نہ کرنا!

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے حافظ محمد احمد صاحب شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے حکیم مسعود احمد شیخ الہند رحمۃ اللہ

علیہ کے مرید ہیں، ایک مرتبہ ان دونوں کو اپنے پاس چار پائی پر بٹھایا اور خود زمین پر تشریف فرما تھے اور ان سے کہہ رہے تھے کہ:

''محمد احمد! آپ میرے استاد کے صاحبزادے ہیں، مسعود احمد! آپ میرے مربی کے بیٹے ہیں میں نے آپ کا حق ادا نہیں کیا، آپ سے معذرت چاہتا ہوں، اگر آخرت میں آپ کے والدین پوچھیں کہ محمود نے کیا کیا؟ تو خدا کے لیے میرا خیال رکھنا اور مجھے رسوا نہ کرنا''۔

دیکھئے! اپنے شاگردوں سے اس طرح فرما رہے ہیں۔ یہ اس وجہ سے کہ دل کے اندر اللہ کی معرفت موجود تھی جس کے سامنے اپنی حیثیت کچھ بھی نظر نہیں آرہی تھی۔ آج ہمارے ہاں اس کا خیال نہیں، کچھ چیزیں یاد کی ہیں، زبان کی جادوگری تو موجود ہے لیکن اندرون اللہ کی معرفت سے خالی ہے۔ (حوالہ بالا ص ۱۸۲)

بے نفسی اور شفقت کی انتہاء

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد حضرت شیخ کی عادات تھی کہ ہر جمعرات کو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاضری کے لئے گنگوہ کا سفر پیدل کرتے تھے۔ جمعرات کو چھٹی کا گھنٹہ بجتا اسی وقت سبق سے اٹھ کر گنگوہ کا راستہ لیتے۔ (گنگوہ دیوبند سے ۲۲ کوس یعنی ۳۰ میل کا سفر ہے) حضرت آذان عصر پر چلتے اور عشاء گنگوہ میں پڑھ لیتے تھے۔ جمعہ کا پورا دن حضرت گنگوہی کی خدمت میں گذارتے اور آذان عصر کے قریب واپس ہوتے اور عشاء دیوبند میں پڑھ لیتے تھے۔ برسہا یہ معمول رہا۔ سردی ہو یا گرمی یہ معمول قضا نہ ہوتا۔

مولوی محمود صاحب کا بیان ہے کہ ایک دن ہم دو تین طلبہ نے اصرار کیا کہ حضرت ہم بھی ساتھ چلیں گے فرمایا اچھا، مگر، اس دن حضرت نے ان طلبہ کی رعایت سے پیدل سفر کرنے کے بجائے ارادہ کیا کہ سفر سواری پر ہو۔ کمہار کا ایک ٹٹو (گھوڑا) کرایہ پر لے لیا اور ارادہ یہ کیا کہ تین طلبہ اترتے چڑھتے جائینگے۔ چنانچہ کمہار ٹٹو لے کر دار العلوم کے دروازے پر آگیا۔ حضرت معمول کے مطابق آذان عصر کے قریب درس سے اٹھے اور یہ طلبہ حاضر تھے تو حضرت نے فرمایا کہ بھائی مولوی محمود! پہلے تم سوار ہو، پھر باری باری ہم

سوار ہوتے رہیں گے۔انہوں نے حضرت کے سوار ہونے پر اصرار کیا مگر حضرت نہ مانے۔ زبردستی مولوی محمود کو ٹٹو پر سوار کر دیا، دو طلبہ اور حضرت خود پیچھے پیچھے پیدل روانہ ہوئے، بلکہ ایک پنچی (چھڑی) ہاتھ میں لیکر ٹٹو ہنکانے کا فریضہ بھی اپنے ذمہ لیا۔ مولوی محمود صاحب فرماتے تھے کہ میں سخت ضیق (تنگی) میں تھا کہ حضرت تو پیچھے پیچھے پیدل ہیں اور میں سوار ہوں۔مگر مجبور تھے حکم بھی یہی تھا۔ دو چار میل چل کر یہ ٹٹو سے اتر گئے تو حضرت نے زبردستی دوسرے طالبعلم کو بٹھایا اور خود ٹٹو ھانکتے جارہے ہیں۔ چار پانچ میل پر تیسرے طالبعلم کو چڑھالیا غرض ۳۰ میل کا سفر پورا ہو گیا مگر خود نہیں چڑھے۔ باری باری ان طلبہ کو بٹھاتے رہے۔اس وقت اندازہ ہوا کہ یہ ٹٹو اپنے لیے کرایہ پر نہیں بلکہ ان طلبہ کے لئے کرایہ پر شفقتاً لیا گیا تھا۔

جمعہ کو واپسی ہوئی تو یہ طلبہ گھبرائے کہ اب وہی معاملہ ہوگا ٹٹو پر ہم سوار ہونگے اور حضرت پیدل چلیں گے۔ باہم مشورہ ہوا کہ آخر کیا صورت اختیار کی جائے کہ ہم پیدل چلیں اور حضرت کو ٹٹو پر سوار کر دیں۔

مولوی محمود صاحب فرماتے تھے۔ کہ میں نے کہا کہ ترکیب تو میں کردوں گا کہ حضرت پورا راستہ ٹٹو سے نہ اتر سکیں مگر ایک دفعہ سوار کر دینا ہے۔ چنانچہ جب گنگوہ سے روانہ ہوئے تو حسب معمول طلبہ پر زور دیا کہ سوار ہوں مگر یہ لوگ انکار کر چکے تھے۔عرض کیا کہ حضرت! آتے ہوئے ہم سوار ہوئے ہیں اب واپسی میں یہ نہیں ہوگا۔ حضرت سوار ہوں خواہ اتر جائیں مگر ابتدا حضرت کے سوار ہونے سے ہوگی، جب یہ سب اکٹھے ہو کر بضد ہوئے تو حضرت نے آخر قبول فرمالیا اور ٹٹو پر سوار ہو گئے۔

طلبہ نے چپکے سے مولوی محمود صاحب سے کہا کہ اب تم وہ موعودہ ترکیب کرو کہ حضرت دیوبند تک ٹٹو سے اترنے نہ پائیں چنانچہ مولوی صاحب نے وہ نسخہ استعمال کیا۔

جب حضرت سوار ہو گئے تو انہوں نے ٹٹو کے برابر میں آکر حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت حافظ صاحب شہید وغیرہ اکابر کا تذکرہ چھیڑ دیا۔

حضرت کی عادت تھی کہ ان بزرگوں کا تذکرہ چھیڑتے ہی اس میں محو ہو جاتے تھے اور پھر ادھر ادھر کی کچھ خبر نہ رہتی تھی۔ ان حضرات کا ذکر چھیڑتے ہی حضرت نے ان

بزرگوں کے واقعات بیان کرنا شروع کیے تو نہ حضرت کو راستے کی خبر رہی نہ طلبہ کو۔ پورے چھبیس ۲۶ میل کا سفر طے ہوگیا کہ ندی آگئی جو دیوبند سے چار میل کے فاصلے پر ہے۔ ندی دیکھتے ہی حضرت نے گھبرا کر فرمایا کہ اوہ! ندی آگئی، یہ کہہ کر ٹٹو سے کود کر اترے فرمایا بھائی! میں نے تم سب کا حق مار لیا۔ لو جلدی سے تم سوار ہو۔ طلبہ نے ہر چند حضرت سے بیٹھنے کا اصرار کیا۔ مگر اب حضرت تہیہ کر چکے تھے، کسی کی نہیں سنی۔ باری باری ان لوگوں کو بٹھلایا، شہر میں داخل ہوئے تو پھر اسی شان سے کہ طلبہ سوار ہیں اور حضرت پیدل ہیں، ہاتھ میں قمچی ہے اور ٹٹو ہانک رہے ہیں۔ جس سے طلبہ بچنا چاہتے تھے، بالآخر وہی چیز سامنے آکر رہی۔ سبحان اللہ بے نفسی اور شفقت کی انتہاء ہے۔

حضرت اقدس کو اس بے نفسی کے عالم میں کسی بھی ایسے کام سے عار نہ تھی جو بظاہر علماء کی شان کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔ عار تو جب آئے کہ خلاف شان کیا جائے، جو شان ہی مٹا چکا ہو اس کے خلاف شان کا سوال ہی کیا پیدا ہو سکتا تھا۔ (حوالہ بالا ص ۱۷۳)

مزید چند واقعات

ذیل میں اب حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی تواضع وفنائیت سے متعلق حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ''آپ بیتی'' سے مزید چند واقعات نقل کیے جاتے ہیں:

(۱).... حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہ کے متعلق سنا ہے کہ ابتداء میں بہت ہی خوش پوشاک تھے رئیسانہ زندگی۔ مگر اخیر میں کھدر کی وجہ سے ایسا لباس ہوگیا تھا کہ دیکھنے والا مولوی بھی نہ سمجھتا تھا۔

حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ ایک جگہ ''ذکر محمود'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ جیسے شباب میں لطافتِ مزاج کے سبب نفیس پوشش مرغوب تھی اب غلبہ تواضع کے سبب اس قدر سادہ لباس اور جوتا اور ساری ہی وضع اختیار فرمائی تھی جیسے مساکین کی وضع ہوتی ہے وضع سے کوئی شخص یہ بھی گمان نہ کر سکتا تھا کہ آپکو کسی قسم کا بھی امتیاز مالی، جاہی، علمی حاصل ہے۔ حالانکہ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری۔ (النور ج۲ ص ۳۹)

(۲).... جب حضرت نے قرآن پاک کا ترجمہ پورا کیا تو حضرت نے دیوبند میں

سب علماء کو جمع کر کے جو کہ حضرت کے خدام اور تلامذہ تھے۔ یہ فرمایا کہ بھائی میں نے قرآن شریف کا ترجمہ پورا تو کر دیا ہے لیکن سب ملکر اس کو دیکھ لو۔ اگر پسند ہو تو شائع کرو۔ ورنہ رہنے دیا جائے۔ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس واقعہ کو نقل کر کے تحریر فرماتے ہیں کہ ''اللہ اکبر اس تواضع کی بھی حد ہے''

(النور ماہ شعبان س ۳۹ ص ۳۰)

(۳)..... حضرت حکیم الامت نے یہ واقعہ بھی نقل کیا ہے کہ یہ بھی بعض ثقات سے سنا ہے کہ حضرت مولانا (شیخ الہند) نے ارشاد فرمایا کہ بارہا حاضری گنگوہ کے وقت خیال ہوا کہ حضرت گنگوہی قدس سرہ سے حدیث کی اجازت کی درخواست کروں مگر معاً یہ خیال مانع آ گیا کہ اگر پوچھ بیٹھیں کہ تجھ کو آتا ہی کیا ہے جو حدیث کی سند مانگتا ہے تو کیا جواب دوں گا، پس یہ سوچ کر چپ رہ گیا۔ اللہ اکبر کچھ حد ہے تواضع کی۔ حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ میں نے کبھی نہ دیکھا نہ سنا کہ آپ نے کبھی امامت فرمائی ہو...............بعض درشت و نادرشت مزاج طلبہ درس میں بہت ہی بے ادبی کے الفاظ کہہ ڈالتے تھے مگر حضرت مولانا کو کبھی اس پر تغیر نہیں ہوا۔

(۴)..... حضرت شیخ الہند و حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدھما کے لیگ و کانگریس کا اختلاف دیکھنے والے تو اب تک ہزاروں موجود ہیں اور بیسیوں رسائل اس سلسلہ کے شائع بھی ہو چکے ہیں۔ اس ناکارہ کا رسالہ ''اعتدال'' بھی اس سلسلہ کا ہے اس سے بھی اختلاف کی نوعیت معلوم ہو جائے گی۔ اس زمانہ میں جب حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہ شوال سنہ ۳۳ھ حجاز مقدس تشریف لے گئے جس کے بعد مالٹا جانا پڑا، اس زمانے کے دو مکتوب بھی حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہٗ نے ذکرِ محمود میں نقل فرمائے ہیں جو النور میں شائع ہوئے ہیں:۔

پہلا مکتوب:۔

سراپا فضل و کمال شر فکم الله تعالىٰ وجعلكم فوق كثير من الناس

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ بارہا آپکی خیریت معلوم ہونے کا داعیہ پیدا ہوا اور ایک دو دفعہ بعض آئندہ گان کی زبانی آپکی خیریت معلوم بھی ہوئی، اللہ تعالیٰ آپکو مع جملہ متعلقین خیریت سے رکھے۔ اس وقت ایک صاحب بنگالی مسمی عبدالمجید سے ملاقات ہوئی جو

ہندوستان واپس ہورہے ہیں اور جناب کی خدمت میں حاضر ہونے کا قصد رکھتے ہیں، یہ موقعہ غنیمت معلوم ہوا اس لیے یہ عریضہ روانہ کرتا ہوں۔ بندہ مع رفقاء بحمد اللہ اس وقت بالکل خیریت اور اطمینان سے ہے۔ شروع رجب میں مکہ مکرمہ حاضر ہوگیا تھا اس وقت تک یہیں حاضر ہوں مجھ کو امید ہے کہ فلاح وحسن خاتمہ کی دعا سے اس دور افتادہ کو فراموش نہ فرمائیں گے، آئندہ قیام کی نسبت ابھی کچھ عرض نہیں کرسکتا۔ مولوی شبیر علی صاحب، مولوی محمد ظفر صاحب، مولوی عبداللہ صاحب وغیرہ حضرات سے سلام مسنون فرمادیجیے، مولانا محمد یحیٰی صاحب، مولانا قمر الدین صاحب کی وفات سے افسوس بر افسوس ہے۔ انا للہ الخ. رحمھما اللہ تعالیٰ

السلام علیکم و علی من لدیکم

''فقط: بندہ محمود غفرلہ مکہ معظمہ ۱۲ محرم چہار شنبہ''۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

محدث العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ

اساتذہ کا ادب

مولانا مشیت اللہ صاحب کے بڑے صاحبزادے حکیم محبوب الرحمٰن فاضلِ دیوبند کا بیان ہے کہ میں جب دیوبند پڑھتا تھا تو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کیساتھ آپ کے رہائشی کمرہ میں میرا قیام تھا۔ حضرت کو پان کی عادت تھی۔ ایک روز میں نے پان لگا کر پیش کیا تو آپ نے منہ میں رکھا ہی تھا کہ شیخ الہند سامنے سے تشریف لاتے ہوئے نظر آئے جو کسی ضرورت سے اپنے شاگرد کے پاس تشریف لا رہے تھے۔ شاہ صاحب کو حضرت کے آنے کی اطلاع کی گئی میں اس اضطراب کو بھول نہیں سکتا جو اس وقت شاہ صاحب پر اپنے استاد کی آمد اور منہ سے پان نکالنے کی عجلت کی صورت میں طاری تھا۔ تیزی کیساتھ اپنے منہ کو صاف کیا اور کمرے کے دروازے پر ایک سراپا انکسار خادم کی حیثیت سے اپنے آقا کے استقبال کیلئے کھڑے ہو گئے۔

استاذ کی خدمت

مولانا محمد انوری رحمۃ اللہ علیہ فیصل آبادی کا بیان ہے کہ حضرت شاہ صاحب دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس تھے جو اس علمی درسگاہ کا سب سے بڑا عہدہ ہے۔ اسی زمانے میں حضرت شیخ الہند رہائی کے بعد دیوبند پہنچے۔ مجھے حضرت شاہ صاحب کی زیارت کا اب تک موقع نہیں ملا تھا۔ لیکن آپ کی علمی عظمت کا احساس آپ کے سینکڑوں تلامذہ سے سن کر دل و دماغ پر غالب تھا۔ دیوبند پہنچنے کے بعد میرے والد مجھے لے کر آستانہ شیخ الہند پر پہنچے۔ گرمی کا زمانہ تھا اور ظہر کی نماز ہو چکی تھی۔ حضرت کی مردانہ نشست گاہ میں ایک ہجوم حضرت کو چہار طرف سے گھیرے ہوئے بیٹھا تھا۔ چھت سے لٹکے ہوئے پنکھے کو ایک صاحب کھینچ رہے تھے جن کے پر انوار چہرہ کی معصومیت و نورانیت، شکوہ علم اور جلالتِ علمی کی ملی جلی کیفیت دعوت نظارے دے رہی تھی۔ ایک صاحب نے مجھے چپکے سے کہا کہ یہ پنکھا کرنے والے حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم کے صدر مدرس ہیں۔ یہ سن کر میرے پاؤں تلے زمین نکل گئی کہ جس

ذات گرامی کی علمی شہرتوں سے عالم گونج رہا ہے اور جس کے خود اپنے شاگردوں کا اس مجلس میں ہجوم ہے کس عقیدت واحترام کیساتھ اپنے استاد کی خدمت میں مصروف ہیں۔

مالٹا سے تشریف لانے کے بعد دوپہر کو معمولاً حکیم صفت احمد کی حاضری حضرت شیخ الہند صاحب کے یہاں ہوتی۔ حضرت اس وقت کچھ آرام فرماتے اور حکیم آپ کا بدن دباتے۔ ایک روز حضرت چادر اوڑھے ہوئے استراحت فرمارہے تھے اور حکیم صاحب حسب دستور بدن دبارہے تھے کہ اچانک حضرت کشمیری تشریف لائے۔ آنے کو آ گئے، لیکن یہ دیکھ کر کہ حضرت آرام فرمارہے ہیں بڑی تشویش میں مبتلا ہو گئے۔ کچھ لمحات ایسے گزرے کہ اپنی سانس روکے رہے۔ اس طرح کہ جیسے آپ زندہ ہی نہ ہوں۔ ساری کوشش اس لئے تھی کہ حضرت استاد کو کسی تیسرے کی موجودگی کا احساس ہو کر آرام میں خلل نہ آئے۔

علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی مفارقت کا غم

ارشاد فرمایا کہ جس وقت حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سفر میں جانے لگے جس میں اسیر ہو کر مالٹا جانے کی نوبت آئی تو شاہ صاحب نے باوجود یہ کہ ترمذی کا سبق پڑھانے کیلئے آ کر بیٹھ گئے تھے، عبارت بھی پڑھ دی گئی تھی، مفارقتِ حضرت کے غم میں کچھ نہ فرمایا بلکہ ذرا دیر توقف فرما کر کتاب بند کر دی اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت اس وقت چارپائی پر پیر لٹکائے بیٹھے تھے نہایت خاموشی کے ساتھ جا کر بیٹھ گئے اور حضرت کی دونوں پنڈلیوں کو پکڑ کر سینے سے چمٹا لیا حضرت نے تکلف سے کام نہ لیا یوں ہی رہنے دیا۔

پھر فرمایا کہ شاہ صاحب آپ کو میری موجودگی میں شبہات پیش آتے تھے میں نہ رہوں گا تو شبہات پیش نہ آئیں گے اور اگر آئیں گے بھی تو قدرت رہنمائی کرے گی، جاؤ! خدا کے سپرد، سبق پڑھاؤ۔

غریب طالب علم کی دل شکنی کرنے پر معافی مانگنے کا حکم

مولانا سید احمد مالک کتب خانہ اعزازیہ دیوبند جو حیدر آباد میں پروفیسر رہے اور اب دیوبند میں ایک بڑے تجارتی کتب خانہ کے مالک ہیں آپ کا بیان کیا ہوا یہ واقعہ سننے کے قابل ہے کہ۔

جس سال ہماری، بخاری و ترمذی حضرت شاہ صاحب کے یہاں زیر درس تھیں دارالعلوم دیوبند میں ایک عجیب مجہول شخصیت طالب علم کی حیثیت سے داخل ہوئی یہ شخصیت پنجاب کی تھی میلے کچیلے کپڑے، پھٹا پرانا لباس۔ یہ طالب علم صرف درس میں نظر آتا باقی تمام اوقات مطالعہ میں گزارتا۔ عصر تا مغرب اکثر طلباء تفریح کے لیے نکل جاتے مگر یہ کبھی تفریح کے لیے نہیں آیا۔ محنتی اور شوقین طلباء بھی کبھی اپنی ضرورت کے لیے بازار جاتے لیکن اسے دیوبند کے بازار میں نہیں دیکھا گیا، حد تو یہ ہے کہ دارالعلوم میں اجتماعات یا وقتی و ہنگامی جلسوں میں بھی اس کی صورت پر نظر نہ پڑتی۔ میلے کچیلے کپڑے جن پر جوئیں گشت کرتی رہتیں۔ طلباء اسکے قریب بیٹھنے یا قریب بٹھانے سے گریز کرتے۔ اسکا معمول تھا کہ کھانے کے اوقات میں مٹی کا ایک پیالہ لئے ہوئے مطبخ آتا۔ کھانا لینے کے بعد وہیں بیٹھ کر کھالیتا۔ اسی پیالے کو لیے ہوئے مولسری کے کنویں پر پہنچتا، پیالہ کنگھال کر اسی میں پانی پیتا اور پھر بدستور داخل حجرہ ایک آدھ مرتبہ اس کے کمرے میں جھانک کر دیکھا تو ایک بوریا، ایک اینٹ جس سے تکیہ کا کام لیتا۔ اس کے سوا کمرے میں کوئی چیز نہیں تھی، میں اور میرے رفیق درس مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب نے ایک روز خلاف معمول اس طالب علم کو دیکھا کہ اپنی مخصوص نشست چھوڑ کر ہمارے ساتھ سامنے والی نشست پر آبیٹھا۔ پھٹا پرانا لباس اس پر چلتی ہوئی جوئیں، اپنی کوفت سے زیادہ یہ احساس تکلیف کا باعث بن رہا تھا کہ حضرت استاذ کو بھی اذیت ہوگی۔ حضرت شاہ صاحب تشریف لا چکے تھے آپ رحمتہ اللہ علیہ کی تقریر روانی کے ساتھ جاری تھی۔ حافظ ابن تیمیہ، ابن حجر عسقلانی۔ ابن ہمام، بدرالدین عینی وغیرہ کے حوالے، بلند پایہ تحقیقات اور اس پر ردوقدح کے دوران حضرت استاد کی مسکراہٹ، میں نے یہ سمجھ کر کہ آپ کی تمام تر توجہ اس وقت متعلقہ مسئلہ کی جانب ہے۔

نہایت ہی خفی لہجہ میں اس طالب علم سے کہا کہ تمہیں شرم نہیں آتی اتنے غلیظ ہو کر

یہاں آبیٹھے ہو؟ میں مطمئن تھا کہ میری آواز حضرت کے کان تک نہیں پہنچی ہوگی، گردن اٹھا کر دیکھا تو شاہ صاحب کی کشادہ پیشانی پر ناگوار شکنیں پڑی ہوئی تھیں اور تقریر کا انبساط بھی رخصت ہو چکا تھا۔ سبق قبل از وقت ختم کیا اور درسگاہ سے رخصت ہوتے ہوئے مجھے اشارے سے بلایا جب میں قیامگاہ پر پہنچا تو محسوس ہوا کہ آپ شدید ناگواری میں ہیں فرمایا کہ:

'مولوی صاحب آپ بہت نظیف ہیں کہ ایک غریب طالب علم کی آپ نے دل شکنی فرمائی یہ تواضع کے قطعاً خلاف اور کبر کی علامت ہے۔ آپ کو کیا معلوم جس طالب علم کو آپ نے سخت وست کہا وہ عرصہ کے بعد واحد طالب علم ہے جو میری تقریر کو مکمل سمجھ رہا ہے۔ جایئے اس سے معافی مانگیے''!۔

حضرت استاد کے اس حکم کی تعمیل کی گئی لیکن یہ شبہ باقی رہا کہ حضرت نے اس طالب علم کے متعلق ایسے وقیع کلمات کس لئے استعمال کئے۔ ایک روز امتحان کی غرض سے اس طالب علم کے کمرہ میں پہنچ کر ایک اہم روایت کے متعلق سوال کیا اور میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب اسکی زبان سے شاہ صاحب کی تقریر اس طرح سنی کہ الفاظ کی بھی تبدیلی نہیں تھی۔

شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی

رحمۃ اللہ علیہ

عہد کرو کہ آئندہ حسین احمد کا جوتا نہ اٹھاؤ گے

مولانا عبداللہ فاروقی حضرت رائے پوری رحمتہ اللہ علیہ سے بیعت تھے لاہور دہلی مسلم ہوٹل میں برسہا برس خطیب رہے۔ انکا بیان ہے کہ میں مدینہ منورہ حاضر ہوا اور مولانا مدنی کے ہاں قیام کیا۔ ایک روز جب مولانا کے ساتھ مسجد نبوی میں نماز پڑھنے گیا تو میں نے مولانا کا جوتا اٹھالیا۔ مولانا اس وقت تو خاموش رہے۔

دوسرے وقت جب ہم نماز پڑھنے کے لئے گئے۔ تو مولانا نے میرا جوتا اٹھا کر سر پر رکھ لیا میں پیچھے بھاگا۔ مولانا نے تیز چلنا شروع کر دیا۔ میں نے کوشش کی کہ جوتا لے

لوں۔نہیں لینے دیا میں نے کہا خدا کے لئے سر پر تو نہ رکھیے۔فرمایا کہ عہد کرو کہ آئندہ حسین احمد کا جوتا نہ اٹھاؤ گے۔میں نے عہد کرلیا۔تب جوتا سر پر سے اتار کر نیچے رکھا۔

ساری رات عبا اوڑھ کر گذاری

استاد العرب والعجم کا معمول تھا کہ عشاء کے بعد بارہ بجے تک حدیث کی سب سے بڑی مہتمم بالشان کتاب بخاری شریف کا درس دیتے تھے۔مولانا فیض اللہ، حضرت مرحوم لالٹین دکھانے پر مامور تھے ان کا بیان ہے کہ ایک رات حضرت نصف شب کو سردی کے موسم میں مہمان خانہ میں تشریف لائے۔دیکھا کہ ایک خستہ حال بوسیدہ کپڑے میں ملبوس چار پائی پر بیٹھے ہیں۔حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ان سے پوچھو کہ کیوں بیٹھے ہیں۔اور پھر خود ہی جا کر پوچھا تو اس مہمان نے جواب دیا کہ کسی صاحب نے مجھے دستر خوان سے اٹھا دیا اور میرے پاس لحاف بھی نہیں ہے۔حضرت پر بڑا اثر پڑا بار بار انکا نام پوچھا۔مگر پتہ نہ چلا فوراً اندر تشریف لے گئے اور کھانا لیکر خود باہر تشریف لائے جب تک اس مہمان نے کھانا نہیں کھایا آپ باہر ہی بیٹھے رہے سارے مہمان اور اہل خانہ سو چکے تھے۔حضرت اندر گئے اور اپنا بستر اٹھا لائے اور اس کو بچھا دیا اور خود ساری رات عبا اوڑھ کر گزار دی مولانا فیض اللہ جو حضرت کے شاگرد ہیں کا بیان ہے کہ میں نے بہت اصرار کیا اور چاہا کہ اپنا بستر لے آؤں اور حضرت آرام فرمائیں۔

مگر اس پیکر سنت نے گوارا نہ کیا۔

مخدوم خود خادم بنا ہوا تھا

مولانا عبد الماجد دریا بادی نے ''نقوش و تاثرات'' میں کیا خوب لکھا ہے: مخدوم خادم بنا ہوا تھا اور جس کا منصب آمر ہونے کو تھا۔وہ فخر و مسرت اپنی ماموریت میں محسوس کر رہا تھا۔دیوبند جایئے تو مولانا اسٹیشن پر پیشوائی کے لئے موجود، چلنے لگے تو اسٹیشن تک مشایعت پر آمادہ۔کھانا کھانے کے لئے تو وہ لوٹا لئے ہاتھ دھلانے کو کھڑے، پانی مانگئے تو گلاس لیے حاضر، سفر میں ساتھ ہو تو تانگہ کا کرایہ اپنے پاس سے دے دیں۔ریل کا ٹکٹ وہ دوڑ کر آئیں ہوٹل میں کھائیں تو بل وہ خود ادا کریں۔آپکا ہاتھ اپنی جیب میں ٹٹولتا ہی رہ جائے۔بستر بھی وہ کھول کر بچھا دیں غرض یہ کہ مالی و بدنی چھوٹی و بڑی خدمت کی جتنی

بھی صورتیں ہوسکتی تھیں ان سب میں آپ کو پیش پیش دیکھا۔ مولانا محمد علی جوہر نے شعر کہا تو تھا اپنے شیخ مولانا عبدالباری صاحب فرنگی محلی کے حق میں مگر صادق مولانا دیوبندی پر لفظ بہ لفظ آرہا تھا۔

ان کا کرم ہی ان کی کرامت ہے ورنہ یہاں
کرتا ہے کوئی پیر بھی خدمت مرید کی!

آپ کے لوٹے میں پانی لے آئیں۔ آپ کا سامان اپنے ہاتھ سے اٹھانے لگیں۔ تین دن قیام دیوبند میں روایتیں مشاہدہ بن کر رہیں۔ اور ''شنیدہ دیدہ'' میں تبدیل ہوگئیں تکلفات اور خاطر میں مہمان نوازیاں کھانے پر کھانے، چائے پر چائے۔

دوسروں کو شاید کام لینے میں وہ لطف نہ آتا ہو جو مولانا کو دوسروں کا کام کرنے میں آتا تھا۔

حد سے زیادہ تواضع اور خاکساری

مناظر اسلام حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب رحمتہ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضرت مولانا کا جو مقام ہوگا اس کا علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے لیکن جو لوگ ان کے احوال سے کچھ بھی واقف ہیں وہ اتنا ضرور جانتے ہیں کہ اس زمانے میں کسی عالم دین اور کسی روحانی پیشوا کو جو بڑی سے بڑی عظمت و وجاہت، بلندی و برتری حاصل ہوسکتی ہے، اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ مولانا کو حاصل تھی۔ دارالعلوم دیوبند جیسی باعظمت دینی درسگاہ کے وہ صدر اور شیخ تھے۔ ہزاروں عالم (جو اپنی اپنی جگہ اپنے حالات کے مطابق کسی نہ کسی دینی خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔ اور ان میں سے بہتوں کے خاصے وسیع و عریض حلقے ہیں) ان کے شاگرد اور فدائی، ہندوستان کے طول و عرض میں لاکھوں مریدین، پھر ہندوستان کی جنگ آزادی میں ان کی عظیم قربانیوں کے طفیل ملک کے اہل حکومت و سیاست کی نگاہ میں بھی ان کا خاص مقام اور حکومت کے اونچے سے اونچے عہدہ داروں کی نگاہ میں ان کا غیر معمولی احترام ان ساری عظمتوں اور بلندیوں کے باوجود ان میں تواضع اور انکسار اس قدر تھا کہ جن لوگوں کو قریب رہنے اور برتنے کا موقع نہ ملا ہو وہ کبھی اندازہ نہیں لگا سکتے بلکہ یہ عاجز اس موقع پر صفائی کے ساتھ

یہ ظاہر کردینا ہی مناسب سمجھتا ہے کہ بعض اوقات راقم السطور کو خیال ہوتا تھا کہ حضرت کا اتنا تواضع شاید دوسروں کیلئے مضر ہو اس سلسلہ میں بھی خود اپنے ساتھ گزرے ہوئے بعض واقعات کا ذکر کرنے کو جی چاہتا ہے۔

(۱)....(۴۳ھ): کی بات ہے میری طالب علمی ہی کا زمانہ تھا۔ ہمارے وطن سنبھل کے "مدرسۃ الشرع" کی طرف سے خاصے بڑے پیمانے پر ایک جلسہ ہوا، اس میں جماعت دیوبند کے اس وقت کے اکثر اکابر علماء (مثلاً حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب کشمیری، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی)، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دیوبندی) نے شرکت فرمائی تھی حضرت مولانا مدنی بھی تشریف لائے تھے۔ مدرسہ کے مہتمم اور جسے کے منتظمین کی اجازت سے ایک دن دوپہر کے وقت کھانے کا انتظام میرے والد ماجد نے اپنے یہاں کیا تھا۔ جلسہ گاہ اور ان حضرات کی قیام گاہ سے ہمارے مکان کا فاصلہ ایک میل سے کچھ زیادہ تھا اس لیے سب مہمانوں کو سواری کے ذریعہ لانے کا انتظام کیا گیا تھا اور سب حضرات سواری ہی سے آئے۔ لیکن حضرت مولانا مدنی نے یہ کیا کہ سنبھل کے اپنے ایک پرانے شاگرد اور نیازمند کو بطور راہ نما ساتھ لے کر خاموشی سے ہمارے گھر پیدل تشریف لائے۔ حالانکہ موسم گرما تھا اور بارہ بجے کے بعد کا وقت تھا اور جیسا کہ عرض کیا گیا فاصلہ میل بھر سے بھی زیادہ تھا۔

(۲)....ایک عجیب واقعہ اور سنیے۔ حضرت کے ایک شاگرد نے خود اپنا واقعہ بیان کیا کہ حضرت ریل سے سفر فرما رہے تھے اور یہ صاحب خادم کی حیثیت سے حضرت کے ساتھ تھے انہیں استنجاء کا تقاضا ہوا بیت الخلا کا دروازہ کھولا تو اس کو بہت غلیظ اور گندہ دیکھ کر واپس آگئے اور اپنی جگہ پر آ کر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت مولانا تیزی کے ساتھ اپنی جگہ سے اٹھے اور بیت الخلاء میں داخل ہو کر اندر سے دروازہ بند کرلیا، چند منٹ کے بعد تشریف لے گئے تھے اور جب لوٹے بھر بھر کے بہت سا پانی بہادیا اور اس کو صاف کردیا تو باہر تشریف لائے۔ اور اپنے ان خادم سے کہا کہ اب چلے جاؤ۔ انہوں نے جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ حضرت ان کی واپسی کی وجہ محسوس کر کے بیت الخلا صاف کرنے ہی کے لئے اندر تشریف لائے۔ کچھ حد ہے اس تواضع و بے نفسی کی؟

سادگی بے تکلفی

حضرت مدنی سادگی اور بے تکلفی میں یکتائے روزگار تھے۔ شیخ طریقت اور عالم ربانی ہونے کے علاوہ حضرت مدنی کی ظاہری شخصیت ایک بڑے سیاسی رہنماء کی تھی اور ہر سیاسی لیڈر مسلم ہو یا غیر مسلم ملکی ہو یا غیر ملکی آپ کے آستانہ پر حاضری کو ضروری اور باعث فخر سمجھتا تھا، حضرت مدنی سنت نبوی ﷺ کا بہترین نمونہ تھے۔ آپ سنت کے موافق چمڑے کا تکیہ استعمال کرتے تھے اور چمڑے کا گول دسترخوان استعمال ہوتا تھا جس پر ہمیشہ ایک سالن ہوتا تھا اور دائرے کی شکل میں کم از کم دس بارہ آدمی دسترخوان کے گرد بیٹھ کر ایک ہی برتن میں کھاتے تھے ان میں سے ایک حضرت بھی ہوتے تھے اور ساتھ مل کر کھاتے تھے۔ صبح کو ناشتے میں باسی روٹی اور مرچ کا اچار ہوتا تھا یہی حضرت کا اور تمام مہمانوں کا ناشتہ ہوتا تھا۔

ایک دفعہ حضرت نے کھانے والوں کو مخاطب کر کے فرمایا ہم آپ حضرات کے ہاں جاتے ہیں تو آپ مرغ اور حلوے کھلاتے ہیں اور یہاں باسی روٹی اور اچار مرغ سے زیادہ مزیدار ہیں۔ (اسلاف کے حیرت انگیز واقعات ص ۹۸)

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ

طلبہ کا سامان اٹھا کر مسجد لے جانا

حضرت مولانا عبدالشکور صاحب رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث دارالعلوم تعلیم القرآن راولپنڈی ایک مرتبہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کیمبل پوری رحمۃ اللہ علیہ صدر مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور کی معیت میں سہارن پور سے کیمبل پور آرہے تھے، ان کے ساتھ کچھ طلباء بھی تھے جو دورہ تفسیر میں شرکت کے لئے حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچنا چاہتے تھے۔

اتفاقاً حضرت مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی لاہور اسٹیشن پر اکابرین دیوبند کے استقبال کے لئے موجود تھے لیکن وہ لوگ متوقع گاڑی سے نہ پہنچ سکے اور مولانا

عبدالشکور صاحب، حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی صاحب لاہور رحمۃ اللہ علیہ سے بالکل ناواقف تھے۔

اسی ناواقفیت کی بناء پر انہوں نے مولانا احمد علی صاحب لاہوری رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کی کہ آپ ان طلباء کو شیرانوالہ کی مسجد میں پہنچادیں۔ حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے بلا کسی پس وپیش کے ان طلباء کا سامان اٹھایا اور مسجد شیرانوالہ پہنچادیا۔ طالب علموں کو جب معلوم ہوا کہ سامان پہنچانے والے ہی شیخ التفسیر ہیں تو بہت شرمندہ ہوئے۔ (خدام الدین لاہور ص ۱۶۔ ۲۶ جون ۱۹۶۴ء امام الاولیاء نمبر 359)

حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کامل پوری رحمۃ اللہ علیہ اور طلبہ پر شفقت:

حضرت مولانا طلبہ سے باپ کی طرح شفقت فرماتے ان کی ضروریات وحوائج کا خیال رکھتے طلبہ کے ساتھ بہت تواضع اور انکسار سے پیش آتے۔

مولانا محمد اسحاق صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت کی زندگی میں وہ تواضع اور طلبہ سے شفقت دیکھی جو اور کہیں بہت کم دیکھی۔ ایک دفعہ حضرت کے پاس مدرسہ (جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک) کے چھوٹے نابالغ طالبعلم آئے۔ وہ مدرسہ کے مہتمم صاحب کے پاس کوئی درخواست لے جارہے تھے اور حضرت مولانا سے اس پر کوئی سفارش لینا چاہتے تھے۔ جب یہ بچے کمرہ میں داخل ہوئے تو اس وقت آپ چارپائی پر تشریف فرما تھے۔ سامنے چارپائی خالی تھی۔ حضرت کو طالب علموں نے سلام کیا۔ حضرت نے سلام کا جواب دینے کے بعد ان سے خالی چارپائی پر بیٹھنے کو کہا مگر وہ نہیں بیٹھے تو حضرت بھی چارپائی سے اتر کر نیچے بوریئے کے فرش پر تشریف فرما ہوئے پھر طلبہ سے شفقت آمیز لہجے میں مخاطب ہوئے کہ کیا خدمت ہے۔ یہ حضرت کی ہمیشہ عادت تھی کہ جب بھی کوئی ان کے پاس آتا تو حضرت اگر چارپائی پر ہوتے تو نیچے اتر جاتے اور آنے والوں سے گفتگو فرماتے میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ حضرت ٹیک لگائے ہوئے کسی سے گفتگو فرماتے ہوں۔ یا کوئی نیچے بیٹھا ہو اور حضرت اوپر چارپائی پر بیٹھے ہوں۔''

شان تواضع

آپ عالمانہ علو کے باوجود تکلف وتصنع سے دور اور نام ونمود سے نفور تھے۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

علم وفضل اور شرف وکمال کے ساتھ انکسار وتواضع، خاموشی اور کم گوئی مولانا کی ایک فطری کرامت تھی۔

مولانا سید محمد ازہر شاہ صاحب قیصر تحریر فرماتے ہیں۔

''حضرت مولانا سطحی اور خودفروش انسانوں کی طرح اپنے کمالات کی تجارے نہیں کیا کرتے تھے اور نہ معرفت الٰہی، یقین کامل اور نور باطن کی جو دولت انہیں ملی تھی اس کی وہ شہرت پسند فرماتے تھے غرضیکہ اس طبقہ سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا جو!

کسی کی زلف پریشان کسی کا دامن چاک
جنوں کو لوگ تماشہ بنائے پھرتے ہیں۔

حضرت مولانا کی طبعی تواضع میں تصنع وتکلف نہ تھا اس لئے علو منصب یہ کبھی اس طبعی وفطری تواضع میں رکاوٹ نہ بن سکی۔

حضرت مفتی سعید احمد صاحب (مفتی مظاہر علوم سہارنپور) کی تواضع وفنائیت

جامع الکمالات ہونے کے باوجود اپنے شاگرد سے بیعت ہوئے

آپ حضرت حکیم الامّت تھانوی رحمہ اللہ کے مجاز صحبت تھے، اپنے علم وفضل میں یگانہ روزگار تھے، بہت بڑے فقیہ ومحدث تھے، ہر فن میں کمال حاصل تھا، اس کے باوجود آپ تواضع وانکسار کا پیکر تھے، جس کا ثبوت یہ ہے کہ حضرت حکیم الامّت تھانوی رحمہ اللہ کی وفات کے بعد آپ نے اپنے ہی تلمیذ رشید حضرت مولانا مسیح اللہ خان شروانی رحمہ اللہ (خلفیۂ مجاز حکیم الامّت رحمہ اللہ) سے رجوع کیا اور مجاز بیعت قرار پائے۔

ساری زندگی درس وتدریس اور فقہ وحدیث کی خدمت میں مصروف رہے اور آخر دم تک جامعہ مفتاح العلوم جلال آباد (انڈیا) کے شیخ الحدیث رہے، ہزاروں طالبان علم

نے حدیث وفقہ میں آپ سے کسبِ فیض کیا اور سینکڑوں سالکان طریقت نے آپ سے روحانی فیض حاصل کیا۔

مفتی رشید احمد صاحب میواتی اپنے شیخ حضرت مولانا مسیح اللہ خان رحمہ اللہ کے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب لکھنوی رحمہ اللہ مجاز صحبت حضرت حکیم الامّت تھانوی و شیخ الحدیث جامعہ مفتاح العلوم جلال آباد انڈیا سے راقم الحروف نے شرف تلمذ اور خصوصی طور پر خدمت اقدس میں رہنے کی سعادت حاصل کی ہے، آپ میرے شیخ حضرت والا مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمہ اللہ کے بھی استاد تھے، انہوں نے کئی سال تک حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ سے پڑھا اور مشکواۃ شریف تک غالباً مدرسہ ھذا ہی میں اپنے وطن حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ سے کتب پڑھیں۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ ذہانت وذکاوت، حلم ووقار، اخلاق واوصافِ حمیدہ میں اپنے اکابر کا نمونہ تھے، انتہاء درجہ منکسر المزاج تھے، باوجود اس کے کہ حضرت والا (مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمہ اللہ) کے استاذ تھے مگر حضرت حکیم الامّت رحمہ اللہ کی رحلت کے بعد آپ نے حضرت والا رحمہ اللہ سے رجوع فرمایا حالانکہ حضرت حکیم الامّت رحمہ اللہ کی طرف سے آپ مجاز صحبت ہو چکے تھے۔ حق تعالیٰ درجات بلند فرمائیں'' آمین۔ (کاروان تھانوی ۱۶۳، ۱۶۴)

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ
(مہتمم دارالعلوم دیوبند)
تشریف آوری محسوس نہ ہوئی

حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا:

دیوبند میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دارالافتاء میں مدعو کیا گیا، تشریف لائے، میں اسی طرح بیٹھا رہا، تشریف آوری محسوس نہ ہوئی، حضرت مہتمم صاحب ڈیکس کے پاس تشریف لا کر دوزانو بیٹھ گئے، میں نے دفعتہً دیکھا تو کھڑا ہو گیا،

مہتمم صاحب نے فرمایا آپ وہیں بیٹھیں گے، میں نے جواب دیا کہ حضرت! آپ اس وقت مستفتی نہیں بلکہ مہمان ہیں اور مہمان کا فریضہ ہے کہ جہاں اسکو میزبان بٹھائے وہاں بیٹھے، لہٰذا یہاں مسند پر تشریف لے آئیں اور جس وقت حضرت مستفتی کی حیثیت سے تشریف لائینگے تو وہیں بیٹھیں، مضائقہ نہیں، اس پر قاری صاحب مسند پر آکر بیٹھ گئے۔ (حیات محمود جلد۲ ص ۳۷۷)

حضرت شاہ عبدالغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کا ہندو استاد کی خدمت کا عجیب واقعہ

آپ کے خلفیہ مجاز حضرت اقدس مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہمارے حضرت رحمہ اللہ نے نبوٹ ہندو استاد سے سیکھا۔ ہندوؤں کو مارنے کے لیے ہندو استاد سے ہی کمال حاصل کیا، وہ ہندو اس فن میں بہت ماہر تھا۔ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ جب اس کے پاس نبوٹ سیکھنے جاتے تو علی الصباح فجر کی نماز سے پہلے جا کر اس کی بھینس کے نیچے سے گوبر صاف کرتے تھے۔ زمین خوب اچھی طرح صاف کر کے خشک مٹی ڈال کر زمین کو خشک کرتے تھے۔ پھر بھینس کے لیے سانی بناتے، سانی کھلی اور بنولے کو ملا کر بنائی جاتی ہے۔

استاد کی عزت کا اثر یہ ہوا کہ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے نبوٹ میں وہ کمال حاصل کیا کہ اس ہندو کے بڑے بڑے پرانے شاگرد وہ کمال حاصل نہیں کر سکے۔

(جواھر الرشید حصہ دوم ص39)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد ادریس
کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ
تخت والوں سے بھی اونچے ہیں ترے خاک نشین

جناب کوثر نیازی مرحوم آپ کے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں:

مولانا کی درویشی کا عالم یہ تھا کہ اخبار نہیں پڑھتے تھے نہ ہی کوئی اخبار گھر پر آیا میں جب بھی حاضر ہوتا پوچھتے ''مولوی صاحب نئی خبر کیا ہے'' میں جستہ جستہ تفصیل عرض کر دیتا۔ ایک دن میں نے عرض کیا ''حضرت! اگر اجازت ہو تو میں اخبار بھجوا دیا کروں آپ تازہ ترین حالات سے باخبر رہیں گے'' فرمانے لگے ''مولوی صاحب! ہم اخبار کیسے پڑھیں ایک تو اس میں فلمی اشتہار ہوتے ہیں دوسرے تصویریں تیسرے خبریں ہوتی ہیں مگر راوی نامعلوم! خدا جانے! یہ ثقہ ہے کہ نہیں ہمیں تو بس اسی طرح خبریں تم ہی بتا دیا کرو'' دیکھنے کی چیز تو یہ ہے کہ جس بات کو حضرت کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حق جانا اس پر عمل کتنی سختی کے ساتھ کیا۔ تصویر اور فلم کے بارے میں رائے تو دوسرے علماء کی بھی یہی تھی اور اس وقت بھی اکثر علماء حضرات یہی رائے رکھتے ہیں، مگر سوال یہ ہے کہ اس پر عمل کتنے اصحاب کا ہے؟ کون ہے جو تصویر نہیں کھنچواتا؟ کون ہے جو اپنی تقریبات میں فوٹو گرافروں کو نہیں بلواتا؟ کون ہے جو ٹی وی کو غلط جاننے کے باوجود اس پر جلوہ افروز نہیں ہوتا کون ہے، بینکنگ سسٹم کو غلط قرار دینے کے باوجود بنکوں میں اپنے اکاؤنٹ نہیں کھلواتا؟ کون ہے جو جدید تعلیم کا مخالف ہونے کے باوجود اپنے بچوں کو اسکولوں اور کالجوں میں نہیں بھیجتا؟ جہاں تک مذہبی حلقوں کا تعلق ہے رائے سب کی وہی تھی اور وہی ہے جو حضرت کاندھلوی کی تھی فرق صرف عمل کا تھا۔ وہ جس بات پر اعتقاد رکھتے تھے کر کے دکھاتے تھے، جو کہتے تھے اسی کے مطابق ان کا عمل تھا۔ اسوۂ یہ خالصتاً صاحبان عزیمت کا ہے مجھ جیسے اصحاب رخصت نہ اس راستے پر چلنے کی ہمت رکھتے ہیں اور نہ اس دور میں اس کی ضرورت ہی سمجھتے ہیں۔ ہماری بات جانے دیجئے۔ سوال تو ان حضرات سے ہے جو ایک بات مانتے ہیں اور پھر اس پر عمل نہیں کرتے۔ اس معیار پر میں نے تو اپنی زندگی میں ایک ہی شخص کو بتمام وکمال پورا اترتے دیکھا اور وہ حضرت کاندھلوی رحمۃ

اللہ علیہ تھے۔ تصویر کو نا جائز کہا تو پھر عمر بھر تصویر نہیں کھنچوائی، جلسے میں بھی کسی نے تصویر لینا چاہی تو اسے وہیں ڈانٹ دیا۔ دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ خود انکی اولاد کے پاس بھی انکی تصویر نہ ہوگی۔ کرسی گھر میں رکھنا خلاف سنت سمجھتے تھے تو پھر ساری عمر چٹائی اور ایک معمولی سی دری پر ہی بیٹھ کر گزار دی۔

مجھے یاد ہے کہ ایک زمانے میں اپنے وقت کے صاحب جبروت حاکم ملک امیر محمد خان نواب آف کالا باغ نے جو اس وقت مغربی پاکستان کے گورنر تھے آپ سے ملنے کی خواہش کی جو شخص پیغام لایا تھا اس سے کہا:۔

''مولوی صاحب! میں تو انکے پاس جانے کا نہیں کہ حکام کے پاس جانا میرے مسلک کے خلاف ہے وہ یہاں آنا چاہیں تو شوق سے آئیں مگر شرط یہ ہے کہ اپنے کمرہ میں کرسی نہیں رکھنے دوں گا بیٹھیں گے تو وہ بھی میرے ساتھ دری پر بیٹھیں گے''۔

اب اس تفصیل کو جانے دیجئے کہ آگے کیا ہوا؟ مختصر یہ کہ ملاقات ہوئی اور اس پر تعریف نواب کالا باغ کی بھی ہونی چاہیے کہ انہوں نے شرط منظور کی اور ایک بوریا نشین فقیر کی کتابوں سے اٹے ہوئے کمرے میں نیچے بیٹھ کر ان سے بات چیت کی سچ ہے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلاموں کی بات ہی کچھ اور ہے۔

بادشاہوں سے ترے در کے گدا اچھے ہیں
تخت والوں سے بھی اونچے ہیں ترے خاک نشین

(بیس علمائے حق ص ۲۲۶)

حضرت مولانا شیر محمد مہاجر مدنی رحمہ اللہ (خلیفہ مجاز حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ) کی تواضع وسادگی

سادگی آپ کی طبیعت کا خاصہ تھی۔ حضرت مولانا منظور نعمانی رحمتہ اللہ علیہ نے اس ضمن میں لکھا کہ ''جب الفرقان بریلی سے شائع ہونا شروع ہوا تو اس کے ابتدائی دور میں گھوٹکی سکھر سے سالانہ چندہ کا ایک منی آرڈر آیا۔ مرسل کا نام صرف ''شیر محمد'' لکھا ہوا تھا اور تحریر کی سادگی سے اس کا شبہ بھی نہیں ہوا کہ یہ کوئی طالب علم ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ خریداروں کے رجسٹر میں صرف شیر محمد لکھ دیا۔ عرصہ کے بعد الفرقان میں ایک مضمون کے بارے میں

ان صاحب کا خط آیا جس میں امداد الفتاویٰ کے حوالے سے اس مسئلہ کے متعلق حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کی ایک خاص تحقیق کا ذکر کیا گیا تھا۔ اس خط سے پہلی دفعہ یہ معلوم ہوا کہ یہ کوئی عالمِ دین ہیں۔ جب مولانا کے پاس الفرقان کا شمارہ پہنچا جس میں ان کا نام مولانا شیر محمد لکھا ہوا تھا تو ممدوح نے مجھے لکھا ''میں عالم نہیں ہوں عامی ہوں۔ اکابر کی کتابیں دیکھنے کا شوق ہے ان سے کچھ باتیں معلوم ہوگئی ہیں۔ اس لئے میرے نام کے ساتھ مولانا نہ لکھا جائے''۔ (بزم اشرف کے چراغ'' ص ۵۹)

مصلح الامّت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی قنائیت (خلیفہ مجاز حضرت حکیم الامّت رحمہ اللہ علیہ)

مولانا عبدالقدوس رومی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

جس سال احقر مدرسہ مظاہر علوم میں دورۂ حدیث میں شریک تھا، اخیر سال ماہ شعبان میں حضرت مصلح الامت علیہ الرحمۃ نے تھانہ بھون کا سفر فرمایا تھا اور واپسی میں مولانا ظہور الحسن صاحب علیہ الرحمۃ کے مکان کتب خانہ امداد الغرباء میں قیام ہوا۔ اس موقع پر مدرسہ مظاہر علوم میں ہم لوگوں کا درسِ بخاری شریف ختم ہو رہا تھا، احقر (چونکہ اس وقت بھی حضرت ہی سے وابستہ تھا) نے حاضرِ خدمت ہو کر عرض کیا کہ آج ہمارے ہاں بخاری شریف ختم ہو رہی ہے۔ اگر جناب بھی شرکت فرمالیں تو خوشی ہوگی، حضرت اپنی خمول (گمنامی) پسندی کی بناء پر لوگوں سے میل ملاقات کا مزاج ہی نہ رکھتے تھے۔ اس لئے المدرسہ میں سے کسی کو خبر بھی نہ تھی کہ مولانا ظہور الحسن صاحب علیہ الرّحمۃ کے ہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ اس لئے ان حضرات کی طرف سے کوئی دعوت بھی نہ تھی۔ پھر یہ بات بھی تھی کہ اس وقت واقعۃً ختم بخاری تھا، آج کل کی طرح اس کی نمائش اور تشہیر کہاں ہوئی تھی۔

ہم میکدے سے نکلے کے دنیا بدل گئی
یہ سن کر انکار فرمادیا کہ پھر تو میں نہ جاؤنگا

(حالاتِ مصلح الامت، جلد ا، ص ۱۶)

جامع المنقول والمعقول علامہ مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی رحمہ اللہ کی فنائیت۔

استاذ، شاگرد کے حلقۂ ارادت میں:

مصلح الامّت حضرت مولانا شاہ محمد وصی اللہ صاحب الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی امتیازی خصوصیات میں سے ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ کل جن اساتذہ کرام کے سامنے آپ نے طالب علمانہ زانوئے تلمذتہ کیا تھا، ایک دن وہ آیا کہ انہیں میں سے ایک نہایت جلیل القدر استاذ، استاذ الاساتذہ، جامع معقول ومنقول بزرگ، دارالعلوم دیوبند کے صدرالمدرّسین حضرت علامہ مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی نوراللہ مرقدہ اپنے اس عظیم المرتبت شاگردی کی خدمت میں مسترشدانہ حاضر ہوئے۔

تاریخ اسلام میں ایسی مثالیں نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہیں۔ تاریخ کی یہ شہادت ہے کہ علامہ طیبی نے اپنے شاگرد عمر خطیب تبریزی سے مشکوٰۃ شریف تالیف کرا کے خود اس کی شرح لکھی۔ ماضی قریب میں حضرت مولانا مفتی الٰہی بخش کاندھلوی، جنہوں نے مثنوی مولانا روم کا تکملہ تحریر فرمایا، زبردست عالم وفاضل، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی رحمہ اللہ کے تلمیذِ خاص اور مرید تھے۔ لیکن بعد میں اپنے چھوٹے بھائی اور اپنے شاگرد جناب حاجی کمال الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے۔

تاریخ نے پھر ایک بار یہی داستان دہرائی جولوگ حضرت علامہ بلیاوی رحمہ اللہ سے واقف نہیں، انہیں کچھ بتانے کی حاجت نہیں۔ لیکن جولوگ ناواقف ہیں ان کی خدمت میں مختصر تعارف ضروری ہے۔ تاکہ واقعہ کی اہمیت ان کے ذہن میں آسکے۔

حضرت علامہ رحمہ اللہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کے مخصوص تلامذہ میں تھے۔ جملہ علوم وفنون بالخصوص معقولات میں امام تسلیم کئے جاتے تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے موجودہ اساتذہ اور ہندوستان میں پھیلے ہوئے بیشتر علماء آپ کے شاگرد ہیں۔ درسِ حدیث میں خاص امتیاز کے مالک تھے۔ آپ کا درس مختصر مگر نہایت محققانہ ہوتا تھا۔ مدرسہ فتح پور دہلی، مدرسہ امدادیہ دربھنگہ، مدرسہ ہاٹ ہزاری

چاٹگام اور چند ماہ مدرسہ دارالعلوم مئو میں صدارتِ تدریس کے عہدے پر فائز رہے۔ آپ کے اساتذہ نے بالآخر آپ کو دارالعلوم دیوبند کے لئے منتخب فرمایا۔

۱۳۷۷ھ میں حضرت شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد آپ دارالعلوم دیوبند کے صدرالمدرّسین، ناظمِ تعلیمات اور شوریٰ کے ممبر بنائے گئے اور تادم حیات ان عہدوں پر متمکن رہے۔

ماہ و تاریخ تو محفوظ نہیں تاہم یہ معلوم ہے کہ حضرت علامہ الٰہ آباد حضرت مصلح الامّت کے درِاقدس پر ۱۳۸۳ھ میں تشریف لائے تھے۔ مہینہ غالباً ذیقعدہ کا تھا کیونکہ حضرت علامہ کے تشریف لے جانے کے بعد حضرت مصلح الامّت نے پہلا خط یکم ذی الحجہ کو آپ کے نام تحریر فرمایا ہے۔ دونوں بزرگوں کی ملاقات اور باہم مکاتبت میں ایک عجیب کیف محسوس ہوتا ہے۔ ایک طرف حضرت علامہ بایں جلالتِ شان اپنے کو حضرت والا کے سامنے مسترشدانہ اور مستفیدانہ پیش کرتے ہیں۔ اور ادب و احترام کی وہی نگہداشت ملحوظ رکھتے ہیں جو ایک مرید کو اپنے شیخ کے ساتھ ملحوظ رکھنی چاہیئے اور دوسری طرف حضرت مصلح الامّت بالکل ایک تلمیذ رشید اور شاگرد کی صف میں بیٹھ کر بات کرتے ہیں جیسا کہ استاذ کا حق ہے اور حق یہ ہے کہ دونوں بزرگوں نے اپنی دونوں حیثیتیں کما حقہ نباہ دی ہیں۔

ان مکاتبت سے استاذ شاگرد اور مراد و مرید کے باہمی روابط و تعلقات کا جیسا کچھ اندازہ ہوتا ہے۔ اگر تاریخ میں اس کی مثال آپ ڈھونڈھنا چاہیں تو شاید مشکل سے دو ایک دستیاب ہوں گی۔ حضرت علامہ کا یہ کمال ہے کہ استاذ ہونے کے باوجود مسترشدانہ حیثیت ہی سامنے رکھتے ہیں۔ اور کمال بالائے کمال حضرت والا رحمہ اللہ کا یہ ہے کہ باوجودیکہ شیخ و مصلح ہیں، مگر اپنی تلمیذانہ حیثیت کو کہیں فراموش نہیں فرماتے۔ ایسا؟ ادب واحترام کو دل تڑپ اٹھتا ہے۔

حضرت والا کے ساتھ حضرت علامہ کو جو عشق و تعلق تھا، دیکھنے والوں نے اس کے آثار اس وقت نمایاں طور پر دیکھے جب حضرت والا کے وصال کی خبر دیوبند پہنچی، حضرت علامہ اس وقت وضو کر رہے تھے۔ جونہی یہ خبر صاعقہ اثر گوش زد ہوئی۔ لوٹا بے اختیار ہاتھوں سے چھوٹ گیا اور اسی وقت فرشِ علالت پر جو گرے ہیں تو ایک ماہ بھی دنیائے

فانی میں قیام نہیں فرمایا اور بہت جلد عالم برزخ میں اپنے شاگردو شیخ سے جا ملے رحمہما اللہ تعالیٰ۔ بقول مجذوب رحمہ اللہ

کوئی مزا مزا نہیں، کوئی خوشی خوشی نہیں   تیرے بغیر زندگی موت ہے زندگی نہیں

(حکیم الامت رحمہ اللہ کے حیرت انگیز واقعات ص ۶۵۷)

فقیہ العصر حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

عہدہ قبول کرنے سے احتراز

خاکی و نوری نہاد بندۂ مولیٰ صفات   ہر دو جہاں سے غنی اس کا دلِ بے نیاز

☆.... اللہ پاک نے حضرت والا کو اس للّٰہیت اور کمال اخلاص و کمال تواضع و عبدیت کی صفت سے نوازا تھا کہ جو بھی کام تھا جو بھی خدمت تھی وہ للہ فی اللہ تھی اس میں نفسانیت کا شائبہ بھی نہ تھا، مظاہر علوم سہارنپور میں عرصہ دراز تک فتاویٰ نویسی کی خدمت انجام دی مگر ہمیشہ اپنے کو معینِ مفتی ہی لکھتے رہے۔ ارباب مدرسہ کے فرمانے اور تجویز کے باوجود نائب مفتی لکھنا بھی گوارا نہ کیا اور اس میں خوش تھے، نائب مفتی اور مفتی لقب بھی ناگوار خاطر تھا گو دنیا آپ کو آپ کے تبحر عملی کی وجہ سے مفتی ہی جانتی اور سمجھتی تھی اور اہل علم آپ کے تجربہ علمی کے اس وقت سے معترف و مدّاح تھے مگر آپ کی طبیعت کا رنگ ہی کچھ ایسا تھا کہ

کچھ ہونا تو میرا ذلت و خواری کا سبب ہے   یہ ہے میرا اعزاز کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں

مگر اس کا نتیجہ وہ ہوا جو ہونا تھا اور جو اللہ تعالیٰ کے ایسی مخصوص بندوں کے ساتھ ہوتا ہے کہ حضرت نے اپنے کو ہر لاکھ چھپانا چاہا مگر اللہ تعالیٰ نے منارۂ شہرت پر لا کھڑا کیا اور جو اپنے کو نائب مفتی لکھنا بھی گوارہ نہ کرتا ہو اس کو نہ صرف یہ کہ عالم اسلام کی دو عظیم درسگاہوں دارالعلوم دیوبند و مظاہر علوم صدر مفتی و مفتی اعظم اور سینکڑوں اصحابِ افتاء حضرات کا سرپرست بنایا گیا بلکہ ''مفتی اعظم ہند اور ''فقیہ الامت'' کے لقب سے نوازا گیا، مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا۔ من تواضع لله رفعه الله۔ (جو اللہ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بلندی عطا فرماتا ہے)۔

مجلس شوریٰ اور اکابر دارالعلوم دیوبند نے حضرت والا نور اللہ مرقدہ کو دارالافتاء

دارالعلوم دیوبند کا ناظم اور صدر مفتی تجویز کیا مگر حضرت والا نے حضرت مفتی نظام الدین صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو صدر مفتی اور ناظم دارالافتاء کے تمام اختیارات سپرد فرمائے اور فرمایا۔ ''صدر مفتی اور دارالافتاء کے ناظم آپ رہیں گے۔''

حضرت مفتی نظام الدین صاحب نور اللہ مرقدہ نے انکار فرمایا اور فرمایا بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ کے سامنے کوئی دوسرا صدر مفتی و ناظم بنے اور آپ کو باقاعدہ یہ عہدہ منصب (شوریٰ و اکابر دارالعلوم کی طرف سے) دیا بھی گیا ہے۔

آخر جب حضرت مفتی نظام الدین صاحب کسی طرح آمادہ نہ ہوئے اور برابر انکار فرماتے رہے، تو حضرت قدس سرہ نے فرمایا ''اگر آپ نے یہ عہدہ قبول نہ کیا تو یہاں نہیں رہوں گا، استعفیٰ دیکر دارالعلوم چھوڑ کر چلا جاؤنگا،،

حضرت مفتی نظام الدین صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو یقین ہوگیا کہ یہ ماننے والے نہیں ہیں تو بجبوری یہ عہدہ قبول فرمایا اور حضرت والا قدس سرہ حضرت مفتی نظام الدین صاحب نور اللہ مرقدہ کی صدارت و انتظام کے تحت برابر خدمت انجام دیتے رہے اور اپنے ہر طرز سے اپنا ماتحت ہونا ہی ظاہر فرماتے رہے، حالانکہ دارالعلوم سے باہر کی اکثر دنیا حضرت والا قدس سرہ کو ہی صدر مفتی سمجھتی اور خیال کرتی تھی۔

☆..... حضرت مولانا فخر الدین صاحب نور اللہ مرقدہ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کے حکم اور مسلسل اصرار اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ کے ارشاد پر دارالعلوم دیوبند میں تقریباً بارہ سال بخاری شریف جلد ثانی کا درس دیا اور حضرت مولانا فخر الدین صاحب نور اللہ مرقدہ کے وصال کے سال جلد اول بھی مکمل کرائی مگران کے وصال کے بعد حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ مہتمم دارالعلوم دیوبند کے پاس تشریف لیجا کر فرمایا ''میں ابتک حضرت مولانا فخر الدین صاحب رحمہ اللہ کی رعایت اور ان کے حکم پر بخاری شریف پڑھاتا تھا، لیکن میں اس کا اہل نہیں اس لئے آئندہ بخاری شریف پڑھانے سے معذور ہوں کوئی دوسرا انتظام فرمالیا جائے۔

☆.... عہدہ سے احتراز اس درجہ تھا کہ ارکان شوریٰ سے از خود ملاقات بھی ناگوار خاطر تھی۔ چنانچہ دارالعلوم دیوبند میں ایک خاص اجلاس شوریٰ سے واپسی پر ایک رکن

شوریٰ نے حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کو خط لکھا جس میں یہ معذرت کی کہ شوریٰ کے اجلاس میں آنا ہوتا ہے جی بہت چاہتا ہے کہ آپ سے ملاقات کروں مگر وہاں اتنی فرصت نہیں ہوتی۔

حضرت مفتی صاحب نے جواباً تحریر فرمایا:

''میں باوجود فرصت کے آپ سے ملاقات نہیں کرتا کیونکہ فضا ایسی بن گئی ہے کہ جو ماتحت ملازم کسی رکن شوریٰ سے ملتا ہے تو یہ سمجھتے ہیں کہ اپنی کوئی غرض لیکر آیا ہوگا، میری ترقی کردو، میرے واسطے یہ سہولت مہیا کردو، اسلئے اگر مجھے فرصت بھی ہوتی ہے تب بھی میں آپ حضرات میں سے کسی سے نہیں ملتا، راستہ کاٹ کر چلا جاتا ہوں، کبھی آپ اس راستہ میں مل جائیں تو میں اس راستہ کو چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کرلونگا۔

☆.... قیام کانپور کے زمانہ میں ۸۴ھ میں حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی شدت علالت کے موقع پر مظاہر علوم میں کسی ناظم کے تقرر کی ضرورت پیش آئی۔ ارباب مظاہر علوم نے حضرت مفتی صاحب قدس سرہ سے اصرار کیا کہ مظاہر علوم کی نظامت کی ذمہ داری سنبھالیں'

مگر مفتی صاحب قدس سرہ نے منظور نہیں فرمایا۔

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ اپنے روزنامچہ میں تحریر فرماتے ہیں:

''رمضان ۸۴ھ میں مولانا اسعد اللہ صاحب کی شدید بیماری اور مایوس کن احوال پر ضرورت پیش آئی کہ کوئی ان کے بعد نظامت سنبھالے۔ مفتی محمود پر کئی سال سے اصرار سب کا ہی ہو رہا تھا لیکن حکم زکریا نے نہیں دیا وہ از خود نہیں آئے''۔

مظاہر علوم میں خلفشار ہوا' حضرت والا قدس سرہ کا تأثر اپنے بارے میں یہ تھا کہ یہ اختلاف وخلفشار میری بداعمالیوں کی نحوست کی بنا پر ہے اس لیے مظاہر علوم سے بیرون ممالک کے طویل سفر پر تشریف لے گئے۔ اس کمال وتواضع اور عبدیت کی مثال بمشکل ہی مل سکے گی۔

حضرت والا کا ملفوظ اس سلسلہ میں ملاحظہ ہو:

ارشاد فرمایا کہ میں نے مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کی شوریٰ (منعقدہ اوائل ۱۴۰۵ھ) میں کہا تھا کہ خلفشار مظاہر علوم کا میری نحوست سے معلوم ہوتا ہے اس لیے

مناسب یہ ہے کہ میں یہاں سے چلا جاؤں۔ اس پر مولانا محمد ہاشم صاحب بخاری (مدرس دارالعلوم دیوبند و خلیفہ حضرت شیخ رحمہ اللہ) نے فرمایا کہ ایسا کہنا آپ کے لیے مناسب نہ تھا' اس پر حضرت نے فرمایا کہ آپ کہتے ہیں میرے لیے ایسا کہنا مناسب نہ تھا' حالانکہ میرے پاس اس کا ماٰخذ موجود ہے۔ وہ یہ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ کفار کے مقابلے پر ایک لشکر بھیجا اس کے بارے میں آپ کو اطلاع ملی کہ صبح سے دوپہر تک مقابلہ ہوتا رہا تب فتح ہوئی، تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "میرے گناہوں کی وجہ سے فتح میں اتنی دیر لگی کہ صبح سے دوپہر تک مقابلہ کرنا پڑا اور نہ کفر میں اتنی مجال کہاں ہے کہ ایمان کے مقابلے میں اتنی دیر تک ٹھہر سکے" چنانچہ سات آٹھ ماہ تک بیرون ملک میں رہے اور سفر سے واپسی پر بھی مظاہر علوم میں قیام فرمانے کے بجائے دارالعلوم میں قیام فرمایا۔ کیونکہ دارالعلوم میں خلفشار کے موقع پر بھی بیرون ملک کے اسفار میں سات ماہ گزارے اور پھر واپسی پر حضرت شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہ کے حکم پر مظاہر علوم میں قیام فرمایا تھا اور ارکانِ شوریٰ دارالعلوم کی طرف سے بھی حضرت والا پر دارالعلوم میں قیام فرمانے پر برابر اصرار ہورہا تھا۔

مجلس فقہی کی رکنیت سے معذرت

جمعیۃ العلماء کے تحت مجلس شرعی قائم کی گئی جس میں ایک شعبہ مجلس فقہی کا رکھا گیا اور اس کے ارکان میں معتمد ارباب فتاویٰ اور ارباب اہل بصیرت اہل علم کو منتخب کیا گیا۔ حضرت اقدس قدس سرہ سے بھی اس کی رکنیت قبول فرمانے کی درخواست کی گئی۔

حضرت والا نے رکنیت قبول فرمانے سے معذرت فرمائی۔

مجلس شرعی کی طرف سے جو درخواست پیش کی گئی اور حضرت والا قدس سرہ نے جو معذرت نامہ تحریر فرمایا وہ بھی ملاحظہ ہو:

"مکتوب مجلس شرعی": مجلس شرعی کے قیام کے سلسلہ میں پہلے بھی آپ کو اطلاع دی جاچکی ہے، یقیناً جناب محترم بھی مجلس شرعی کی تاسیس وقیام کی اہمیت سے متفق ہونگے۔ یہ عریضہ اس گزارش کے ساتھ پیش خدمت ہے کہ براہ کرم کل ہند "مجلس فقہی" کی رکنیت

قبول فرما کر مجلس شرعی کے نظام کی توسیع میں رہنمائی فرمائیں۔امید ہے کہ اس عریضہ کو شرف قبولیت بخش کر عنایت فرمائینگے۔ مجلس شرعی، بہادر شاہ ظفر مارگ نئی دہلی۔

جواب از فقیہ الامت قدس سرہ

مجلس شرعی کی تاسیس وقیام کی اہمیت اظہر من الشمس ہے اللہ تبارک وتعالیٰ نصرت فرمائے اور صحیح طریقہ پر کام کی پوری توفیق دے۔

یہ ناکارہ اپنے عوارض کی وجہ سے اس قابل نہیں کہ رکن بن سکے ویسے جو خدمت اپنے بس میں ہو اس سے ہرگز دریغ نہیں، ضعف بصر، ضعف حفظ کی وجہ سے سراپا ضعف بن کر رہ گیا ہے۔امید ہے کہ معذرت قبول فرمائیں گے۔**والعذر عند کرام الناس مقبول**"

ہجرت نہ فرمانے کی وجہ

آنکھوں کی معذوری اور دیگر امراض وعوارض پیش آنے پر بہت سے مخلص خدام کا تقاضا تھا کہ اب مستقل مدینہ طیبہ میں قیام فرمائیں، حضرت والا قدس سرہ سے بہت سے محبین ومتعلقین اور اعزہ جو مدینہ طیبہ میں مقیم ہیں سب کی خواہش تھی کہ اب بقیہ زندگی حضرت والا مدینہ طیبہ میں قیام فرمائیں، لیکن حضرت والا قدس سرہ لاکھ تمناؤں کے باوجود اس کے لئے آمادہ نہ ہوئے، اور ارشاد فرمایا کہ مدینہ طیبہ میں مستقل قیام کے لئے جن اوصاف عالیہ کی ضرورت ہے میں ان سے بالکل خالی ہوں۔

ایک صاحب نے حضرت والا قدس سرہ کے پاس لکھا کہ حضرت تو کچھ دن کے بعد ہجرت کرنے چلے جائیں گے اس لئے میں ایک سال کی چھٹی لیکر آپ کے پاس رہنا چاہتا ہوں۔

آپ نے جواب میں لکھا:

"ہجرت کے لئے ایمان کی پختگی، اعمال صالحہ پر مواظبت اور اخلاق فاضلہ پر استقامت بڑا سرمایہ ہے اور یہ ناکارہ ان سب چیزوں سے خالی ہے اس لئے آپ جہاں پر ہیں وہیں پر رہ کر دین کا کام کرتے رہیں۔

میں حضرت مدنی قدس سرہ کی جوتی کی خاک کے برابر بھی نہیں

جو حضرات اکابر مشائخ میں سے کسی سے بیعت ہوتے اور وہ انکی وفات پر حضرت قدس سرہ سے بیعت ہونا چاہتے حضرت والا قدس سرہ کمال تواضع وعبدیت کی بناء پر ان کو کبھی بیعت نہ فرماتے البتہ ان کی خدمت اور مشورہ دینے سے انکار نہ فرماتے بلکہ ہر نوع کی خدمت کے لئے تیار رہتے مگر بیعت سے احتراز ہی فرماتے تھے۔

ایک صاحب جو شیخ الاسلام حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ سے بیعت تھے انہوں نے حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ کے وصال کے بعد حضرت والا قدس سرہ سے بیعت کی درخواست کی اور یہ بھی عرض کیا کہ میں حضرت مدنی سے بیعت تھا اب حضرت والا سے بیعت ہونا چاہتا ہوں۔

حضرت والا قدس سرہ نے ارشاد فرمایا:

میں حضرت مدنی قدس سرہ کی جوتی کی خاک کے برابر بھی نہیں کہ میں ان کے مرید کو بیعت کروں، اس انداز آبدیدہ ہو کر حضرت والا نے فرمایا کہ حاضرین بھی آبدیدہ ہو گئے اور بعض پر اس درجہ اثر ہوا کہ بمشکل اپنے کو قابو میں کر سکے۔

فناء تام

اپنے آپ کو دوسروں کے سامنے متواضع ظاہر کرنا اور اپنے آپ کو حقیر، فقیر کہنا لکھنا تو آسان ہے مگر حقیقی تواضع کہ یہ چیز قال سے بڑھ کر درجہ حال میں آجائے بمشکل حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ درجہ فناء تام کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ اور فناء تام کا حاصل ہو جانا کوئی آسان چیز نہیں، اس کے لیے بڑے مجاہدوں اور ریاضتوں کی ضرورت ہے اور اس کے بعد بھی کسی خوش نصیب کو اگر مل جائے تو مالک کا بڑا کرم اور بڑا فضل ہے۔

حضرت والا قدس سرہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ کا مقولہ نقل فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مرزا صاحب رحمۃ اللہ فرمایا کرتے تھے۔ تیس برس تین بزرگوں کی خدمت کی، اس کے بعد تیس برس سے ریاضت ومجاہدات میں مشغول ہوں اب فناء تام حاصل ہوئی ہے، اپنے آپکو مردہ سمجھتا ہوں، لوگ آتے ہیں، میں سمجھتا ہوں میری قبر پر آرہے ہیں فاتحہ پڑھنے کے لیے، پھر کبھی سوچتا ہوں کہ شاید میں زندہ ہوں۔

اب مجھ سے اس طرح نہیں پڑھایا جاتا کیونکہ طلبہ زیادہ فاضل ہونے لگے

عرض کیا گیا کہ حضرت مولانا صدیق صاحب مدظلہ باندوی رحمتہ اللہ علیہ نے جناب سے کیا کتابیں پڑھیں؟ ارشاد فرمایا نورلانوار میں مفتی یحییٰ صاحب مدظلہ کے ساتھی تھے، مفتی یحییٰ صاحب کاپی میں سبق کے دوران کچھ لکھتے تھے معلوم ہوا کہ تقریر و غیرہ نہیں لکھتے بلکہ صرف یہ لکھتے ہیں کہ کن کتابوں کا حوالہ بالا دیا اس وقت کتاب دیکھنے اور حوالہ دینے کا بہت شوق تھا باقی اب مجھ سے اسطرح نہیں پڑھا جاتا کیونکہ طلباء زیادہ فاضل ہونے لگے۔

اللہ اکبر کیا تواضع ہے کہ کمی طلبہ کی کہ شوق و محنت نہ ہونے کی وجہ سے اچھی طرح کتاب کے مضامین کماحقہ سمجھنے کی استعداد ہی نہیں ہوتی مگر اس کی نسبت بھی اپنی طرف فرمائی کہ مجھ سے پڑھایا نہیں جاتا۔ ہم لوگ اپنا قصور، اپنی کمی سب طلبہ کے سر تھوپنے کی کوشش کرتے ہیں۔

بہ بیں تفاوت رہ از کجا است تا بکجا۔

(ملفوظات فقیہ الامت، جلد۱ حصہ سوم ۱۰۵)

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ رحمتہ اللہ علیہ

اپنا کام خود اپنے ہاتھ سے کرنے کے عادی تھے

مولانا ضیاء الحق صاحب دہلوی (مدرس مدرسہ امینیہ دہلی) راقمطراز ہیں:

”گھر کی صفائی کرنے اور برتن مانجھ لینے میں آپ عار کو محسوس نہ کرتے تھے۔ بازار سے دو پیسوں کا سودا بھی خود ہی خرید لاتے تھے آپ کو کوئی اجنبی تنکوں کی ٹوپی اوڑھے، کھڑاویں پہنے سادہ لباس میں پھرتے دیکھ کر کبھی کہہ ہی نہیں سکتا تھا کہ یہ دنیا کی اتنی مقبول اور برگزیدہ ہستی ہے۔ اپنا کام خود اپنے ہاتھ سے کرنے کے عادی تھے۔ اس لئے کسی کا کیا ہوا کام مشکل سے پسند آتا تھا“۔

شیخ الفقہ والادب حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحب رحمہ اللہ کے واقعات

ابتدائے بالسلام کرنے کا اہتمام

حضرت اقدس مفتی تقی عثمانی صاحب زید مجدہم تحریر فرماتے ہیں:

حضرت والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے بارہا ذکر فرمایا کہ حضرت شیخ الادب صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی یہ ادا سارے مدرسے میں مشہور تھی کہ وہ ہر کس و ناکس کو ہمیشہ ابتداء بالسلام کرنے کا اہتمام فرماتے تھے۔ اور کوئی دوسرا شخص عام طور سے انہیں سلام کرنے کی ابتداء نہیں کر پاتا تھا۔ بعض اوقات طلباء پہلے سے طے کر کے کوشش کرتے کہ آج ہم مولانا رحمتہ اللہ علیہ کو پہلے سلام کریں گے لیکن اس کوشش میں کامیاب نہ ہوتے۔

(اکابر دیوبند کیا تھے؟ ص ۷۳)

مجاہد ملت حضرت مولانا اطہر علی سہلٹی رحمہ اللہ (خلیفہ مجاز حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ) کے واقعات۔

باوجود خدام کے موجود ہونے کے حضرت بنوری رحمتہ اللہ علیہ کے پاؤں دبائے

جامعہ امدادیہ کے سابق محدث جناب مولانا قطب الدین صاحب مدظلہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ محدث العصر حضرت علامہ یوسف بنوری رحمتہ اللہ علیہ کشور گنج تشریف لائے حضرت رحمتہ اللہ علیہ نے موصوف کی بڑی تعظیم و تکریم کے ساتھ میزبانی کا حق ادا کیا۔ علامہ موصوف جب رات کو آرام فرما ہوئے تو کیا دیکھتا ہوں کہ باوجودیکہ خادم خدام موجود ہیں مگر خود حضرت رحمہ اللہ انکے پیر دبانے لگے اور موصوف بلا جھجک آرام فرماتے رہے لیکن تھوڑی دیر بعد اٹھ کر آپ نے حضرت رحمہ اللہ کے پیر دبانا شروع

کردیئے۔ تو بحیثیت مہمان ہونے کے آپ نے اس سے انکار کیا مگر انہوں نے نہیں مانا۔ اس قسم کا بے تکلفانہ اور عقیدت مندانہ واقعہ آپکی زندگی میں صرف ایک ہی نہیں بلکہ بکثرت ہیں۔ ان واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ اگرچہ یہ حضرات مختلف ممالک اور مختلف مقامات کے رہنے والے تھے لیکن عقیدت ومحبت اور تعلق قلبی کے اعتبار سے گویا مختلف القالب اور متحد القلب تھے، ہزاروں میل کی مسافت طے کرکے ہمیشہ ایک دوسرے سے زیارت وملاقات کرتے تھے۔ ہر اہم معاملہ میں ایک دوسرے کو بے تکلفی کے ساتھ نرم و گرم سخت وسست کلمات کہنے سے ہی گریز نہیں کرتے۔ ایک دوسرے کی غمی وخوشی میں برابر شریک ہوتے رہتے اور دعائیں دیتے۔ (حیات اطہر ص ۱۸۴ تا ۱۸۵)

ایک عبرت آموز واقعہ

جامعہ امدادیہ کے سابق محدث حضرت مولانا قطب الدین صاحب مدظلہ کا بیان ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی عادت تھی کہ آپ ہمیشہ اساتذہ جامعہ کو جمع کرکے نصیحت فرمایا کرتے۔ انکی غلطی پر کبھی کبھی بلاتعین عام طور پر قدرے سخت وسست کلمات استعمال فرماتے۔ آپکا یہ طرز اصلاح بعض اساتذہ کو ناگوار گزرتا، لیکن آپکے سامنے لب کشائی کی کسی کو ہمت نہ ہوتی۔

مولانا موصوف فرماتے ہیں کہ ایک روز میں نے ہمت کرکے عرض کیا کہ حضرت! سب اساتذہ تو قصوروار نہیں۔ لہٰذا بلاتعین سب کو برا بھلا کہنے میں جو خطاء سے بری ہے اسے ناگوار گزرتا ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو یہ بات بہت پسند آئی اور ساتھ ساتھ اپنے اس عیب کی اصلاح کے درپے ہوگئے۔ مولانا موصوف سے فرمایا کہ کس انداز پر بات کی جائے اس سلسلہ کا ایک نوٹ پیش کردیجئے تاکہ اُسے دیکھ کر باتیں کرسکوں۔ آخر مولانا موصوف نے دفعات ستہ پیش کیے تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں کاتب کے ذریعے تحریر کرواکر اس میز پر چپکا دیا جسکو سامنے رکھ کر آپ مجلس الاساتذہ میں خطاب فرماتے تھے تاکہ اساتذہ سے باتیں کرتے وقت اسے سامنے رکھ کر باتیں کرسکیں۔ یہ تھا آپ کے اخلاص وللّٰہیت اور خداترسی کا ایک ادنیٰ نمونہ۔

(بحوالہ بالا ص ۱۹۶۔ ۱۹۷)

اپنے ہاتھوں سے نالے صاف کیے

آپ کی حکمت عملی کی ایک صورت یہ بھی تھی کہ اگر کسی سے کوئی کام لینا منظور ہوتا تو آپ سب سے پہلے اس کام میں لگ جاتے۔ کام کتنا مشکل کیوں نہ ہو آپ مطلقاً اس کی پرواہ نہ کرتے۔ حتیٰ کہ نالے کی گندگی دور کرنے میں بھی سب سے پیش پیش رہتے اس حکمت عملی کا نتیجہ یہ ہوتا کہ طلبا اساتذہ اور معتقدین حضرات بطیّب خاطر سب کے سب اس طرح شریک کار ہو جاتے کہ آپس میں مسابقت شروع ہو جاتی۔ چنانچہ ایک مرتبہ اسٹیشن روڈ کے نالے میں گندگی جمع ہو کر لوگوں کو کافی تکلیف پہنچ رہی تھی خصوصاً شہیدی مسجد کے مصلیوں کو، تو آپ نے بذات خود سب سے پہلے صفائی کا کام انجام دینا شروع کیا۔ چنانچہ یہ منظر دیکھ کر طلبہ اساتذہ اور عام مصلی بیٹھے نہ رہ سکے۔ سب کے سب نے شریک کار ہو کر تھوڑے ہی وقت میں تمام نالہ صاف کر دیا اور سب لوگوں کو تکلیف سے نجات مل گئی۔ (ص ۲۱۰۔۲۱۱)

تواضع وفنائیت کے عجیب واقعات

تواضع کی حقیقت یہ ہے کہ اپنے کو بالکل لاشئی اور ہیچ سمجھ کر تواضع اختیار کرے۔ اپنے کو نعمت کا اہل نہ سمجھے اور سچ مچ اپنے کو مٹانے کا قصد کرے۔ اس کی اصل مجاہدہ نفس ہے۔ کیونکہ تواضع اس کا نام نہیں کہ زبان سے ”خاکسار“، ”نیاز مند“، ”ذرہ بے مقدار“ کہے۔ بلکہ تواضع یہ ہے کہ اگر کوئی تم کو ذرہ بے مقدار سمجھ کر برا بھلا کہے اور ذلیل کرے تو تم کو انتقام کا جوش پیدا نہ ہو۔ اور نفس کو یوں سمجھا لو کہ تو واقعی ایسا ہی ہے پھر کیوں برا مانتا ہے۔ اور اگر کسی کی برائی سے کچھ رنج واثر نہ ہو، تو یہ تواضع کا اعلیٰ درجہ ہے کہ مدح و ذم برابر ہو جائے۔ مطلب یہ کہ عقلاً برابر ہو جائے۔ طبعاً تو مساوات ہو نہیں سکتی۔ کیونکہ یہ غیر اختیاری امر ہے۔ البتہ اختیار امور میں تواضع اختیار کرنا چاہیے۔

اللہ کے لیے تواضع اختیار کرنے کی بڑی فضیلت حدیث شریف میں آئی ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں۔

من تواضع للہ رفعه اللہ انا عند المنكسر قلوبهم

(ترجمہ) جو شخص اللہ کے واسطے تواضع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے مقام و مرتبہ کو بلند کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ مجھے (تلاش کرو) ان لوگوں کے پاس جو متواضع اور ٹوٹے ہوئے دل والے ہیں۔

شاعر کہتا ہے۔

فروتنی است دلیل رسیدگان کمال　　　که چون سوار بمنزل رسند پیاده شود

تفصیلات ماسبق کے پیش نظر اگر حضرت۔۔۔کی زندگی پر نظر کی جائے تو آپ سراپا متواضع نظر آتے ہیں عبرت کے لیے دو چار واقعے ہم یہاں پیش کرتے ہیں۔

(۱)....جامعہ امدادیہ کے سابق محدث حضرت مولانا قطب الدین صاحب زید مجدہٗ کا بیان ہے کہ میں جب بھی آپکی سوانح عمری مرتب کرنے کے سلسلے میں آپ سے اجازت مانگتا تو آپ سخت ناگواری کے ساتھ انکار فرمایا کرتے۔

(۲)....جامعہ کے سابق کے استاد جناب ماسٹر عبدالرشید صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت فرمایا کرتے کہ سوانح تو آدمی کی مرتب کی جاتی ہے۔ میں تو آدمی نہیں۔ میرا تو دل چاہتا ہے کہ مجھے کیڑے مکوڑے کھالیا کریں۔

(۳)....جامعہ امدادیہ کے استاد جناب مولانا عبدالسبحان صاحب فرماتے ہیں کہ ایک رات حضرت نماز مغرب کے بعد شہیدی مسجد کے اندر اوابین پڑھ رہے تھے۔ پیچھے سے ایک شخص نے راحت رسانی کے لیے پنکھا شروع کر دیا۔ نماز سے فراغت کے بعد حضرت نے اُسے ڈانٹا اور فرمایا کہ ''خدا کا غلام ہوں، معبود کے سامنے کھڑا ہوں۔ کیا غلام کو معبود کے سامنے اتنی حیثیت ہے کہ اس کی خدمت کی جائے۔

(۴)....ایک مرتبہ مجمع عام میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تم مجھے اتنا بڑا خیال کرتے ہو۔ حالانکہ میں اپنے کو کتے سے بھی بدتر سمجھتا ہوں۔ سبحان اللہ! گویا حضرت رحمتہ اللہ علیہ نے بھی اپنے اسلاف کی تواضع اور کسر نفسی کا نقشہ اتار دیا۔ چنانچہ بانی دارالعلوم دیوبند حضرت قاسم نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ نے ایک شعر میں اپنے کو کتے سے بدتر ہونے کا خیال اظہار فرمایا۔

زمن دارد سگ نصرانیاں عار　　　که هست او بے گناه و من گنہگار

''یعنی مجھے نصرانیوں کے کتے پر شرم محسوس ہوتی ہے کہ وہ بے گناہ ہیں اور میں

گنہگار ہوں''۔ جب تک انسان اپنی خودی کو نہ مٹا سکے گا تب تک نہ مرتبہ فنائیت وکمال کو پہنچ سکتا ہے اور نہ وہ اس قسم کی تواضع اختیار کر سکتا ہے۔ چنانچہ شاعر کہتا ہے۔

مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہیے کہ دانہ خاک میں مل کر گل گلزار ہوتا ہے۔

اسی طرح ایک اور شاعر کہتا ہے

جب خودی اپنی مٹایا تب خدا ہم سے ملا

تواضع کے اس مقام پر آدمی کو مدح وذم یکساں نظر آتا ہے اسی کو مرتبہ فنائیت سے تعبیر کیا جاتا ہے چنانچہ اسی مقام پر پہنچنے کے بعد قطب العالم امام ربانی حضرت رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اپنے پیر ومرشد سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمتہ اللہ علیہ کے گرامی نامہ کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں۔ حضرت! میں ہی کون ہوں اور میری حالت ہی کیا ہے۔ اتنا ہی سمجھتا ہوں کہ نصوص شرعیہ میں کہیں تعارض نظر نہیں آتا اور میرے سامنے مادح اور ذام یکساں معلوم ہوتا ہے''۔

(۵).... جامعہ کے سابق محدث حضرت مولانا قطب الدین صاحب مدظلہ فرماتے ہیں کہ دارالعلوم دیوبند کے مہتم حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمتہ اللہ علیہ ۱۹۷۴ء میں جب بنگلہ دیش تشریف لائے تھے۔ دوران سفر سلہٹ جانا ہوا اس وقت آپ نے بھی ہاتھ بڑھادیا اس پر میں نے سوال کیا کہ آپ حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کے مجاز بیعت ہونے کے باوجود دوبارہ کیوں بیعت ہو رہے ہیں۔ حالانکہ وہ آپکے پیر بھائی ہیں فرمایا کہ ''اگر وہ پار ہو جائے اور میں رک جاؤں تو ان کے وسیلہ سے میرا بیڑا ہی پار ہو جائیگا۔ یہ واقعات بلاشبہ آپکی تواضع اور بے نفسی کی واضح دلیل ہیں۔

(ص ۲۲۸،۲۲۹،۲۳۰)

محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے واقعات

صغائر نوازی کی عجیب مثالیں

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب زید مجدھم آپکے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں:

حضرت بنوری رحمۃ اللہ کی وفات یوں تو پوری ملت کے لیے ایک عظیم سانحہ ہے، لیکن احقر اور برادر محترم جناب مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم کے لئے یہ ایسا ہی ذاتی نقصان ہے جیسے مولاناؒ کے قریبی اعزہ کے لئے۔ اسلئے کہ وہ ہم پر اس درجہ شفیق اور مہربان تھے کہ الفاظ کے ذریعہ ان کا بیان ممکن نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ اس نے بیس سال تک حضرت مولاناؒ کی صحبتیں عطا فرمائیں۔ صرف علمی محفلوں ہی میں ہی نہیں، نجی مجلسوں اور سفر و حضر میں بھی مولانا کی معیت نصیب ہوئی۔ مولانا کی شفقتوں کا عالم یہ تھا کہ وہ ہماری کمسنی کا لحاظ کرتے ہوئے خود بھی بچوں میں بچے بن جاتے تھے۔

۱۹۶۵ء میں حضرت والد صاحبؒ اور مولاناؒ نے مشرقی پاکستان کا ایک ساتھ تبلیغی سفر کیا، یہ ناکارہ بھی ہمراہ تھا۔ سلہٹ میں ہمارا قیام مجد الدین صاحب مرحوم کے صاحبزادے محی السنۃ صاحب کے یہاں تھا سلہٹ بڑا سرسبز اور شاداب اور خوبصورت علاقہ ہے، لیکن یہاں پہنچنے کے بعد مسلسل علمی اور تبلیغی مجلسوں کا ایک تانتا بندھا کہ جس کمرے میں آکر اترے تھے، وہاں سے باہر نکلنے کا موقع ہی نہ ملا، یہاں تک کہ جب اگلے دن فجر کی نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت والد صاحبؒ نے اسی کمرے میں اپنے وظائف شروع کردیئے۔ میں اس انتظار میں تھا کہ ذرا مہلت ملے تو حضرت والد صاحبؒ سے اجازت لے کر کہیں ہوا خوری کے لئے باہر چلا جاؤں۔ مولاناؒ نے میرا یہ ارادہ بھانپ لیا اور خود ہی بلا کر پوچھا ''کیا باہر جانا چاہتے ہو'' مجھے مولاناؒ نے بے تکلف بنایا ہوا تھا، میں نے عرض کیا حضرت ارادہ تو ہے مگر آپ بھی تشریف لے چلیں تو بات بنے۔ بس یہ سننا تھا کہ مولانا اپنے معمولات کو مختصر کر کے تیار ہو گئے اور خود ہی حضرت

والد صاحبؒ سے فرمایا ذرا میں تقی کو سیر کرالاؤں۔ چنانچہ باہر نکلے اور تقریباً گھنٹہ بھر تک مولاناؒ اس ناکارہ کیساتھ کبھی چائے کے باغات میں، کبھی شہر کے اونچے ٹیلوں پر گھومتے رہے، سلہٹ کے علاقے میں نباتات اس کثرت سے پائی جاتی ہیں کہ ایک گز زمین بھی خشک تلاش کرنی مشکل ہے۔ مولاناؒ جب کوئی خاص پودا دیکھتے تو اس بارے میں معلومات کا ایک دریا بہنا شروع ہو جاتا، اس پودے کا اردو میں یہ نام ہے عربی میں یہ نام ہے فارسی اور پشتو میں فلاں نام ہے، اور اس کے یہ یہ خصائص ہیں۔ غرض یہ تفریح بھی ایک دلچسپ درس میں تبدیل ہو گئی۔ مجھے بعد میں خیال بھی ہوا کہ مولاناؒ کے گھٹنوں میں تکلیف ہے، اور میں نے خوامخواہ مولاناؒ کو زحمت دی، چنانچہ میں نے کئی بار اپنی جسارت پر معذرت کی لیکن مولاناؒ ہر بار یہ فرماتے کہ ''مناظر قدرت اللہ کا بہت بڑا عطیہ ہیں اور انہیں دیکھ کر نشاط حاصل کرنے کا شوق انسان کا فطری تقاضا ہے۔ تمہاری وجہ سے میں بھی ان مناظر سے محظوظ ہو گیا'' اور پھر جتنے دن سہلٹ میں رہے، روزانہ فجر کے بعد یہ معمول بن گیا۔ مولاناؒ کے زیر سایہ سہلٹ کی یہ سیر تفریح کی تفریح ہوتی، اور درس کا درس ہوتا، مولاناؒ کو معلوم تھا کہ احقر کو عربی سے لگاؤ ہے۔ اس لئے مولاناؒ اس دوران عربی ادب کے لطائف وظرائف بیان فرماتے۔ نادر اشعار سناتے، شعراء عرب کے درمیان محاکمہ فرماتے، اور اس تفریح میں نظروں کے ساتھ قلب وروح بھی شاداب ہو کر لوٹتے تھے۔

اسی طرح ایک مرتبہ برادر محترم جناب مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلہم (مہتمم دارالعلوم کراچی) ڈھاکہ میں حضرت والد صاحبؒ کے ساتھ تھے، مولاناؒ بھی تشریف فرماتے، مولاناؒ نے خود بھائی صاحب سے فرمایا کہ چلو تمہیں چاٹگام کی سیر کرالاؤں۔ چنانچہ والد صاحب سے اجازت لے کر مولاناؒ اور بھائی صاحب ڈھاکہ چاٹگام روانہ ہو گئے۔ ریل میں جگہ تنگ تھی، اور ایک ہی آدمی کے لیٹنے کی گنجائش تھی۔ مولاناؒ نے بھائی صاحب کو لیٹنے کا حکم دیا، لیکن بھائی صاحب نہ مانے، تو انہیں زبردستی لٹا دیا، اور خود ان کی ٹانگوں کو اس زور سے پکڑ کر ان کے پاؤں کی طرف لیٹ گئے کہ وہ اٹھ نہ سکیں، اپنے ایک شاگرد کے ساتھ یہ معاملہ وہی شخص کر سکتا ہے جسے اللہ نے حقیقی تواضع کے مقام بلند سے سرفراز کیا ہو۔

(نقوش رفتگاں ص ۹۵،۹۶)

عالی ظرفی، بے نفسی اور ایثار و اخفاء کے بے نظیر واقعات

آپکے خادم خاص حضرت اقدس مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

ویسے تو حضرت مولاناؒ کے اخلاص، علوظرف اور ایثار وغیرہ آپ کے ان مناقب عالیہ میں سے ہیں جن کا نہ صرف مدرسہ عربیہ اسلامیہ کی چوبیس سالہ تاریخ کے ایک ایک واقعہ سے اظہار ہوتا ہے بلکہ اس یادگار نمبر کے تقریباً ہر مقالہ نگار کے مقالہ میں یہ درخشاں صفات آفتاب نصف النہار کی طرح روشن ہیں تاہم چند ایسے بے نظیر واقعات ہیں جن کے اظہار نہ کرنے کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی حق تلفی کہا جا سکتا ہے۔

(۱)۔۔۔۔ مدرسہ عربیہ اسلامیہ کی نیوٹاؤن میں بنیاد رکھنے اور کام شروع کرنے کے بعد پہلا سال انتہائی بے سروسامانی، کسمپرسی، اور تہی دستی کا زمانہ تھا اس زمانے میں آپ جس قدر فکرمند رہے اور مشقتیں آپ نے برداشت کیں انکا حال آپ شروع میں پڑھ چکے ہیں، مگر اس کے باوجود ایثار، بے نفسی کا یہ عالم تھا کہ الف سے یا تک مدرسہ کے تمام چھوٹے بڑے کام خود انجام دیتے تھے مگر مدرسہ کا مہتمم بناتے ہیں حضرت حاجی محمد خلیل صاحبؒ کو صرف ان کی پاک دامنی، نیک نیتی، اور للّٰہیت کی وجہ سے اور اپنی کارکردگی کو چھپانے کی غرض سے ورنہ اندر باہر کے سب لوگ جانتے تھے کہ مہتمم درحقیقت حضرت مولاناؒ خود ہیں۔

(۲)۔۔۔۔ قیام مدرسہ کے دوسرے سال جب مدرسہ میں دورۂ حدیث شریف بھی شروع ہو جاتا ہے اور اساتذہ کا اضافہ ناگزیر ہو جاتا ہے تو اپنے ذی علم مخلص دوستوں میں سے حضرت مولانا عبدالحق صاحب نافع رحمۃ اللہ علیہ کو مدرسہ میں بلاتے ہیں تو انہی کو صدر مدرس اور شیخ الحدیث بناتے ہیں۔ اور بخاری شریف پڑھانے کو دیتے ہیں حالانکہ اس زمانہ میں بھی حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے درس بخاری شریف کی شہرت تھی اور تمام اہل علم اس کا اعتراف کرتے تھے۔ یہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاص و تواضع کی اعلیٰ مثال ہے۔

(۳)۔۔۔۔ جب حضرت مولانا علیہ الرحمۃ کی للّٰہیت، خلوص، اور نیک نیتی کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مدرسہ کو ظاہری، باطنی، اور مادی و معنوی خوبیوں کے لحاظ

سے انتہائی بام عروج اور اوج ترقی پر پہنچا دیا۔ اور یہ مدرسہ نہ صرف پاکستان بلکہ تمام عالم اسلام کی دنیائے علم وفضل میں بے نظیر جامعہ اور عظیم معہد علمی کی حیثیت سے منظر عام پر آ گیا تو بعض شہرت پسند اور جاہ پرست لوگوں نے چاہا کہ اس عظیم دینی ادارہ کی ترقی کو اور بام عروج تک پہچانے کو اپنے کھاتہ میں کیوں نہ ڈالیں۔

لیکن حق تعالیٰ نے حضرت مولانا نور اللہ مرقدہ کو کس قدر عظیم حوصلہ اور عالی ظرف عطا فرمایا تھا اور شہرت و نام ونمود سے کس قدر متنفر بنایا تھا، اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ جب آپ کے سامنے اس قسم کی باتوں کا تذکرہ ہوا تو کس قدر سکون و اطمینان سے فرماتے ہیں کہ ''اگر کوئی اپنی طرف نسبت کرنے سے خوش ہوتا ہے تو کرنے دو ہم نے جو کچھ کیا ہے اللہ کے لئے کیا ہے''۔

سبحان اللہ! کس قدر عظیم ہے یہ بے نفسی، اور کس قدر عظیم ہے یہ عالی ظرفی، اور کس قدر عظیم ہے یہ خلوص کہ شہرت و نام ونمود کے شائبہ سے بھی پاک ہے اور کس قدر عظیم ہے یہ للٰہیت اور تعلق مع اللہ۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ اس کو بھی پسند نہیں فرماتے تھے کہ آپ کو ''مہتمم'' یا ''صدر مدرس'' یا ''شیخ الحدیث'' کہا یا لکھا جائے۔

فرمایا کرتے تھے کہ ''واللہ میں نے یہ مدرسہ اس لئے نہیں بنایا کہ مہتمم یا شیخ الحدیث کہلاؤں'' جلال میں آ کر فرماتے، اس تصور پر لعنت، پھر فرماتے کہ اگر کوئی مدرسہ کے اہتمام اور بخاری شریف پڑھانے کا کام اپنے ذمہ لے لے تو مجھے خوشی ہو گی اور میں ایک عام خادم کی طرح سے مدرسہ کا ادنیٰ سے ادنیٰ کام کرنے میں بھی کوئی عار محسوس نہ کروں گا۔ (''بینات'' حضرت بنوری نمبر ص ۲۳۰، ۲۳۱)

حقیقی عظمت

ڈاکٹر غلام محمد صاحب۔ کراچی۔ تحریر فرماتے ہیں۔

مولانا شہرت وعظمت کے جس بلند رتبہ پر پہنچ چکے تھے، اس نقطۂ عروج پر پہنچ کر ایک ''غیر انسان'' اپنی رائے سے ایک انچ ہٹنا گوارا نہیں کرتا مگر مولانا کی حقیقی عظمت یہی تھی کہ فی اعین الناس کبیراً (لوگوں کی نگاہ میں بڑے ہو کر ہمیشہ فی اعیُنی

صغیراً (اپنی نگاہ میں چھوٹے) ہی رہے۔ انہیں اپنی رائے سے رجوع کرنے اور اپنے مخالف سے وجہ، مخالفت کے ہٹ جانے پر مل لینے میں ذرہ برابر تامل نہ ہوتا۔ یہ ان کی بے نفسی اور صاف دلی کی کھلی علامت تھی۔ اس کا مشاہدہ راقم الحروف کو اپنے ایک سالہ ماہنامہ ''بینات'' سے وابستگی کے دوران خوب ہوتا رہا۔ ایک مرتبہ مسئلہ مشین کے ذریعہ جانوروں کے ذبیحہ کے جائز و ناجائز ہونے کا درپیش تھا۔ اس مسئلہ کو مولانا سعید احمد اکبر آبادی مدیر برھان (دہلی) نے اٹھایا تھا۔ اور اس کے جواز پر دلائل قائم کیے تھے۔ پاکستان میں بعض جلیل القدر اہل افتاء کا رجحان (فیصلہ نہیں) اس کی تائید میں موصول ہوا تھا۔ مولانا بنوری کے سامنے جب یہ سب چیزیں آئیں تو وہ بھی غیر تحریری طور پر اس کے جواز کے مؤید ہو گئے۔ مگر ایسے میں مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے خلاف یعنی مشین کے ذبیحہ کے عدم جواز میں ایک مدلل تحریر مولانا کی خدمت میں بھیج دی۔ جب مولانا نے یہ دلائل پڑھ لیے تو اور فرمادیا کہ مفتی صاحب کے دلائل قوی ہیں۔ مشین کا ذبیحہ درست نہیں۔

اس سے بڑھ کر ایک اور واقعہ سنئے۔ راقم الحروف کی ادارتِ بینات کے زمانہ میں ڈاکٹر فضل الرحمٰن صدر اسلامک ریسرچ انسٹیٹیوٹ کی طرف سے سود کے جواز پر بعض تحریریں شائع ہوئیں۔ ''بینات'' نے ڈاکٹر صاحب کا تعاقب اس علمی قوت سے کیا کہ وہ مضطرب ہو کر مولانا بنوری سے تنہائی میں ملاقات کے طالب ہوئے۔ ملاقات کا وقت متعین ہو گیا۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن نے کہلوایا کہ ان کے ساتھ صرف ان کے ماہنامہ ''فکر و نظر'' کے مدیر فاطمی صاحب ہوں گے۔ مولانا نے مجھ سے فرمایا کہ پھر آپ بھی بحیثیت مدیر ''بینات'' گفتگو میں شامل رہیں۔ چنانچہ مولانا کی قیام گاہ پر ہم چاروں کے درمیان گفتگو ہوئی۔ مولانا نے نہایت مومنانہ صفائی اور قوّت سے اپنا اختلاف پیش کیا۔ ڈاکٹر نے بڑی چابکدستی سے پہلے تو تاویلات کیں کہ اصل مضامین انگریزی میں تھے۔ مترجم نے بات کچھ سے کچھ کردی۔ مگر جب احقر نے انگریزی الفاظ پر بھی گرفت کی اور مولانا پر ڈاکٹر صاحب کی فریب دہی واضح ہوئی تو پھر مولانا نے موعظت اور سختی دونوں پہلوؤں سے ڈاکٹر صاحب کا تعاقب کیا اور وہ یہ وعدہ کرنے پر مجبور ہو گئے کہ اپنے ان خیالات سے رجوع کریں گے۔ اس وعدہ پر مولانا کا دل صاف تھا اور مولانا نے فرمایا کہ اگر آپ

نے یہ کیا تو ہمارا بے مزدمخلصانہ علمی تعاون آپ کے ادارے کے ساتھ رہے گا۔ ڈاکٹر صاحب نے ہم دونوں کو اپنے ادارہ میں آنے کی دعوت دی۔ مولانا پوری صاف دلی اور بشاشت سے تشریف لے گئے اور ارکان ادارہ کو سارا واقعہ سنایا اور ڈاکٹر صاحب کے رجوع کر لینے پر کامل تعاون کا اعلان فرمایا۔ اسوقت مولانا ایسے مسرور تھے کہ ایک نادان دینی بھائی، جوان سے بچھڑ گیا تھا، پھر آملا ہے۔ مگر افسوس! کہ اس پروردۂ مشیگن یونیورسٹی نے مولانا کے اخلاص کی کوئی قدر نہ کی اور آخر وقت تک رجوع شائع نہ کر سکا۔ یہ اس کا کردار تھا۔ مگر ہمارے ممدوح کی رفعت انسانی اس واقعہ میں کس قدر عیاں تھی۔

جو کچھ کرو اللہ کے لئے کرو شہرت کے لیے نہ کرو

ڈاکٹر تنزیل الرحمان صاحب رقمطراز ہیں:

مولانا شہرت طلبی کو سخت برا سمجھتے تھے۔ انہوں نے ایسے تمام راستوں کو بند کر دیا تھا جو شہرت کا سبب یا ذریعہ بن سکیں۔ حتّٰی کہ مدرسہ میں بھی کبھی کوئی جلسہ تقسیم اسناد یا دستار بندی منعقد نہ کیا۔ ختم نبوت کے قادیانی مسئلے میں مولانا مرحوم نے پورے ایک سو دن شب و روز کام کیا، اس میں بھی ان کا یہی طرز فکر تھا کہ جو کچھ کرو اللہ کے لئے کرو، شہرت کے لیے نہ کرو۔ اس زمانے میں بعض فرضی نام نہاد انجمنوں کے نام سے آپ کے خلاف مختلف اخبارات میں بڑے بڑے اشتہارات شائع کرائے گئے اور جاننے والے جانتے ہیں کہ ان اشتہارات کے بل کہاں سے اور کس مد سے ادا کئے گئے لیکن مولانا نے ان اشتہارات کا سرے سے کوئی نوٹس ہی نہ لیا اور کوئی جواب شائع کرانے کا انہیں خیال تک نہ آیا۔ وہ دین کے کام میں ہر قسم کی قربانی دینے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے تھے، ان کے نزدیک ذاتی عزت و ذلّت کی دین کے کام کے سامنے کوئی اہمیت نہ تھی۔ وہ دین کے راستے میں ہر سختی اور دشواری کو اپنے لیے رحمت اور سامان سفر سمجھتے تھے۔

اولٰئک آبائی فجئنی بمثلھم

حضرت مولانا محمد بدیع الزمان صاحب تحریر فرماتے ہیں:

علمی و عملی کمالات کے باوجود حضرت شیخ میں بے حد تواضع و انکساری تھی۔ اپنے اخلاق کریمانہ کی وجہ سے اپنے تلامذہ کے ساتھ اس انداز سے پیش آتے کہ دیکھنے والوں

کو احساس ہوتا کہ یہ تلامذہ نہیں بلکہ رفقاء ہیں۔ عفو و تسامح اور صبر و تحمل کی صفات میں دوسروں کے لئے نمونہ تھے۔ جلال ایسا کہ آنکھ سے آنکھ ملانا مشکل کما قیل:

یدع الجواب فلا یراجع هیبه

والسائلون نوالحس الاذقان

اور جمال و جاذبیت ایسی کہ مجلس سے اٹھنا گراں گذرتا، انہی خوبیوں کی وجہ سے عوام وخواص کے قلوب غیر شعوری طور پر ان کی طرف مائل ہوتے۔ چند دن گذرے کہ مسٹر جسٹس افضل چیمہ صدر اسلامی نظریاتی کونسل حضرت شیخ کی تعزیت کے سلسلہ میں مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن میں تشریف لائے۔ انہوں نے تقریر میں بتایا کہ میں مولانا بنوری کے تبحرِ علمی کے ساتھ ساتھ ان کے وسیع اخلاق سے بے حد متاثر ہوا۔ اس پر چیمہ صاحب نے سنایا کہ کونسل کا اجلاس جب اسلام آباد میں منعقد ہوا تو ایک دن ۔۔۔۔۔۔۔ حضرت مولانا بنوری میرے کمرے میں داخل ہوئے اور دروازے میں کھڑے ہو کر فرمایا کہ بیٹھنے سے قبل دو باتیں کہنا چاہتا ہوں۔

(۱)..... کراچی جب آپ تشریف لائے تھے تو آخری مرتبہ دعوت کے بعد آپ سے ملاقات نہ کر سکا اسکی معذرت چاہتا ہوں

(۲).... میں نے آپ سے کہا تھا کہ اپنے مدرسہ میں آپ کو لے جاؤں گا۔ علالت کیوجہ سے آپ کو مدرسہ نہ دکھا سکا، اس کی معذرت چاہتا ہوں۔

سبحان اللہ کیا تواضع اور کیسے اخلاق عالیہ کا مظہر تھے، جود و کرم اور مروّت میں اپنی نظیر آپ ہی تھے۔

راقم الحروف نے ایک دفعہ درخواست کی کہ حضرت والا رمضان میں ختم قرآن کے موقعہ پر ہماری مسجد میں کچھ بیان فرمائیں۔ بلا تکلف درخواست قبول فرمالی۔ حسب وعدہ تشریف لاکر نہایت موثر وعظ فرمایا۔ واپسی کے لئے بندہ گاڑی کی تلاش میں مسجد سے باہر نکلا۔ ادھر سے حضرت شیخ پیدل روانہ ہو کر نیوٹاؤن پہنچ گئے۔ بندہ کو اس پر بے حد ندامت و شرمندگی ہوئی۔ معذرت کے لئے حاضر ہوا ہو تو خندہ پیشانی سے فرمایا کوئی حرج نہیں پیدل آنے میں زیادہ ثواب ملے گا۔

اولئک آبائی فجئنی بمثلهم

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

مدرسہ کی کچی اینٹیں اور لکڑیاں اٹھانے کا اہتمام

حضرت رحمہ اللہ کے خلیفہ مجاز صوفی محمد اقبال صاحب مہاجر مدنی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں: تکلف اور تصنع کی تواضع اور عرفی جھوٹا وقار سے حضرت اقدس بہت دور ہیں، نہ تو اپنے لیے پسند کرتے ہیں اور نہ ہی اپنے خدام کے لئے، حقیقی تواضع جس کا اوپر ذکر آیا ہے اور حقیقی وقار صفائی معاملات میں اعلیٰ حوصلگی وایثار سخاوغیرہ حضرت کی زندگی میں نمایاں ہیں خصوصاً تواضع اور ایسی تواضع جس کے تواضع ہونے پر حضرت کو التفات بھی نہیں ہوتا۔

حضرت کا معمول تھا کہ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور (جس کے حضرت شیخ الحدیث تھے) میں استنجاء کے ڈھیلوں کے لئے کچی اینٹیں اور حمام گرم کرنے کی لکڑیوں کی گاڑیاں آیا کرتی تھیں۔ حضرت فرماتے تھے کہ میں نے مدرسہ کے دربان سے کہہ رکھا تھا کہ جب اینٹوں اور لکڑیوں کی گاڑی آئے تو اوپر درسگاہ میں مجھے مطلع کردے۔ جب بھی گاڑی کی اطلاع آتی میں گھنٹہ کے ختم پر ایک طالب علم حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب رحمہ اللہ (صدر مدرس) کے پاس یہ کہہ کر بھیج دیتا تھا کہ اینٹیں آئی ہیں میں نیچے جارہا ہوں۔ مولانا مرحوم بھی فوراً پہنچ جاتے۔ اور ہم دونوں کو جاتے دیکھ کر دونوں کے یہاں کی جماعتیں ایسی دوڑتیں کہ ہم سے پہلے وہاں پہنچ جاتے، ہم دونوں کا تو ایک پھیرا بھی مشکل سے آتا تھا۔ (حضرت شیخ کا اتباع اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ص ۶۲)

شیخ القرّ آء حضرت قاری رحیم بخش صاحب رحمہ اللہ کے واقعات

(۱) ''لیکن آج تمہارے سامنے ہاتھ جوڑ رہا ہوں کہ خدارا اس حرکت سے باز آجاؤ!''

آپ کے تلمیذ رشید حضرت قاری محمد عظیم بخش صاحب زید مجدہ فرماتے ہیں:

ڈیرہ غازی خان کا ایک طالب علم ہمارے ساتھ پڑھتا تھا، ناظم مدرسہ نے ایک مرتبہ شکایت کی کہ یہ سینماد یکھتا ہے، اول تو حضرت قاری صاحب کو یقین نہ آیا کہ میرا شاگرد اور سینما بینی؟ مگر ناظم اسے رنگے ہاتھوں ٹکٹ سمیت پکڑ لایا تھا، ٹکٹ دیکھ کر حضرت کو بہت صدمہ ہوا۔ نگران کو حکم دیا کہ اسے اتنے ڈنڈے رسید کرو، کچھ عرصہ بعد وہ طالب علم دوبارہ اس جرم میں پکڑا گیا، پھر ڈنڈے لگوائے اور نگران کو ڈانٹا بھی کہ تمہاری پہلی مار سے اس نے کیوں نہ اثر لیا؟ شاید اخلاص نہ تھا، لیکن کچھ عرصہ گذرنے پر تیسری بار وہ پھر سینماد یکھتے پکڑا گیا، اب مار پٹائی کے بجائے آپ نے یہ کیا کہ دوپہر کو چھٹی ہوئی تو اسے بلاکر پاس بٹھالیا اور ڈیسک پر زور سے ہاتھ مار کر سب کو خاموش کر دیا اور پر درد لہجے میں فرمانے لگے کہ: ''شب و روز جو اس قدر محنت کر رہا ہوں صرف اس لئے کہ قرآن کا نور کسی طرح تمہارے سینے میں آجائے، مگر ایسی حرکتیں دیکھ کر دل کڑھنے لگتا ہے، سینما دنیا کی بدترین جگہ ہے، وہاں کسی قرآن کے طالب کا کیا کام؟۔ پھر اس طالب علم کی طرف متوجہ ہوکر فرمانے لگے: ''دیکھو! جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے آج تک کسی کے سامنے ہاتھ نہیں جوڑے لیکن آج تمہارے سامنے ہاتھ جوڑ رہا ہوں کہ خدارا اس حرکت سے باز آجاؤ''۔ یہ سن کر بے اختیار اس طالب علم کی چیخیں نکل گئیں، دوسرے طلبہ سے بھی یہ منظر دیکھا نہ گیا اور سب بے اختیار رو پڑے۔

حضرت کی وفات کے دس بارہ برس بعد اتفاق سے رائیونڈ اجتماع پر اس ساتھی سے ملاقات ہوگئی، میں نے مزاح کرتے ہوئے پوچھا بھائی سینما بینی کا شوق ابھی ہے یا ختم ہوگیا؟ کتنے دن بعد سینما دیکھتے ہو؟ اس کی آنکھیں اشک بار ہوگئیں اور بولا: ''حضرت قاری صاحب ایسے اساتذہ دنیا میں اب کہاں ملتے ہیں جو ایک ہی نشست میں طالب علم کی کایا پلٹ دیں؟ جس دن قاری صاحب نے اس گنہگار کے

سامنے ہاتھ جوڑے تھے اس دن سے کبھی تہجد فوت نہیں ہوئی، کبھی ڈیڑھ دو پارے اور کبھی تین پارے تہجد میں پڑھتا ہوں اور تم؟ تو سینما پوچھ رہے ہو، اس دن سے کبھی ٹی وی پر بھی میں نے نظر نہیں ڈالی۔ (ماہنامہ جدیدہ الاشرف تلاوت نمبر جلد۲ ص ۳۳۶)

مجھ سے غلطی ہوئی کہ آپ لوگوں سے ناراض ہوا خدارا مجھے معاف کردینا

حضرت کا مزاج تھا کہ میرا کوئی بھی شاگرد تدریس کی جگہ تبدیل نہ کرے بلکہ ایک ہی جگہ بیٹھ کر ساری عمر وہیں گذار دے تب وہ اپنی تدریس میں کامیاب ہوگا۔ چنانچہ قاری محمد رفیق صاحب کرنالوی آف جدہ اور ان کے ہمعصر ساتھی مکہ مکرمہ چلے گئے تدریس کے سلسلہ میں تو حضرت سخت ناراض ہوگئے۔

ایک موقع پر قاری رفیق صاحب سعودیہ سے ملتان تشریف لائے، گھر والوں سے ملکر واپس سعودیہ جارہے تھے، حضرت قاری صاحب سے ڈر کی وجہ سے ملاقات نہ کی، ملتان اسٹیشن پر گاڑی کا انتظار کررہے تھے کہ اچانک حضرت قاری صاحب رکشہ پر سوار ہوکر اسٹیشن پر تشریف لائے اور خلاف معمول اپنے شاگرد قاری رفیق صاحب کو علیحدگی میں ملے اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے کہ ''آپ لوگ مکی ہو اور مقدس سرزمین پہ رہتے ہو ہم سے اچھے ہو، مجھ سے غلطی ہوئی کہ آپ لوگوں سے ناراض ہوا خدارا! مجھے معاف کردینا''۔

حضرت کی اس کیفیت کو دیکھ کر قاری رفیق صاحب بھی خوب روئے اور معافی مانگتے رہے۔ الوداع کرنے والے بھی حیران تھے کہ یہ کیا ماجرا ہوگیا۔

(ایضاً جلد۳ ص ۳۳۸)

تواضع وتأدب

آپکے تلمیذ رشید اور سوانح نگار حضرت قاری محمد طاہر رحیمی صاحب دامت برکاتھم تحریر فرماتے ہیں:

حق تعالیٰ شانہ نے حضرت قاری صاحبؒ کو رعب وجلال کا وافر حصہ عطا فرمایا تھا اس کے باوصف ان کی شان مومنین وقانتین کی تھی اپنے خوردوں کے ساتھ بھی غایت تواضع سے پیش آتے تھے اور بعض اوقات ان کا متواضعانہ برتاؤ ناواقف لوگوں کے لئے حیرت و استعجاب کے موجب ہوتا تھا۔

اپنے شیخ حضرت اقدس مولانا الحاج الحافظ المقری قاری فتح محمد صاحب مدظلہ کے سامنے اس طرح متادب ہوکر بیٹھتے جیسے طالب علم درسگاہ میں استاد کے سامنے بیٹھتا ہے انہیں حضرت قاری صاحب مدظلہ العالی کے سامنے کبھی چارزانو بیٹھتے یا کھل کر بولتے نہیں دیکھا گیا۔ حالانکہ آپ حضرت ممدوح مدظلہ کے محبوب ترین شاگرد اور علم تجوید و قرات میں اپنے وقت کے امام ومجدد تھے ان کی یہی کیفیت دیگر اکابر کے سامنے ہوتی تھی۔

حضرت اقدس مولانا خیر محمد جالندھری سے انہیں نہ شاگردی کا تعلق تھا نہ بیعت وارادت کا لیکن ان کا ادب واحترام اسی طرح کرتے تھے۔ جس طرح ایک مرید اپنے شیخ کا کرتا ہے۔ (دلکش نقش ص ۵۵)۔

مخدوم الملۃ حضرت مفتی محمد حسن صاحب امرتسری رحمۃ اللہ علیہ

میں تمہیں ڈانٹ کر پچھتایا بہت

ایک دفعہ ایک طالب کو کسی کوتاہی پر ڈانٹا اور فرمایا ''تو نے خبیثوں جیسا کام کیا'' یہ بھی نہ فرمایا کہ تو خبیث ہے، پھر شاید یہ خیال فرمایا کہ اس کا قصور نہ تھا، تو اگلے دن بلا کر فرمایا کہ ''میں تمہیں ڈانٹ کر پچھتایا بہت'' عجیب تواضع تھی کسی شیخ کو مرید سے معافی مانگتے بھی بلا کسی نے سنا ہوگا۔ آپ نے اپنے آپ کو بالکل مٹا دیا تھا اور شاید حضرت کی شان فناء اور تنہائی پسندی ہی کی خواہش حق تعالیٰ نے یوں پوری فرمائی کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا وصال کراچی میں ہوا اور بہت جلد نہایت سادگی سے عامۃ المسلمین کے قبرستان میں سپرد خاک کردیا گیا۔

ع زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے

حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ

میں نے دیکھا کہ حضرت رائے پوری بھی طلبہ کی صف میں بیٹھے ہیں

سفر حج کو جانے کے وقت حضرت کے تلامذہ کی درخواست ہوئی کہ مسلسلات اور سورۂ ص کو سنا کر باقاعدہ اجازت وسند عطا فرماویں، چنانچہ حضرت نے منظور کرلیا اور کہا کہ سب لوگ اوپر چل کر بیٹھو میں آتا ہوں، چنانچہ پچیس تیس طلبہ صف باندھ کر بیٹھ گئے۔ حضرت اُوپر چڑھے تو بندہ بھی ساتھ ہولیا کہ اجازت میں شریک ہوگا، وہاں جاکر دیکھا کہ حضرت مولانا رائے پوری بھی طلبہ کی صف میں بیٹھے ہوئے ہیں اور حضرت استاذ کی آمد کا انتظار فرما رہے ہیں کہ جہاں ان طلبہ کو اجازت ملے وہاں مجھے بھی یہ شرف نصیب ہو۔

آہ! کیا کہوں اور کس زبان سے کہوں کہ ان آنکھوں نے کہاں کہاں اور کیسا کیسا موسم بہار دیکھا اور اب وہی آنکھیں چارسو خزاں کا عالم دیکھ رہی ہیں مگر نہ بہار میں کچھ کمایا نہ خزاں میں عبرت پکڑی فالی اللہ المشتکی. انما اشکو بثی وحزنی الی اللہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے دست مبارک سے نالی صاف کی

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ کے استاد محترم شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے پاخانہ کی نالی صاف کرنے کے لئے بھنگی طلب فرمایا اتفاق سے اس وقت بھنگی نہ ملا تو حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دست مبارک سے خود ہی نالی کو صاف کر دیا۔

شاگرد کی خدمت

اسارت کراچی کے زمانے میں مشہور لیڈر مولانا محمد علی صاحب، حضرت شیخ سے تفسیر قرآن کریم پڑھتے تھے۔ اور حضرتؒ کا بے حد احترام فرماتے تھے۔ اسکے باوجود حضرت شیخ میں خدمت خلق کا جو بے پناہ جذبہ تھا۔ اسکا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے۔

مولانا محمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو کثرت بول کا عارضہ تھا۔ جسکی بناء پر آپ نے پیشاب کے لئے برتن اپنے کمرہ میں ہی رکھوالیا تھا۔ یہ برتن اکثر و بیشتر پیشاب سے بھرا رہتا تھا۔ لیکن مولانا محمد علی صاحب جب علی الصبح بیدار ہوتے تو وہ برتن پیشاب سے خالی اور دھلا ہوا صاف ستھرا نظر آتا۔ کافی عرصہ تک یہ معمہ ان کی سمجھ نہ آیا۔ اتفاق سے ایک رات عین اس وقت آنکھ کھل گئی۔ جب کہ حضرت شیخ اس برتن کو صاف کرنے کی غرض سے لئے جا رہے تھے۔ اس وقت معلوم ہوا کہ مخدوم جہاں خادم بنے ہوئے ہیں۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

اپنی اغلاط کی اصلاح کے لئے ''ترجیح الراجح'' کے سلسلہ کا قیام

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
میں نے اپنے اساتذہ کا معمول سنا ہے کہ سبق پڑھانے کے دوران میں اگر کوئی طالب علم ایسا اشکال کرتا جسکا جواب سمجھ میں نہیں آیا تو دوران سبق میں اپنے استاد سے جا کر پوچھ آتے اور آ کر تقریر فرماتے۔ حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے ترجیح الراجح کا سلسلہ اسی لئے قائم کیا ہے کہ جس کو میری تصانیف میں غلطی معلوم ہو مجھے متنبہ کر دے تا کہ مجھے اگر اپنی غلطی کا اطمینان ہو جائے تو اس سے بالا علان رجوع کرلوں چنانچہ مجھ سے جہاں کہیں کوئی لغزش ہوئی ہے اس کا دل کھول کر بہت فراخ دلی سے اقرار کیا ہے اور جہاں مجھے شرح صدر اپنی غلطی کا نہیں ہوا وہاں دوسرے کا قول بھی نقل کر دیا ہے تا کہ جو قول جس کے جی کو لگے وہ اسی کو اختیار کر لے میں نے ہمیشہ یہی کیا کہ خواہ مخواہ اپنی بات کو نبھایا نہیں۔ یہ برکت حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ ویسے تو یہ خصلت اپنے سبھی اکابر میں تھی لیکن جیسا رنگ مولانا (محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ) میں اس صفت کا نمایا تھا اور حضرات میں ایسا نہ تھا، دوران درس میں جہاں کسی مقام پر شرح صدر نہ ہوا، جھٹ اپنے کسی ماتحت درس کے پاس کتاب لئے جا پہنچے۔ اور بے تکلف کہا کہ مولانا! یہ مقام میری سمجھ میں نہیں آیا ذرا اس کی تقریر کو دیکھئے، چنانچہ بعد تقریر کے واپس آ کر طلبہ کے سامنے اس کو دہرا دیتے اور فرماتے کہ مولانا نے

اس مقام کی یہ تقریر کی ہے۔اسی طرح اگر کوئی طالب علم کسی مقام کی مولانا کی تقریر کے معارض تقریر کرتا اور وہ صحیح ہوتی تو اپنی تقریر سے فوراً درس ہی میں رجوع فرما لیتے اور صاف لفظوں میں فرماتے کہ مجھ سے غلطی ہوئی اور صرف ایک بار ہی نہیں بلکہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد رہ رہ کر جوش اٹھتا اور بار بار فرماتے ہاں واقعی مجھ سے غلطی ہوئی۔مولانا کو ایسی باتوں سے ذرا عار نہ آتی تھی، بات یہ ہے کہ جن کی بڑی شان ہوتی ہے وہ کہیں ایسی باتوں سے گھٹتی ہے اگر کسی کی ایک من شان ہو اور اس میں سے ایک تولہ گھٹ جائے تو اس کو اس کمی کی کیا پرواہ ہوگی۔ ہاں جن کی ایک چھٹانک ہی شان ہوگی اس میں سے اگر آدھی چھٹانک جاتی رہی تو اس کے پاس پھر آدھی چھٹانک ہی رہ جاوے گی۔

(افاضات ۲/۹ ص ۴۰۸) (آپ بیتی، جلد۲ ص ۲۳۵)

امیرِ تبلیغ حضرت جی ثالث حضرت مولانا محمد انعام الحسن کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ عجز وانکسار کے حسین پیکر

☆.... آپ کے خادم بھائی نادر صاحب تحریر فرماتے ہیں:

ایک مرتبہ میں حاضر ہوا تنہا بیٹھے ہوئے تھے اور چہرے پر رنج کے آثار تھے۔ بندہ نے خیریت پوچھی تو فرمایا کہ میرے لیے ایک دعا کر دو میں نے پوچھا کہ کونسی دعا ہے فرمایا کہ یہ دعا کر دو، دعوت میری سمجھ میں آ جائے۔اس پر بندہ نے اسی وقت ہاتھ اٹھا کر دعا کی اور حضرت جی نے اس پر آمین کہی۔ پھر بندہ نے کہا کہ حضرت میرے لئے بھی ایک دعا کر دیجئے فرمایا کہ کیا، دعا میں نے کہا میرے لیے یہ دعا کر دیں کہ مجھے بھی دعوت آ جائے اس پر حضرت جی نے دعا فرمائی اور میں نے آمین کہی اور پھر میں نے عرض کیا کہ حضرت دعوت تو ایسا بحر ذخار ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخر تک ربی زدنی علماً کی دعا فرماتے رہے۔اس پر حضرت جی مسکرائے۔

☆.... مدرسہ کاشف العلوم دہلی میں داخل ایک طالبعلم نے جلی ہوئی روٹی لینے سے انکار کر کے وہ روٹی پھینک دی۔ منتظم مطبخ نے حضرت سے شکایت کر دی۔ حضرت جی نے اس لڑکے کو طلب کر کے ایک چپت رسید فرمایا لڑکا واپس ہوا تو دوبارہ اس کو بلایا اور بھرائی ہوئی آواز میں فرمایا ''لڑکے معاف کر دے'' یہ منظر دیکھ کر حضار مجلس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

☆.... جمعرات کو طلبہ کی نشست میں حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ خطاب فرمارہے تھے اچانک حضرت تشریف لے آئے (جو کبھی آیا کرتے تھے) حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بیان روک کر مولانا محمد عبید اللہ صاحب کو فرمایا مولوی انعام آتے ہیں انکو سامنے بلالاؤ۔ مولانا محمد عبید اللہ صاحب نے کھڑے ہوکر فرمایا کہ آپ سامنے تشریف لے آئیں۔ اس پر تواضعاً فرمایا کہ کیا ضرورت ہے مولانا عبید اللہ صاحب نے فرمایا کہ مولانا محمد یوسف صاحب فرمارہے ہیں تو فرمایا ادھر میں کہہ رہا ہوں کیا ضرورت ہے۔ چنانچہ آخر تک وہیں بیٹھے رہے جو طلبہ کا آخری حصہ تھا۔

☆.... مولانا محمد عمر صاحب کی آنکھ میں ایک مرتبہ موتیا اتر آیا صاف نظر نہیں آتا تھا۔ چنانچہ ایک موقع پر انہوں نے حضرت جی کے جوتے اپنے سمجھ کر پہن لیے تو حضرت جی نے نیچے جھک کر مولانا کے جوتے سیدھے کرتے ہوئے فرمایا کہ مولوی عمر تمہارے جوتے یہ ہیں۔

☆.... ایک مرتبہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے کچھ خواص آپ سے ملاقات کے لئے آئے ہوئے تھے بندہ بھی اس موقعہ پر اس مجلس میں موجود تھا۔ حضرت جی نے ان خواص سے کچھ دیر گفتگو فرمائی مجلس ختم ہونے پر جب میں اٹھنے لگا تو فرمایا بھائی نادر بیٹھ جاؤ بندہ بیٹھ گیا تو بہت ٹھنڈا سانس بھر کر فرمایا ''بھائی نادر میرا کیا ہوگا؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت گنگوہی نے اپنے بعض خواص کو لکھا تھا کہ اصل تو دردِ نایافت ہے۔ یہ سن کر رونے لگے یہاں تک کہ آنسوں رخسار پر آگئے پھر فرمایا کہ پیارے یہاں تو اپنا سرمایہ ہی لٹ گیا۔ میں نے عرض کیا کہ اپنے شیخ سے رجوع کیا ہے؟ اس پر فرمایا کہ دس سے گیارہ بجے تک مولانا محمد عمر کے کمرے میں بیٹھتا ہوں اس سے سکون ملتا ہے۔

کمالِ بے نفسی

مدرسہ کاشف العلوم نظام الدین کے طلبہ کا معمول یہ ہے کہ ہفتہ میں بدھ کے دن عصر کی نماز کے بعد کسی ایک جگہ جمع ہوکر اصولوں کا مذاکرہ کرتے اور مہینہ میں ایک مرتبہ حضرت جی کو اپنے یہاں آمد کی دعوت دیتے تھے۔ حضرت جی یا تو خود تشریف لے آتے یا اپنی طرف سے کسی کو تجویز فرمادیتے۔ ایک مرتبہ ۴ جمادی الثانی ۱۳۹۱ھ (۲۸ جولائی

۱۹۷۱ھ) بدھ کے دن طلبہ کا اجتماع چل رہا تھا حضرت جی نے طویل بیان فرمایا، بیان سے فراغت پر مولانا محمد الیاس صاحب بارہ بنکوی نے عرض کیا کہ حضرت دعا فرما دیجئے اس پر جواباً فرمایا کہ آپ حضرات یہ سمجھ رہے ہیں کہ حضرت تشریف لے آئے اور طلبہ میں شور ہو گیا کہ حضرت تشریف لاتے ہیں اور حضرت نے بیان فرما دیا لیکن ان سب باتوں سے حضرت کا نفس پھول کر ایسا ہو جائیگا جیسے مرے ہوئے گدھے کا پیٹ ہوتا ہے۔ پھر مجمع میں موجود مولوی چراغ الدین صاحب راجستھانی سے فرمایا۔ مولوی چراغ الدین دعا کرو ہم آمین کہیں گے یہ الفاظ سن کر مجمع پر عجیب طرح کی خاموشی چھا گئی حضرت جی بھی خاموش بیٹھے رہے کچھ وقت گزرنے کے بعد مولانا الیاس صاحب حافظ نور الدین صاحب مولوی چراغ الدین کے درخواست کرنے پر آپ نے مختصر دعا کرائی۔

شاید انہی کے نیک گمان کی وجہ سے اللہ ہماری بخشش کر دے

اسی طرح ۸ صفر ۱۳۹۳ھ ۱۴ مارچ ۱۹۷۲ء بدھ میں طلبہ کے اجتماع میں مولانا محمد الیاس صاحب بارہ بنکوی بیان فرما رہے تھے حضرت جی کی آمد پر آپ خاموش ہو گئے۔ تو فرمایا کیا فرما رہے تھے فرماؤ ہم کو کیا آتا ہے۔ ہم تو تبرک کے طور پر کچھ فرما دیں گے۔

گجرات کے ایک اجتماع کے اختتام پر بذریعہ کار واپس ہو رہے تھے کہ ریلوے کراسنگ کا گیٹ عین وقت پر بند ہو گیا اور گاڑی رک گئی ایک دو مقامی حضرات بھی اس گاڑی میں موجود تھے کچھ دیر بعد یکے بعد دیگرے لوگ گاڑی کی طرف آنے لگے اور حضرت جی سے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا جو صاحب گاڑی چلا رہے تھے انہوں نے کھڑکی کا شیشہ اوپر کرنا چاہا تو حضرت جی نے ان کو روکتے ہوئے فرمایا کہ بھائی رہنے دو۔ شاید انہی کے نیک گمان کی وجہ سے اللہ ہماری بخشش کر دے اور پھر پر خلوص انداز سے آپ نے سبھوں سے مصافحہ کیا۔

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کے واقعات

تواضع اور سادگی کے پیکر

عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب عارفی رحمہ اللہ آپکے تذکرہ میں تحریر

فرماتے ہیں:

ایک اور واقعہ یاد آیا جس سے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا حضرت حکیم الامت قدس سرہ سے خصوصی تعلق واضح ہوتا ہے، حضرت رحمہ اللہ کے یہاں دو قسم کی مجلسیں ہوتی تھیں، ایک مجلس عام ہوتی تھی ایک مجلس خاص، عام مجلس میں بھی حضرت رحمہ اللہ مخصوص حضرات کو اپنے بائیں جانب بٹھایا کرتے تھے، مفتی صاحب رحمہ اللہ بھی انہی حضرات کے ساتھ تشریف رکھتے تھے، ایک روز مفتی صاحب رحمہ اللہ کو آنے میں کچھ دیر ہوگئی اور جب وہ پہنچے تو مجلس بھر چکی تھی، آگے بیٹھنے کی کوئی گنجائش نہیں تھی مفتی صاحب رحمہ اللہ پیچھے بیٹھ گئے، حضرت رحمہ اللہ سے فرمایا: ''مولوی شفیع یہاں آجاؤ''۔ مفتی صاحب نے اولاً عذر کیا کہ: ''حضرت آرام سے بیٹھا ہوں'' حضرت اس وقت خاموش ہو گئے، لیکن کچھ دیر بعد پھر بہت مسرت کے لہجے میں فرمایا: ''مولوی شفیع! میرا جی چاہتا تھا کہ تم یہاں میرے پاس بیٹھو''۔ چنانچہ جب مفتی صاحب رحمہ اللہ نے حضرت رحمہ اللہ کا اصرار دیکھا تو اٹھ کر آگے تشریف لے گئے۔

اس واقعہ سے احقر نے دو نتیجے نکالے، ایک تو یہ کہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی طرف حضرت کی کس قدر خصوصی توجہ تھی گویا حضرت اُس مجلس میں اصلی مخاطب مفتی صاحب ہی کو سمجھتے تھے۔ اس لیے چاہتے تھے کہ وہ کسی طرح قریب آجائیں، دوسری طرف اس سے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی تواضع کا کمال ظاہر ہوتا ہے۔ انہیں اپنی تواضع کی بناء پر آگے بڑھتے ہوئے شرم آتی تھی کہ میری کیا خصوصیت ہے جو میں اتنے لوگوں سے آگے جا کر بیٹھوں، تمام عمر حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا یہی حال رہا کہ ظاہری و باطنی علوم و کمالات کے جامع ہونے کے باوجود تواضع اور سادگی کے پیکر بنے رہے۔ (البلاغ مفتی اعظم نمبر ۴۰)

مجھے ان کی اس تواضع پر بے حد شرمندگی محسوس ہوئی

یاد آیا کہ ایک مرتبہ دارالعلوم میں ایک مجلس تھی، اساتذہ کرام اور طلبہ حاضر تھے، میں وہاں پہنچا تو فرمائیں گے، یہ اصطلاحی عالم تو نہیں مگر ان شاء اللہ علماء کے کام کی باتیں ارشاد فرمائیں گے'' میں نے عرض کیا کہ ''حضرت ایک شرط ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ یہاں تشریف نہ رکھیں''۔ چنانچہ حضرت مفتی صاحب تشریف لے گئے، اور میں نے

حضرت تھانوی قدس سرہ کی باتیں ہیں۔

موسم گل میں پوچھتے ہو کیا حال تم اس دیوانے کا
جس نے ایک ہی گل کے اندر سارا گلستان دیکھا ہے۔

میں نے دیکھا کے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ بعد میں خاموشی کے ساتھ مجلس میں پیچھے آکر بیٹھ گئے، مجھے ان کی اس تواضع پر بے حد شرمندگی ہوئی (۴۳)

بے تکلف اور سادہ زندگی

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے علوم ظاہری کے ساتھ علوم باطنی کی دولت بھی فراوانی کے ساتھ عطا فرمائیں تھی، علوم باطنی کے بغیر علوم ظاہر ایسے ہیں جیسے روح کے بغیر جسم، اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب کو جسم کے ساتھ اس کی روح بھی عنایت فرمائی تھی، آپ کی زندگی میں علم وعمل کے اعلیٰ معیار پر ہونے کے باجود انتہائی سادگی تھی، آپ ہر کس و ناکس سے خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آتے تھے، آپ کی بے تکلفی اور سادگی کا یہ عالم تھا کہ میں ایک روز آپ سے ملنے گیا تو دیکھا کہ حضرت کمرے میں جھاڑو دے رہے ہیں، میں نے عرض کیا کہ حضرت میں دیدوں؟ فرمایا نہیں! پورے کمرے کو جھاڑو دی، کچھ کچرا اٹھا کر پھینکا، پھر ہاتھ دھو کر مصافحہ کیا اور بے تکلفی سے باتیں شروع کر دیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب کو باعتبار دین و دنیا بڑے مراتب عالیہ عطا فرمائے تھے مگر ان کا اندازِ زندگی اس طرح سادہ اور بے تکلف تھا اور کوئی امتیازی شان معلوم نہ ہوتی تھی، ان کی ساری زندگی (اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈھلی ہوئی تھی، یہی سبب تھا کہ انکی ذات بڑی محبوبیت تھی، ظاہری اور باطنی کمالات کی وجہ سے لوگوں کو صرف عقیدت ہی نہیں بلکہ ایک درجہ کی محبت بھی تھی، ہر طبقہ کے لوگوں میں نہایت ہر دلعزیز تھے، تواضع وانکساری عادت ثانیہ تھی۔ لباس و پوشاک، رہنے سہنے میں نہایت سادگی اور بے تکلفی تھی، میں نے ان کو کبھی قیمتی لباس پہنے نہیں دیکھا، عام طور پر چو گوشہ ٹوپی، کرتا اور اس پر بعض وقت صدری اور شرعی پاجامہ، البتہ جب کبھی کسی تقریب یا مجلس خاص میں جاتے تو عمامہ زیب سر اور عبا زیب تن فرما لیتے تھے، ایک رومال بھی ہاتھ میں رہتا تھا، روزمرہ کے استعمال کی ضروری اشیاء بھی نہایت سادہ اور معمولی حیثیت

کی رہتی تھیں، اپنے ضروری کام خود اپنے ہاتھ سے انجام فرما لیتے تھے بقول کسی شاعر کے

تکلف سے نہیں خالی کوئی بات
مگر ہر بات میں اک سادگی ہے

ایک مرتبہ میں حضرت رحمہ اللہ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ گھر کے اندر سے بلاوا آیا، حضرت رحمۃ اللہ اندر نہیں گئے، پھر بلاوا آیا تو فرمانے لگے کہ بھائی! ہمارے ناشتے کا وقت ہے، پھر ناشتہ وہیں منگوایا اور مجھ سے فرمایا کہ آپ بھی ہمارے ناشتے میں شامل ہو جائیے، ناشتہ آیا تو میں نے دیکھا کہ اس میں تین چار پھلکے تھے، ماش کی دال تھی، پاپے تھے اور چائے، آپ نے تکلف نہیں فرمایا اور یہی سادگی اور بے تکلفی آپ کے ہر انداز زندگی کی جان تھی۔ (۴۸)

میرے پاس کوئی سرمایۂ آخرت نہیں ہے، میں نے عمر بھر کچھ نہیں کیا

جب آپ پر پہلا دل کا دورہ ہوا تو اس وقت میں حضرت بابا نجم الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ عیادت کے لیے گیا، حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ ہم لوگوں کو دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے اور نہایت نحیف اور لرزتی ہوئی آواز میں فرمانے لگے: میرے لیے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ میری مغفرت فرما دیں، میرے پاس کوئی سرمایہ آخرت نہیں ہے، میں نے عمر بھر کچھ نہیں کیا، چند سیاہ لکیریں کھینچی ہیں، اللہ تعالیٰ انہی کو قبول فرما لیں تو ان کی رحمت ہے'' یہ بھی وہی غلبۂ توحید اور اپنی بے مائیگی کا احساس ہے جس کو مقام عبدیت اور فناء الفنا سے تعبیر کرتے ہیں ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔ (۵۰)

حضرت مفتی صاحب کا امتیازی وصف

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

برصغیر میں علوم دینیہ کے سب سے بڑے مرکز **دار العلوم دیوبند** میں ایک طالب علم کی حیثیت سے راقم سطور اب سے قریباً ستاون سال پہلے شوال ۱۳۴۳ھ میں داخل ہوا تھا، اس وقت ہمارے دینی مدارس میں منطق، فلسفہ اور علم کلام وغیرہ ''معقولات'' کا بہت زور تھا، میں ان فنون اور علوم عربیہ کی تعلیم و تحصیل سے فارغ ہو کر

وہاں پہنچا تھا، میرا طالب علمانہ قیام دارالعلوم میں صرف دو سال رہا، پہلے سال مشکوۃ شریف اور ہدایہ آخرین کی جماعت میں شرکت رہی اور دوسرے سال دورۂ حدیث میں۔

ان جماعتوں کے سارے اسباق اس دور کے دارالعلوم کے اکابر اساتذہ (امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی، حضرت مولانا سراج احمد رشیدی، حضرت مولانا رسول خان ہزاروی، حضرت مولانا اعزاز علی امروہوی، حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی رحمہم اللہ تعالیٰ) ہی پڑھاتے تھے اس لیے راقم سطور کو دارالعلوم کے صرف انہی اساتذۂ کبار کے تلمذ کا شرف حاصل ہو سکا۔

اپنی طالب علمی کے اس دور میں بھی کم آمیزی کا گویا مریض تھا (اب بھی یہی حال ہے جو میرے لئے یقیناً مفید سے زیادہ مضر ہے) بہرحال کم آمیزی کی اسی عادت کی وجہ سے دارالعلوم کے اس دور کے ان حضرات اساتذہ سے کوئی خاص تعلق اور رابطہ نہیں رہا جن سے کوئی سبق پڑھنے کی سعادت حاصل نہیں ہوئی، ان اساتذہ میں حضرت مولانا محمد شفیع صاحب بھی تھے جو دارالعلوم کے کم عمر اساتذہ میں اپنے علم اور سیرت وصلاح کے لحاظ سے اس وقت بھی ممتاز سمجھے جاتے تھے۔

ان کا ایک امتیازی وصف جس کا اس زمانے میں بھی قلب پر خاص اثر تھا، تواضع کا غیر معمولی رویہ تھا، جہاں تک یاد ہے جب بھی ان کو دیکھا نگاہ نیچی اور سر جھکا ہی دیکھا، جو طالب علم سامنے آتا، سلام میں سبقت فرماتے، اور اگر طالب علم سلام کرتا تو از راہِ تواضع کسی قدر خمیدہ ہو کر بڑی محبت سے سلام کا جواب دیتے، جب کسی سے مخاطب ہوتے یا کوئی آپ سے مخاطب ہوتا ہمیشہ حسین چہرے پر مسکراہٹ کھلتی۔

دارالعلوم کی مسجد سے متصل ایک بالائی کمرے پر آپ کا تجارتی کتب خانہ تھا (جو غالباً اس زمانہ میں اساذنا حضرت میاں سید اصغر حسین صاحب رحمہ اللہ کی شرکت میں تھا) جب کبھی اپنے لیے یا کسی دوسرے کے لیے کوئی کتاب خریدنے کے واسطے وہاں جانا ہوتا تو مفتی صاحب رحمہ اللہ (جو بہرحال دارالعلوم کے اساتذہ میں تھے) مجھ طالب علم سے اس طرح پیش آتے کہ مجھے بڑی ندامت اور شرمندگی ہوتی، غالباً ہر ایک کے ساتھ

وہ اسی طرح پیش آتے ہونگے (۵۲)

اُن کے اس رویہ سے میں ہمیشہ شرمسار رہتا

دارالعلوم کی رسمی طالب علمی کا دور ختم ہونے کے بعد راقم سطور جہاں بھی رہا، سال میں ایک دو دفعہ دیوبند حاضری کا برابر معمول رہا، ان حاضریوں میں بھی حتی الامکان حضرت مفتی صاحب سے ملاقات کا اہتمام کرتا، وہ ہمیشہ اس طرح پیش آتے کہ گویا میں ان سے چھوٹا نہیں ہوں کم ازکم اقران میں سے ہوں، ان کے اس رویہ سے میں ہمیشہ شرمسار رہتا، دراصل یہ تواضع ہمارے اکابر و اسلاف کا خاص ورثہ تھا اور حضرت مفتی صاحب نے اس سے حصہ وافر پایا تھا۔ عارفین اور حکماء اخلاق کا مشہور مسلمہ ہے کہ تمام محاسن اخلاق کی اصل اور سرچشمہ ''تواضع'' ہے جس طرح تمام مساوی اخلاق کی جڑ اور بنیاد ''کبر'' ہے۔ (ص ۵۵)

خدمت خلق اور بے نفسی کا ایک سبق آموز واقعہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب زیدمجدھم تحریر فرماتے ہیں:

سردیوں کی ایک رات میں والد صاحب رحمہ اللہ بذریعہ ریل تھانہ بھون اسٹیشن پر اترے، برانچ لائن پر ایک چھوٹا سا قصبہ ہے جس کا اسٹیشن بھی بہت چھوٹا اور آبادی سے کافی دور ہے، راستہ میں کھیت اور غیر آباد زمینیں ہیں وہاں اس زمانے میں بھی بجلی تو تھی ہی نہیں رات کے وقت قلی یا سواری ملنے کا بھی امکان نہ تھا کیونکہ اس وقت اکا دکا ہی کوئی مسافر آتا جاتا تھا، گاڑی دو تین منٹ رک کر روانہ ہوگئی اب اسٹیشن پر ہو کا عالم تھا، ہر طرف جنگل، اندھیری رات اور سناٹا، اسٹیشن سے قیام گاہ تک آمدورفت عموماً پیادہ پا ہوتی تھی، والد صاحب رحمہ اللہ تنہا تھے، سامان بھی ساتھ نہ تھا اس لیے کوئی فکر نہ تھی، اچانک آواز آئی ''قلی قلی''! یہ آواز بار بار آرہی تھی اور اب اس میں گھبراہٹ بھی شامل ہوگئی تھی، کوئی صاحب مع اہل وعیال اس گاڑی سے اُترے تھے، قلی نہیں مل رہا تھا جو آبادی تک سامان پہنچادے، یہ والد صاحب رحمہ اللہ کے ایک واقف کار تھے اور عقیدت مندانہ ملتے تھے، والد صاحب رحمہ اللہ سے اپنا بوجھ اٹھوانے پر ہرگز راضی نہ ہوتے یا عمر بھر ندامت

کے بوجھ میں دبے رہتے۔

حضرت والد صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے جلدی سے سر پر رومال لپیٹ کر اوپر سے چادر ڈالی اور مزدورانہ ہیئت میں تیزی سے پہنچ کر کہا ''سامان رکھواؤ کہاں جانا ہے''؟ انھوں نے پتہ مختصراً بتاتے ہوئے میرے سر پر سامان لادنا شروع کر دیا، پہلا بکس ہی اتنا بھاری تھا کہ میں نے کبھی نہ اٹھایا تھا، اس پر دوسرا بکس رکھا، تیسرا عدد میرے ہاتھ اور بغل میں تھمانا چاہتے تھے، میں نے دونوں ہاتھوں بمشکل اس بکسوں کو سنبھالتے ہوئے کہا کہ ''حضور! میں کمزور آدمی ہوں زیادہ نہیں اٹھا سکتا یہ (تیسرا عدد) آپ ہی سنبھال لیں۔

یہ مختصر قافلہ روانہ ہوا، بوجھ سے پاؤں ڈگمگا رہے تھے مگر میری اس کمزوری کو میری ٹارچ نے چھپا لیا تھا جو انھیں راستہ دکھا رہی تھی اور میری طرف متوجہ ہونے کا موقع نہ دیتی تھی، ان کی قیامگاہ پر سامان اتارا وہ یہ کہہ کر ذرا اندر گئے کہ ''ابھی آکر پیسے دیتے ہیں'' میں موقع پا کر وہاں سے غائب ہو گیا، اگلے دن وہ صاحب خانقاہ میں حسب سابق بڑی تعظیم سے ملے، مگر انھیں کیا معلوم وہ ایک ''قلی'' سے مل رہے ہیں (ص ۱۲۰)

ایسا ہی ایک اور واقعہ: آگے لکھتے ہیں

اس موقع پر ایک اور واقعہ بھی سنایا کہ ''میں دیوبند میں ایک دن نماز فجر کے لیے جا رہا تھا، سامنے ایک بہت ہی ضعیف بڑی بی کو دیکھا جو پانی کا گھڑا کنویں سے بھر کر لا رہی تھیں مگر اٹھانا دوبھر ہو رہا تھا، بمشکل چند قدم چل کر بیٹھ جاتی تھیں، مجھ سے دیکھا نہ گیا، پاس جا کر کہا ''لاؤ اماں یہ گھڑا تمہارے گھر پہنچا دوں'' یہ کہہ میں نے گھڑا اٹھا لیا، وہ جولاہوں کے محلہ میں رہتی اور اس برادری سے تعلق رکھتی تھی، جب میں گھڑا بڑی بی کے گھر میں رکھ کر باہر نکلا تو وہ نہایت لجاجت تھی اور الحاح کے ساتھ دعائیں دینے لگیں جو مجھے کافی آگے تک سنائی دیتی رہیں، اگلے دن پھر اس وقت اور اس حال میں ملیں، میں نے پھر گھڑا اٹھا کر ان کے گھر پہنچا دیا، واپس پھر ان کی دعائیں دور تک سنتا رہا، میں یہ سوچ کر کہ یہ سودا سستا ہے کہ چند منٹ کی محنت پر اتنی دعائیں ملتی ہیں، میں نے روز کا یہی معمول بنا لیا، بڑی بی بھی اس کی عادی ہو گئیں، اب میں کنوئیں پر ہی پہنچنے کی کوشش کرتا تھا تاکہ انھیں ڈول کھینچنا نہ پڑے، بحمد اللہ یہ معمول عرصہ دراز تک جاری رہا، یہاں

تک کہ بڑی بی نے آنا ہی چھوڑ دیا، شاید ان کا انتقال ہو گیا تھا'' ۔ پھر فرمایا کہ یہ واقعہ بھی آج پہلی بار تم ہی کو بتا رہا ہوں سبق حاصل کرو۔

اجازت بیعت اور خلافت سے سرفرازی

تھانہ بھون میں چوتھی حاضری ۱۳۴۳ھ یا ۱۳۴۴ھ میں ہوئی تھی اور اب ۱۳۴۹ھ چل رہا تھا، سلوک و تصوف اور عشق و معرفت کی پر پیچ راہوں سے گزرتے گزرتے اب وہ مقام آ گیا تھا جہاں حکیم الامت مجدد ملت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جیسا رہبر و رہنما ہر طرح امتحان کرنے کے بعد مطمئن تھا کہ جس مسافر طریقت نے ان کی انگلی پکڑ کر اپنے سفر کا آغاز کیا تھا، اب وہ راستہ کے تمام نشیب و فراز اور پیچ و خم سے نہ صرف پوری طرح باخبر ہے بلکہ ناواقفوں کی رہبری کے لیے بھی اس پر پورا اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

ربیع الثانی ۱۳۴۹ھ میں اچانک حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کا مکتوب گرامی دیوبند پہنچا جس میں والد ماجد رحمہ اللہ کو تلقین و بیعت تحریر تھی وہ مکتوب گرامی یہاں بعینہٖ نقل کیا جاتا ہے۔

حکیم الامت رحمہ اللہ کا گرامی نامہ ربیع الثانی ۔۔۔۔۔۔۱۳۴۹ھ

''مشفقی مولوی محمد شفیع صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند سلمہ اللہ

السلام علیکم!

بے ساختہ قلب پر وارد ہوا کہ آپ کو مع دوسرے احباب کے بیعت و تلقین کی اجازت ہو، پس توکلاً علی اللہ اس وارد عمل کے کرنے کے لئے آپ کو اطلاع دیتا ہوں کہ اگر کوئی طالب حق آپ سے اس کی درخواست کرے تو قبول کر لیں اس سے متعلم کے ساتھ معلم کو بھی نفع ہوتا ہے، میں بھی دعا کرتا ہوں اور اپنے خاص محبین پر اس کو ظاہر بھی کر لیجئے۔

منفر احتیاط بیرنگ لفافہ بھیجتا ہوں

والسلام

بندہ اشرف علی از تھانہ بھون ربیع الثانی ۱۳۴۹ھ

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ جل شانہ نے حقیقی تواضع وانکسار سے نوازا تھا، ان کے وہم وخیال میں بھی نہ تھا کہ کبھی یہ نوبت بھی آنیوالی ہے کہ حکیم الامت رحمہ اللہ اپنی خلافت سے سرفراز فرمائیں گے، اچانک یہ گرامی نامہ ملا تو حیرت میں رہ گئے اور مرشد تھانوی رحمہ اللہ کو اسی عالم حیرت میں یہ خط لکھا:

حیرت وفنائیت

مکتوب والا نامہ گرامی صادر ہوا، دیکھ کر حیرت میں رہ گیا کہ ناکارہ وآوارہ شفیع اور بیعت وتلقین کی اجازت!

صلاح کار کجا و من خراب کجا

میں تو واللہ باللہ کسی بزرگ سے بیعت ہونے کا سلیقہ بھی نہیں رکھتا، سلوک کے ابتدائی مراحل سے بھی روشناس نہیں، کسی دوسرے کو کیا تلقین کروں گا اور پھر ایسا کون بیوقوف ہوگا جو مجھ سے درخواست بیعت کرے گا، بار بار والا نامہ کو دیکھنا اور اپنی سیہ کاری پر نظر کرتا ہوں تو حیرت کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ مجھ جیسے غفلت شعار سیہ کار کو اتنے بڑے منصب سے نوازنا کہیں اس منصب کی بدنامی کا سبب نہ ہو، اس خیال سے یوں جی چاہتا ہے کہ اس کی اشاعت نہ ہو تو اچھا ہے۔

جواب: ”یہی تو بناء ہے اس اجازت کی کہ آپ اپنے کو ایسا سمجھتے ہیں“۔

مکتوب: ”اس والا نامہ کے بعد سے ہر قدم پر اپنی ناکارگی کا مزید احساس ہونے لگا“۔

جواب: ”ان شاء اللہ بہت نفع ہوگا“۔

مکتوب: ”دعا وہمت سے دستگیری کی احتیاج بھی اور زیادہ محسوس ہونے لگی“۔

جواب: ”میں حاضر ہوں“۔

مکتوب: ”یہاں تو ہنوز روزِ اوّل ہے“۔

جواب: نہایت کی تفسیر عود الی البدایہ ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ یہ ”روزِ اوّل“ وہی ہدایت ہے۔

☆ اسی سلسلہ کا ایک اور مکتوب

یکم جمادی الثانیہ ۱۳۴۹ھ

مکتوب: ”جب سے حضرت والا نے خطاب خاص سے معزز فرمایا ہے میری سست اور کمزور طبیعت کے لئے ایک تازیانہ ہوگیا ہے کسی وقت اس کا تصور ذہن سے نہیں جاتا کہ

مجھ جیسا ناکارہ آوارہ، طریق سے ناآشنا اور بزرگوں کی یہ عنایات کہیں مجھ پر حجت نہ ہوں، بالخصوص جب سے دیوبند میں غیر اختیاری طور پر اس کا چرچا ہوا ہے ہر وقت اس سے ڈرتا ہوں کہ لوگ مجھے دیکھ کر میرے بزرگوں کو بدنام کریں گے۔ اس کا الحمد للہ اتنا فائدہ بھی ہوا کہ گناہوں سے بچنے کی کچھ ہمت بڑھ گئی اور نماز میں کچھ من جانب اللہ تعالیٰ حضور کی ایک کیفیت پیدا ہونے لگی جو پہلے نہیں تھی بلکہ پہلے یہ کیفیت گاہ گاہ ہوتی تھی اور اب الحمد للہ اکثر رہنے لگی''۔

جواب: ''مجھ کو یہی امید تھی''۔

☆ مکتوب۔۔۔۹ رمضان المبارک ۱۳۵۰ھ

مکتوب: ''بارگاہ سامی میں حاضر ہو کر حضرت کی جوتیوں کے طفیل سے الحمد للہ یہ تو ہوا کہ ''غرور'' سے ایک گونہ نجات ہوئی اور اپنے کچھ معائب گویا متمثل ہو کر شرمندہ مثل زنگی آئینہ دیدہ ہوں کی کیفیت پیدا ہو گئی اور یہ اچھی طرح واضح ہو گیا کہ تمام اہل خانقاہ میں سب سے زیادہ ناکارہ آوارہ بدنام کنندہ خانقاہ میں ہی ہوں، کئی روز سے حزن کی کیفیت و حسرت بڑھ رہی ہے کہ جب آفتاب ہدایت کا مواجہہ میں بھی میری تاریکی کا یہ حال ہے تو آئندہ کیا ہوگا''۔

جواب: ''یہ استدلال متکلم فیہ ہے، یہ ایسا استدلال ہے کہ ستارہ کہے کہ جب آفتاب کے سامنے بے نور ہوں تو شب کو کس قدر بے نور ہوں گا، بعض اوقات بعض احوال کا ظہور قریب میں نہیں ہوتا بعد میں ہوتا ہے اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ ان فکروں ہی میں نہ پڑنا چاہیے جو ہو سکے کرتا رہے نہ ہو سکے نادم رہے''۔

☆ مکتوب:

شراب لعل و جائے امن و یا مہربان ساقی
دلا کئے بہ شود کارت اگر اکنوں نخواہد شد

حضرت کے سب خدام اپنے اپنے کام میں ہیں اور رفیع حالات میں، اور اس ناکارہ کا کام صرف یہ ہے کہ کام کرنے والوں کو دیکھتا اور غبطہ کرتا ہے، وقت کچھ ایسا تنگ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی کام نہیں ہوتا اور ایام عمر گزرتے جاتے ہیں، نیند کی کثرت نے اور بھی تباہ کر دیا، اب بجز اس کے کہ حضرت والا سے استغاثہ کروں عالم اسباب میں کیا چارہ ہے''۔

جواب: ''سب کا جواب معروض ہو چکا ہے''۔

☆ مکتوب: ازاں رحمت کہ وقف عام کردی ، جہاں را دعوت انعام کردی
نمی دانم چرا محروم ماندم ، رہین ایں چنیں مقسوم ماند

جواب: جب ''نمی نادانم'' ہے پھر فکر ہی نہیں، مصیب تو ''می دانم'' میں ہے

☆ مکتوب: ''امید ہے کہ اس نالائق خادم کی خاص طور سے دستگیری فرمائی جائیں کہ

جواب: ''مطمئن رہنا چاہیے کہ بعض ترقی اطمینان مستحق کرامت گنہگار امتند ہی پر موقوف ہے''۔

استعفاء کی خواہش اور خشیت وتواضع

آپ کے فتاویٰ اور فقہی تحقیقات کو اس زمانہ کے فقہاء ارباب فتویٰ اور آپ کے بزرگوں نے جس انداز میں سراہا اور دل کھول کر داد اور دعائیں دیں، اس کی تفصیلات بہت ہیں جن کا یہ موقع نہیں مگر حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کی خشیت اور تواضع کا یہ عالم تھا کہ ہر وقت اس فکر سے پریشان رہتے تھے کہ کسی فتوے میں غلطی نہ ہو جائے، چنانچہ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ علیہ کے نام ایک خط (مورخہ ۱۴ ارمضان ۱۳۵۰ھ) میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

''اس وقت فتویٰ لکھنا ایک پہاڑ معلوم ہوتا ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام میرے بس کا نہیں، اس لیے حیران ہوں کہ کیا کروں، کیا یہ درخواست کروں کہ مدرسہ والے مجھے اس سے معافی دیں اور پھر درس میں لے لیا جائے؟ کیونکہ وہاں غلطیاں چل نہیں سکتیں شاید دیانۃً میرے لیے بہ نسبت اس کام کے وہ کام زیادہ اچھا ہو''؟

مرشد تھانوی رحمہ اللہ نے تسلی دی کہ!

''جب اللہ تعالیٰ نے خشیت کا یہ غلبہ دیا ہے تو اعانت بھی ہوگی جیسا احادیث میں وعدہ ہے، اگر مدّتِ معتد بہا کے بعد اس کی ضرورت محسوس ہوگی بعد میں مشورہ ہر وقت ممکن ہے''۔

اپنے مرشد اور بزرگوں کی ایسی ہی تسلیوں اور ہدایات کی بنا پر آپ اس کام میں لگے رہے مگر یہ سمجھنے کے لیے آپ کسی طرح تیار نہ تھے کہ اس کام کی اہلیت بھی میرے اندر ہے، اسی خشیت وتواضع کا غلبہ تھا جس نے مقدمہ ''امداد المفتین'' میں آپ سے یہ

لکھوادیا ہے کہ:

''میں اپنی علمی بے بضاعتی سے بے خبر تو نہ تھا مگر یہ حقیقت ہے کہ اس کام کے لیے علم کے جس پایہ ومنزلت کی ضرورت تھی اس سے پورا واقف بھی نہ تھا؟ تعلیمی خدمتوں کی طرح حضرت اساتذہ اور بالخصوص سیدی و استاذی حکیم الامت مجدّد الملّت حضرت تھانوی قدس سرہ کی امداد و اعانت کے بھروسہ اس بار کو سر پر اٹھالیا، کئی سال تک کام کرنے کے بعد اس علم تک رسائی ہوئی کہ یہ کام مجھ جیسے بے بضاعت و بے لیاقت لوگوں کا نہیں''۔

سمجھے اتنا کہ کچھ نہ سمجھے ہائے
سو بھی ایک وعمر میں ہوا معلوم

(۱۷۱ھ)

حقیقت علم

شیخ الاسلام حضرت اقدس مفتی محمد عثمانی صاحب زید مجدھم تحریر فرماتے ہیں!

گزشتہ صفحات میں حضرت والد صاحبؒ کے علمی مذاق اور علم دوستی کے بارے میں بہت سی باتیں تفصیل سے لکھ چکا ہوں جن سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپ کی شخصیت بنیادی طور پر ایک علمی شخصیت تھی، آپ کی ساری عمر درس وتدریس اور تصنیف وافتاء جیسے کاموں میں بسر ہوئی، کتب بینی کے شوق اور ذوقِ مطالعہ کے بارے میں بھی پیچھے لکھ چکا ہوں کہ اس دور میں اس کی نظریں کم ہی ملیں گیں، لیکن اس زبردست علمی انہماک کے باوجود یہ ہر آن آپ کے ذہن میں مستحضر رہتی تھی کہ یہ کتابی علم اور وسعتِ مطالعہ محض ایک خول ہی خول ہے اور جب تک اس میں عمل اور خشیت اللہ کی روح پیدا نہ ہو اس وقت تک انسان خواہ کتنا بڑا عالم اور محقق بن جائے، اس کی ساری علمی تحقیقات بے وزن اور بے جان رہتی ہیں۔

حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ اگر صرف علم کسی شخص کی عظمت کے لیے کافی ہوتا تو شیطان بھی بڑا عالم ہے اور وہ مستشرقین جو دن رات علمی تحقیقات میں مصروف رہتے ہیں وہ بھی بہت سے مسلمان اہل علم سے زیادہ معلومات رکھتے ہیں، لیکن ظاہر ہے کہ ایسے علم

کی کیا قدر و قیمت ہو سکتی ہے جو انسان کو ایمان کی دولت نہ بخش سکے، اسی طرح جو علم انسان کی علمی زندگی پر اثر انداز نہ ہو وہ بے کار ہے۔

کہنے کو تو یہ بات سبھی کہتے ہیں کہ عمل کے بغیر علم بیکار ہے لیکن ایسے لوگ کم ہوتے ہیں جن کی زندگی میں یہ بات پیوست ہو چکی ہو، حضرت والد صاحبؒ کی اداءاداء میں یہ حقیقت جلوہ گر نظر آتی تھی، علم و تحقیق کے کام سے اس درجہ وابستگی کے باوجود آپ کو اس علم و تحقیق سے نفرت تھی جو انانیت اور خود بینی پیدا کرے۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ لوگ مدرسہ میں پڑھانے کیلئے مشاہیر محققین تلاش کرتے ہیں، لیکن مجھے ایسے متواضع اللہ والے چاہییں جو علمی تکبر، خودرائی، خود پسندی سے پاک ہوں اور اپنے شاگرد کو مسلمان بنا سکیں خواہ علم و تحقیق میں ان کا پایہ کسی قدر کم کیوں نہ ہو۔

خود آپ کا یہ حال تھا کہ علم و تحقیق کے اس مقام بلند کے باوجود جو اس دور میں خال خال ہی کسی کو حاصل ہوا ہے، آپ کو اپنے کسی علمی کارنامے پر کوئی ناز پیدا ہونے کا تو سوال ہی نہیں تھا، اپنی بڑی سے بڑی خدمت کی ہیچ سمجھتے رہے، انسان کو عام طور سے اپنی تحریروں اور اپنے لکھے ہوئے مضامین سے ایک اُنس پیدا ہو جاتا ہے، چنانچہ مصنفین میں عام طور پر یہ شوق پایا جاتا ہے کہ ان کی تالیفات کا تذکرہ کیا جائے، انہیں سراہا جائے، چنانچہ مصنفین کی محفلیں اپنی تصانیف ہی کے ذکر اور انکی تعریفوں سے لبریز ہوتی ہیں، بعض لوگ جابجا اپنی تالیفات کے حوالے دیکر اُن کے اقتباسات لوگوں کو سناتے رہتے ہیں، کبھی کسی میں یہ خیال پیدا ہو جاتا ہے کہ کرنے کا اصل کام وُہی تھا جو اس نے انجام دے دیا۔ حضرت والد صاحبؒ قدس سرہ کے یہاں اس قسم کی باتوں کا نہ صرف یہ کہ کوئی سوال نہ تھا بلکہ آپ کو اس قسم کے ہر طرزِ عمل سے سخت کراہیت تھی۔ آپ بڑے سے بڑا تالیفی کام کر گزرنے کے باوجود اسی فکر میں رہتے کہ نہ جانے اس کا حق ادا ہوا یا نہیں؟ محض لوگوں کی تعریف سے آپ کو خوشی حاصل نہ ہوتی، ہاں! اگر کسی جگہ سے یہ اطلاع ملتی کہ فلاں کتاب سے فلاں شخص کو کوئی عملی فائدہ پہنچا ہے، اس کی زندگی میں تبدیلی آئی ہے، یا اس کے نظریات بدلے ہیں تو آپ بہت خوش ہوتے، اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے اور اس خدمت کے لیے اللہ کی بارگاہ میں قبولیت کی دعا فرماتے۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اگر ہم خیال لوگوں سے کچھ داد وصول ہو گئی تو کیا فائدہ؟ اصل دیکھنے کی چیز

یہ ہے کہ جس مقصد کے لیے کتاب لکھی گئی تھی اس سے فائدہ پہنچایا نہیں؟

''تفسیر معارف القرآن'' کی شکل میں آپ نے جو عظیم علمی کارنامہ انجام دیا، آج بفضلہٖ تعالیٰ وہ ایک دنیا کو سیراب کررہا ہے اور عام مسلمانوں سے لے کر علماء تک سب اس سے فیض یاب ہورہے ہیں، لیکن جب کوئی شخص آپ کے سامنے اس تفسیر کی تعریف کرتا تو یہی فرمایا کرتے کہ:

''تفسیر لکھنے کا تو میں تصور بھی نہیں کرسکتا تھا، البتہ میں نے حکیم الامّت حضرت تھانوی قدس سرہ کی ''تفسیر بیان القرآن'' کو نسبتاً آسان انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے، علماء کرام کے لیے تو شاید اس میں فائدے کی چیزیں زیادہ نہ ہوں، البتہ میں نے عام مسلمانوں کے لیے یہ کتاب لکھی ہے، خدا کرے کہ اس سے کچھ فائدہ پہنچ جائے۔''

لوگ تو عام طور پر دوسروں سے اخذ کی ہوئی باتیں اپنی طرف منسوب کرنے کی کوشش میں رہتے، حضرت والد صاحبؒ کا معاملہ یہ تھا کہ باوجودیکہ ''معارف القرآن'' میں وقت کی ضرورت کے بے شمار ایسے مسائل ومباحث موجود ہیں جو ''بیان القرآن اور'' اور دوسری تفسیروں کے مباحث سے زائد ہیں، لیکن وہ ہمیشہ یہی فرمایا کرتے کہ اس کتاب میں، میں نے کام کیا کیا ہے؟ بس ''بیان القرآن'' اور بعض دیگر تفاسیر کی تسہیل کرکے انہیں نسبتہً عام فہم انداز میں بیان کردیا ہے۔''

اور یہ محض زبانی باتیں نہ تھیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم کا حقیقی ثمرہ یعنی تواضع کا وہ مقام بلند عطا فرمایا تھا کہ اپنے نفس یا اپنے کسی کام پر آپ کی تعریفی نگاہ پڑتی ہی نہیں تھی، اور بڑے سے بڑا کارنامہ انجام دینے کے بعد خود پسندی کا کوئی شائبہ پیدا ہونے کے بجائے آپ کے بے نفسی میں اور اضافہ ہوجاتا تھا۔

بعض علماء اور مصنّفین کو تفرد کا شوق ہوتا ہے، اور جو کوئی تحقیقی یا علمی نکتہ از خود ان کے ذہن میں آگیا ہو، اُسے وہ اپنی طرف منسوب کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں، اور اسے بیان کرتے وقت یہ کہنے میں لطف آتا ہے کہ ''یہ بات مجھے کہیں بھی نہیں ملی''، لیکن حضرتؒ کا معمول اس کے برعکس یہ تھا کہ اگر از خود کوئی تحقیق یا نکتہ ذہن میں آتا تو اس تلاش میں رہتے کہ علماءِ متقدّمین سے کسی کے یہاں وہ منقول مل جائے، اور اگر وہ منقول مل جاتا تو

بے حد مسرور ہوتے اور اسے اپنی طرف منسوب کرنے کے بجائے اسی کی کتاب یا عالم کی طرف منسوب فرماتے جن کے کلام میں وہ ملا ہوا اور فرمایا کرتے تھے کہ "تفرّد سے مجھے بڑا ڈر لگتا ہے"۔ اگر کوئی شخص آپ کی کسی تحریر و تقریر کے بارے میں آپ کو متنبہ کرتا کہ اس میں فلاں فلاں بات غلط یا نامناسب درج ہوگئی ہے، تو قطع نظر اس سے کہ وہ چھوٹا ہے یا بڑا، اس کے ممنون ہوتے، اور بات سمجھ میں آجاتی تو فوراً بلا تامّل اس میں تبدیلی فرمادیتے، بلکہ انداز سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ کسی کے اعتراض کو بالکلیہ رد نہ کرنا پڑے، اس غرض کے لیے آپ نے حکیم الامّت حضرت تھانوی قدس سرہ کی اتباع میں اپنے رسالہ ماہنامہ "المفتی" میں ایک مستقل سلسلہ "اختیار الصّواب" کے نام سے جاری فرمایا ہوا تھا۔

پھر اگر آپ اپنے کسی کام یا تالیف و تصنیف کے علمی معیار کے بارے میں مطمئن بھی ہوجاتے تو یہ حقیقت ہر آن مستحضر رہتی کہ اس کام کی اچھائی برائی کا اصل مدار اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول ہونے پر ہے، اگر یہ اس بارگاہ میں قبول ہے تو سب کچھ ہے اور خدانخواستہ قبول نہ ہو تو یہ ساری علمی محنت اور تحقیقی کاوش دو کوڑی کی نہیں ہے۔

آخر عمر میں آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ "میری ساری عمر کاغذ کالے کرنے میں گزر گئی، تھانہ بھون حاضری ہوئی تو شیخؒ نے وہاں بھی کاغذ کالا کرنے ہی کے کام میں لگا دیا، اگر اس میں کوئی حرف اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول ہوجائے تو بیڑا پار ہے، ورنہ اپنے سارے اعمال ہیچ در ہیچ معلوم ہوتے ہیں"۔ اور یہ فرما کر آپ اکثر بڑے سوز کے ساتھ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہ کا یہ شعر پڑھا کرتے تھے کہ

بس ہے اپنے ایک ہی اگر پہنچے وہاں
یوں تو کرتے ہیں بہت سے نالہ اگر و فریاد ہم

تواضع وفنائیت

اللہ تعالیٰ نے حضرت والد صاحبؒ کو تواضع کا جو کمال عطا فرمایا تھا، وہ یہی تھا کہ علم و فضل کے دریا سینے میں جذب کرلینے کے باوجود انہیں اس بات کا ہر وقت یقین اور استحضار تھا کہ میں کسی رفعت و تعظیم کا ہرگز اہل نہیں۔

صرف ایک واقعہ مثالاً پیش کرتا ہوں۔ ساری عمر آپ کا معاملہ یہ رہا کہ ملاقاتیوں کے لئے کوئی خاص وقت مقرر نہیں فرمایا۔ بلکہ جب کوئی آ گیا، خواہ کتنے ہی ضروری کام میں مشغول ہوں، اس سے ملاقات فرمائی۔ اس طرزِ عمل کے نتیجے میں آپ کو سخت دشواری اٹھانی پڑتی تھی۔ بعض اوقات تصنیف و تالیف کے وقت لوگ پہنچ جاتے اور کام میں رکاوٹ پڑ جاتی اور بعض مرتبہ کسی دوسرے اہم کام میں مشغول ہوتے اور کوئی شخص اپنی معمولی سی ضرورت لیکر آ جاتا تو اس کی ضرورت پوری فرمانے کی وجہ سے وہ اہم کام رک جاتا، ہم لوگوں نے بارہا عرض کیا کہ ملاقات کے لیے ایک وقت مخصوص فرما دیں تاکہ جس کسی کو ملنا ہو اسی وقت آ کر مل لیا کرے اور بے وقت پریشانی نہ ہو۔ لیکن آپ ہمیشہ اس بات کو ٹال جاتے تھے، جب ہمارا اصرار بہت بڑھا تو ملاقات کا وقت تو مقرر فرما دیا، لیکن اگر کوئی شخص دوسرے وقت آ جاتا تو ملاقات سے انکار پھر بھی نہ فرماتے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وقت کا وہ تعین نتیجہ خیز نہ ہو سکا، جب تک لوگوں کے بے وقت آنے کا سلسلہ بڑھتا ہی چلا گیا تو ہم نے پھر کہنا شروع کیا کہ جب تک آپ لوگوں کے بے وقت ملاقات سے انکار نہ فرمائیں گے، اس وقت تک تعین وقت کا خاطر خواہ نتیجہ ظاہر نہ ہوگا، ہماری اس بات کے جواب میں آپ ہمیشہ طرح دے جاتے اور اپنے طرز عمل کی کوئی خاص وجہ بھی بیان نہ فرماتے۔

آخر ایک روز میں نے اپنی حماقت سے یہ عرض کر دیا کہ ''ابا جی! حضرت تھانوی قدس سرہ کے یہاں تو ہر چیز کا نظام الاوقات مقرر تھا اور کسی کو اس کی مخالفت کی اجازت نہ تھی''۔

احقر کی اس بات پر حضرت والد صاحب رحمہ اللہ اُس روز پہلی بار کُھلے اور فرمایا!

''ارے بھائی، حضرت رحمہ اللہ کے مقام و منصب کی ہوس کروں تو مجھ سے زیادہ احمق کون ہوگا؟ حضرت رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے جو مقام عطا فرمایا تھا اس کی بنا پر انہیں حق پہنچتا تھا کہ وہ لوگوں کو اپنے نظام الاوقات کا تابع بنائیں، انہیں جو عظیم دینی کاموں کے لیے اللہ نے پیدا فرمایا تھا وہ اس کے بغیر کیسے انجام پا سکتے تھے، اس کے علاوہ لوگوں کو ان سے انمول فائدہ پہنچتا تھا، اس لیے اگر اس فائدے کے حصول کے لیے انہیں کچھ مشقت اٹھانی پڑے تو کچھ حرج نہ تھا، لیکن میں کیا ہوں؟ اور میرا مقام کیا ہے؟ میں خلقِ خدا

کوکس بنیاد پر آنے سے روکوں؟ میں نے وقت تو تمہارے کہنے سے مقرر کردیا ہے تاکہ سہولت ہوجائے، لیکن جو شخص محنت اٹھا کر پہنچ ہی گیا اسے واپس کرنے کا نہ مجھے حق ہے، نہ میرے بس کی بات ہے،،۔

اس روز پہلی بار اس طرز عمل کی اصل وجہ معلوم ہوئی اور اندازہ ہوا کہ وہ اپنے آپ کو کیا سمجھتے ہیں؟ میری عقل حیران تھی کہ جس شخص نے خدمت دین کا اتنا ہمہ گیر کام انجام دیا ہو اور جس کا صبح وشام لوگوں کو فائدہ پہنچانے کے سوا کوئی دوسرا مشغلہ نہ ہو، اسے نہ یہ معلوم ہے کہ وہ کیا ہے؟ اور نہ اس بات کا اندازہ ہے کہ اس کی ذات سے خلقِ خدا کو کیا فائدہ پہنچ رہا ہے؟ آپ کے ان جملوں کو محض زبانی بات بھی نہیں کہا جاسکتا کیونکہ اول تو وہاں غلط بیانی کا شائبہ بھی امکان سے باہر تھا اور دوسرے یہ بات تنہائی میں اپنے بیٹے سے کہی جارہی ہے جہاں تواضع کے رسمی مظاہرے کا کوئی سوال نہیں ۔۔ لہٰذا سوائے اس کے کیا کہا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو

اللھم اجعلنی فی عینی صغیرا وفی اعین الناس کبیرا

اومن تواضع للہ رفعہ اللہ کا مثالی مظاہر بنادیا تھا

یہ خود مسافر ہیں ان کو زحمت دینا مناسب نہیں

استاد محترم شیخ الحدیث حضرت مولانا سبحان محمود صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:
حاجی محی الدین صاحب جو نہایت وضع دار بزرگوں میں سے ہیں اور حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ سے خاص تعلق رکھنے والے ہیں راوی ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت رحمۃ اللہ کے ساتھ سفر عمرہ میں ساتھ رہنے کی سعادت حاصل ہوئی، میرے ساتھ میرے دونو جوان بچے بھی تھے جہاز میں حضرت رحمہ اللہ کی سیٹ اوپر اور ہماری سیٹ نیچے تھی، فرماتے ہیں کہ معمولی معمولی کام کے لیے اوپر سے خود نیچے اتر کر آتے لیکن کسی سے کسی ادنیٰ کام کو بھی نہیں فرمایا، ہم نے عرض کیا کہ حضرت! یہ بچے ہیں آپ کا کام کرنے میں خوش ہوتے ہیں تو نہایت انکساری سے فرمایا کہ یہ خود مسافر ہیں ان کو زحمت دینا مناسب نہیں۔

حضرت مفتی صاحب کا اپنے بعض ہم عصروں کے ساتھ معاملہ

حضرت مفتی صاحبؒ کا معاملہ دوسرے بزرگوں کے ساتھ بھی ایسا ہی عظمت و احترام کا تھا اگرچہ وہ ضابطہ میں آپ کے استاذ یا شیخ نہ ہوں، بلکہ بعض ہم عصروں کے ساتھ ایسا ہی معاملہ فرماتے تھے۔ حضرت سید سلیمان صاحب ندوی رحمہ اللہ، حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی رحمہ اللہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کامل پوری، حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسری رحمہ اللہ، حضرت مولانا شیر علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ، حضرت مولانا عبدالغفور صاحب مدنی رحمہ اللہ، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمہما اللہ اور عارف باللہ سیدی حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب اطال اللہبقاء وغیرہ کے ساتھ ہم نے آپ کو ایسا معاملہ کرتے دیکھا جیسا اساتذہ و مشائخ کے ساتھ کیا جاتا ہے، ان حضرات کی خدمت میں جانے کا اہتمام، پھر ان کو دارالعلوم میں بلانے کی درخواست حضرت رحمہ اللہ کا معمول تھا، حالانکہ ان میں سے اکثر آپ کے پیر بھائی اور بعض تو عمر میں چھوٹے تھے اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی حیات میں ان سے بے تکلفانہ مراسم تھے۔

۱۳۷۶ھ میں دارالعلوم میں ایک مختصر سا جلسہ ہوا، حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمہ اللہ اور علامہ سید سلیمان ندوی صاحب رحمہ اللہ بھی تشریف لائے، فراغت کے بعد جلسہ گاہ میں ہی کسی مسئلہ کی تحقیق میں حضرت سید صاحب رحمہ اللہ نے ''شامی'' طلب کر کے مطالعہ شروع فرما دیا، حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ ان کے سامنے اس طرح دوزانو بیٹھے تھے جیسے شاگرد استاد کے سامنے، ایک صاحب نے حضرت مفتی صاحب کو دوسری طرف بلانا چاہا تو حضرت نے سیدھا صاحب کے طرف اشارہ کیا، جس کا انداز یہ تھا کہ سید صاحب کی اجازت کے بغیر میں کیسے اٹھ جاؤں؟ اس طرح ۱۳۸۳ھ میں استاد محترم محدث کامل فقیہ اعظم حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کامل پوری رحمہ اللہ دارالعلوم میں تشریف لائے تو حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ ان کے ساتھ شاگردوں جیسا معاملہ فرماتے تھے۔

مفت میں کچھ کاغذ کالے کر لیتا ہوں اور کیا کام ہے؟

آپکے خلفیہ مجاز حضرت مفتی عبدالحکیم صاحب سکھروی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:
روہڑی سے اسٹیشن پر جارہے تھے، ایک شخص ساتھ ساتھ چلنے لگا اس نے حضرت سے کہا تم کیا کام کرتے ہو؟ فرمایا ''جس کام کی آجکل کوئی قدر و قیمت نہیں'' وہ نہیں سمجھا، پھر اس نے پوچھا تو فرمایا۔
''مفت میں کچھ کاغذ کالے کر لیتا ہوں اور کیا کام ہے۔'' اسٹیشن آیا سامان آپ کا میرے پاس تھا، میں نے پلیٹ فارم نہیں لیا تھا، پل پر میں نے عرض کیا تو سامان لیکر خود ہی ریل گاڑی میں جا کر سوار ہو گئے مسئلہ کی بات تھی۔ تواضع تو حضرت رحمہ اللہ سے از حد ٹپکتی تھی، ہر کام میں تواضع کے مظہر اتم تھے۔ اللهم افض علينا.

حضرت کی شان وتواضع

آپکے خلیفہ مجاز حضرت مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی دامت برکاتھم آپکے مفصل تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں:
حدیث شریف میں ہے من تواضع لله رفعه الله (اوکما قال) یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بلند کر دیتے ہیں۔ اس حدیث میں تواضع اور اس کا ثمرہ بیان کیا گیا ہے۔ تواضع کا حاصل یہ ہے کہ بالقصد اپنے آپ کو سب سے کمتر سمجھے اور دوسروں کو فی الحال یا فی المآل اپنے سے بہتر سمجھے، اس کا ثمرہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو بلند مرتبہ اور اونچا مقام عطا فرمائینگے۔
یہ وصف حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ذات اقدس میں علیٰ وجہ الکمال موجود تھا، حضرت والا اپنے کو ایسا مٹائے اور فنا کئے ہوئے تھے کہ بالکل لاشئی محض سمجھتے تھے، ھئیت، وضع قطع، چال ڈھال قول وفعل اور تقریر تحریر سب سے یہ وصف نمایاں ہوتا تھا۔

چارپائی پر بیٹھنا گوارہ نہ فرماتے

آخر عمر میں اکثر چارپائی پر آرام فرما ہوتے اور اکثر اسی پر بیٹھ کر عوام وخواص کو مستفید فرماتے لیکن جمعرات کو اساتذہ کی خصوصی اصلاحی مجلس ہوتی، اسمیں باوجود ضعف و

نقاہت اور سخت علالت کے چارپائی سے نیچے فرش پر تشریف فرما ہوتے اور پھر بار بار فرماتے کہ مجھے آپ حضرات کے سامنے اوپر بیٹھتے ہوئے شرم آتی ہے، تمام اساتذہ کرام اوپر ہی آرام فرمانے پر اصرار شدید فرماتے مگر حضرت اس کو گوارہ نہ فرماتے حتیٰ کہ سب حضرت کے نیچے بیٹھنے سے دلگیر ہوتے، اگر حالت بہت خراب ہوتی اور نیچے آنے کی سکت نہ ہوتی تو چارپائی پر تشریف رکھتے ہوئے بار بار عذر فرماتے رہتے اور اساتذہ کے ساتھ بڑے ہی احترام سے پیش آتے اور اتوار کو جو مجلس عام ہوتی اس میں بھی حضرت چارپائی پر بیٹھنے کا عذر بار بار فرماتے کہ میں اپنی علالت اور ضعف کی وجہ سے لاچار ہوں ورنہ آپ حضرات سے بلند ہو کر بیٹھنے کو دل بالکل گوارا نہیں کرتا اور کئی بار تو یہاں تک فرماتے ہوئے سنا کہ ''میں آپ سب حضرات کو اپنے سے بہتر سمجھتا ہوں اور آپ حضرات کو آنے سے نفع ہو یا نہ ہو مگر میں باطن میں ضرور نفع محسوس کرتا ہوں''۔ چنانچہ حضرت اس اجتماع کی بیحد قدر فرماتے اور کبھی ناغہ نہ ہونے دیتے، اگر بولنے کی طاقت نہ ہوتی تو خاموش لیٹے رہتے مگر مجلس ضرور ہوتی، سب لوگ کچھ دیر کے لئے حاضر ہوتے اور دعا کر کے اور مصافحہ کر کے جاتے اور حضرت والا کبھی فرما دیتے کہ نفع باطنی کے لیے بولنا ضروری نہیں، بغیر بولے بھی (یقیناً) نفع ہوتا ہے۔

چوکی پر بیٹھنے کی وضاحت

صحت کے زمانہ میں مجلس عام کے وقت ایک چوکی پر تشریف فرما ہوتے، اس کے بارے میں بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مجلس ہی میں فرمایا کہ ''آپ حضرات سے اوپر ہو کر بیٹھنے کو طبیعت گوارا نہیں کرتی لیکن نیچے بیٹھنے میں دوسروں کو دیکھنے اور سننے میں تکلیف ہوگی اس لیے اس پر بیٹھ جاتا ہوں''۔

جب کوئی بزرگ شہر سے یا کراچی کے علاوہ کسی دوسرے شہر یا ملک سے تشریف لاتے تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ بہت ہی عاجزی کے ساتھ ملتے اور دیر تک انتہائی متواضعانہ گفتگو فرماتے اور یہاں تک فرماتے ''حضرت! میں اس قابل کہاں؟ کوئی میری ملاقات کو آئے، آپ نے مجھ پر بڑا ہی کرم فرمایا، میں خود ہی حاضر ہوتا مگر ضعف و علالت کی وجہ سے حاضر نہ ہو سکا''۔ اللہ! اللہ! کیا ٹھکانہ ہے تواضع کا۔

یہ میری حقیقت ہے

حضرت حاجی محمد شریف صاحب رحمہ اللہ خلیفہ مجاز حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

حاجی شیر محمد صاحب (خلیفہ مجاز حضرت تھانوی رحمہ اللہ) اور یہ ناچیز تھانہ بھون گئے، حضرت مفتی صاحب بھی تشریف لائے ہوئے تھے ایک دن حوض پر قریب قریب وضو کر رہے تھے، حضرت مفتی صاحب کو زکام تھا اور ناک کی ذراسی آلائش بدن مبارک پر کہیں لگی ہوئی تھی، حاجی شیر محمد صاحب نے عرض کیا ''مفتی صاحب! یہ جگہ صاف فرمالیویں''۔ حضرت مفتی صاحب نے فوراً فرمایا ''یہ میری حقیقت ہے''۔

ہمیں خدا کے گھر کے قریب و پڑوس میں جو راحت نصیب ہوتی ہے وہ سرکاری عمارات میں نہیں ہوتی:

شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

حضرت مفتی صاحب مرحوم کا ظاہری و جسمانی ڈھانچہ ایک نحیف و نزار انسان کا سا تھا، پھر طبیعت میں اس قدر سادگی، فروتنی، عاجزی اور انکساری تھی کہ کوئی شخص پہلی منظر میں ان کو دیکھنے میں یہ گمان بھی نہیں کر سکتا تھا کہ یہ وہ عظیم شخصیت ہے کہ جن کو پاکستان میں ''مفتی اعظم'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور یہی اہل اللہ کا شیوہ طریقہ ہے، ان کے سامنے دنیا کی شان و شوکت، ظاہری ٹھاٹھ باٹھ، دنیوی سامان کی آرائش و زیبائش، ترفع و تنعم کی بود و باش اور کبر و نخوت کی نشست و برخاست پر کاہ کی حیثیت بھی نہیں رکھتی، وہ ہمیشہ ''وبالآخرۃ خیر والبقٰی'' کے فارمولے کو اپنی عملی زندگی میں دہراتے رہتے ہیں اور دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری پر ہمیشہ نظر رکھتے ہیں

اس کشمکش میں گزریں میری زندگی کی راتیں
کبھی سوز و ساز رومی کبھی پیچ و تاب رازی

سردار عبدالرب نشتر مرحوم نے اپنے دور اقتدار میں اسلامی قوانین کی تدوین کے لیے حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ اور حضرت مفتی اعظم رحمہ اللہ کو دعوت دی

دونوں حضرات راولپنڈی میں تشریف لائے، لیکن نشتر صاحب کے پر زور تقاضے کے باوجود کسی سرکاری بلڈنگ میں رہنا گوارا نہ کیا اور دونوں حضرات نے صاف صاف الفاظ میں کہا کہ ہمیں خدا کے گھر قریب و پڑوس میں جو راحت نصیب ہوتی ہے وہ سرکاری عمارات میں نہیں ہوتی چنانچہ سارے دن کی مصروفیات کار کے بعد اسلام کی یہ دونوں عظیم ہستیاں میرے غریب کدے پر تشریف لاتیں اور میرے پاس ہی رات کو آرام فرماتیں، فقیری میں بادشاہی کا نمونہ اس سے بڑھ کر کیا ہوسکتا ہے کہ سردار عبدالرّب نشتر بذات خود دونوں کو کار میں بٹھا کر میرے پاس چھوڑ جاتے تھے بندہ بحمد ان ان دونوں حضرات کی ذرہ نوازی اور شفقت و رافت کے اس بارِ احسان سے کبھی عہدہ برآ نہیں ہوسکتا۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور بتقاضائے بشریت جوان سے زلات ہوئے؟ ان سے اپنی رحمت کاملہ سے در گذر فرمادے۔

یارب وہ ہستیاں اب کس دیس بستیاں ہیں
کہ جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں

''اصول فقہ پر تمہارے دروس میں بھی شریک ہوا کروں گا''

جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب (پیرس) تحریر فرماتے ہیں:

دوسری صفت جس سے میں ہمیشہ متاثر ہوتا رہا، وہ ان کی وسعت قلبی تھی کہ چھوٹوں سے بھی کچھ سیکھنے میں کبھی خفیف ترین تذبذب نہ ہو، وہ بڑے فقیہ اور مستند مفتی تھے، ایک دن میں نے اصول فقہ پر کچھ سطحی خیالات ظاہر کرنے کے بعد (کہ یہ علم قانون میں مسلمانوں کی بہت بڑی جدّت تھی جس کا نہ یونانیوں اور رومیوں کو بھی خیال آیا اور نہ ہندیوں، چینیوں، مصریوں، بابلیوں کو) جب یہ عرض کیا کہ کاش کراچی میں کوئی دیوبند ثانی، کوئی بلند معیار کا علمی مدرسہ بن جائے تو میں بھی آں محترم کے دروس میں حاضر ہوا کروں، کیسے یقین آئے گا کہ مفتی صاحب رحمہ اللہ نے جواب دیا کہ ''اصول فقہ پر تمہارے دروس میں بھی شریک ہوا کروں گا'' (ابھی دارالعلوم بنا نہ تھا)

فروتنی است دلیل رسیدگانِ خدا

مولانا لطافت الرحمٰن سواتی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

مرحوم کے قربِ الٰہی اور خلوص وللٰہیت اور طہارت قلب کی ایک دلیل یہ بھی تھی کہ اپنے تمام تر علمی عظمت و وقار اور ہر طرح کی عزت و افتخار اور مخدوم الکل و استاد الکل ہونے کے باوجود نہایت متواضع اور خاکسار طبیعت کے مالک تھے۔ خدام اور شاگردوں سے گفتگو یا برتاؤ میں کسی قسم کی برتری اور اپنے بڑے ہونے کا احساس دلانے کا موقع نہیں دیتے تھے۔ ایک بار مجھے مرحوم کے گھر کے قریب محلّہ والی مسجد میں ان کے ہمراہ ظہر کی نماز میں آنا جانا پڑا اور دونوں حالوں میں جب میں نے جوتے کو سعادت و برکت جان کر اٹھایا تو انکار فرماتے رہے، غرض یہ کہ مرحوم کے افتادِ طبع کی یہ فروتنی بھی عظمت و رفعت کا شاہد عدل تھی

فروتنی است دلیل رسیدگان خدا ، سوار چونکہ بہ منزل رسد پیادہ شود

حضرت مفتی صاحب کی سب سے ممتاز اور نمایاں خصوصیت

استاد محترم مولانا شمس الحق صاحب رحمہ اللہ (سابق ناظم تعلیمات جامعہ دارالعلوم کراچی) تحریر فرماتے ہیں:

ان خصوصیات میں سے ایک بہت ممتاز اور نمایاں خصوصیت جس کا ہر شخص مشاہدہ کرتا اور متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا، آپ کی طبعی سادگی اور بے تکلف زندگی تھی، نہ پہننے، اوڑھنے اور کھانے پینے میں کوئی تکلف تھا اور نہ رہن سہن میں کوئی کروفر، پہلی بار آپ سے ملنے والا شخص آپ کی سادگی اور تواضع وانکساری دیکھ کر دنگ رہ جاتا کہ اس نے جو کچھ دیکھا وہ مفتی اعظم کی اس خیالی صورت اور وضع قطع کے بالکل خلاف ہے جو وہ اپنے ذہن میں بسا کر لایا تھا، نہ یہاں جبّہ ودستار کا ہمہ وقت اہتمام تھا اور نہ گفتار و کردار میں کوئی تصنّع و تکلّف، ہر ایک کی ملاقات کے لیے دروازہ کھلا تھا، امیر و غریب کا کوئی امتیاز نہیں، سیدھی سادی گفتگو اور اخلاص و خیر خواہی میں ڈوبے ہوئے کلماتِ نصیحت۔ ہر آنے جانے والے سے خندہ پیشانی اور عاجزی سے پیش آنا، مسکرا کر بات کرنا، دوسرے

کی بات کو پوری توجہ اور ہمدردی سے سننا، اگر کوئی حاجت مند ہے تو اس کی ضرورت کو پورا کرنے کی فکر کرنا، اس قدر ثقافت و فقاہت اور جلالتِ شان کے باوجود ہر بات سے فروتنی وانکساری کا ظہور۔

یہ وہ اوصاف واخلاق تھے جو ہر ملنے والے کے قلب پر براہ راست اثر انداز ہوتے اور آپ کی برتری اور عظمت شان کا دل ودماغ پر گہرے نقوش چھوڑتے۔ دنیا داروں کا تو کیا گلہ آج اکثر اہل دین اور بڑے بڑے علماء کے یہاں بھی ان محاسن کا فُقدان ہے۔

قطب الارشاد حضرت مولانا عبداللہ بہلوی رحمۃ اللہ علیہ

دورۂ تفسیر کے اختتام پر طلبہ سے معافی مانگنے کا اہتمام

ہر سال الوداعی تقریب میں حضرت اقدس رحمہ اللہ دورۂ تفسیر قرآن حکیم کے آخر میں طلبہ سے دوماہ کی خدمات میں کوتاہی کی معافی ایسے منکسرانہ اور عاجزانہ انداز میں مانگتے تھے کہ بڑے سرکش اور شریر طلبہ کی دھاڑیں نکل جاتی تھیں۔

حضرت اقدس خود بہت گریہ فرماتے، جب تک طلبہ زور زور سے ''معاف ہے'' نہ کہتے آپ ہاتھ باندھ کر روتے رہتے۔ (انوار بہلویہ ص ۲۳)

بے نفسی وفنائیت کے عجیب واقعات

آپ کے خادم اور مسترشد خاص ماسٹر محمد عمر صاحب آپکے مفصل تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں:

حضرت اقدس بہلوی قدس سرہ العزیز کی فنائیت و بے نفسی کے متعلق میرا ذاتی مشاہدہ ہے کہ کبھی آپ نے ایک کلمہ بھی ایسا نہیں فرمایا جس میں اپنی تعریف کی بو آتی ہو، حب جاہ کا یہاں سر کٹا ہوا تھا۔

آپ کی خدمت میں ہر سال دورہ تفسیر میں سینکڑوں علماء فضلاء رمضان المبارک میں دورۂ تفسیر پڑھتے تھے لیکن وہاں بھی کسرِ نفسی، عاجزی اور مسکینی کا اس طور پر اظہار

فرماتے جس سے علماء دم بخود رہ جاتے۔ ایک دفعہ درس قرآن کے بعد سب علماء کے سامنے فرمایا: ''بھائی! میری کم عقلی اتنی بڑھتی جارہی ہے کہ ایک دن شیخ سعدی رحمہ اللہ کی ''کریما'' کے ایک شعر کا معنیٰ بھی نہیں آتا تھا''۔

ابدالی مسجد میں جمعہ کے خطبہ سے قبل مولوی غلام علی مرحوم خطیب ابدالی مسجد نے آپ کا تعارف کرایا اور ''مخدوم العلماء، شیخ طریقت اور شمس العارفین'' کے القاب دیئے۔

آپ نے خطبہ مسنونہ کے بعد فرمایا: ''بھائی! میں تو ایک دیہاتی بوڑھا اور آپ کا قریبی ہمسایہ ہوں، یہ لمبی لفاظی اور لیکچراری کا قائل نہیں، آپ لوگوں کی دعا حاصل کرنے اور تم نیک لوگوں کی زیارت کے لئے حاضر ہوا ہوں''۔

رمضان المبارک کے جمعۃ الوداع میں عوام کا غفیر تھا، لوگ ایک دوسرے پر ٹوٹے پڑ رہے تھے مصافحہ کے لئے جگہ ملنا محال تھی، آپ ہر ملنے والے کو فرماتے: ''بھائی! میرے حسن خاتمہ کی دعا کرنا میرا حال تو پتلا ہے''۔

حضرت اقدس میں کسی تصنّع یا وقتی مصلحت بینی کا دخل نہیں تھا، آپ وجدانی طور پر اپنے کو ہر کمال سے عاری سمجھتے تھے، کوئی شخص عرض کرتا حضرت! مجھے بیعت کریں، فرماتے ''دنیا میں بیعت کے لائق میں ہوں''

ایک دفعہ آپکے دانت میں سخت درد پڑ گیا، خانگڑھ سے چند احباب بھی حاضر تھے، حضرت نے سب کو نیازمندی سے فرمایا ''میرے دانت میں درد ہے کوئی پھونکا مارتے جائے شاید تم نیک لوگوں کی پھونک سے آرام آجائے''۔

ایک دفعہ بہل شریف میں شدید گرمیوں میں آپ کتب تفسیر کا مطالعہ فرمارہے تھے۔ ایک طالب علم حضرت اقدس کے سامنے سے گذرا، آپ نے طالب علم سے پوچھا کوئی جوار باجرا کی ایک روٹی پڑی ہے؟ طالب علم نے اثبات میں جواب دیا، طالب علم کو فرمایا ''اپنا تبرک مجھے کھلاؤ''، وہ ایک روٹی (غالباً باجرہ کی) لے آیا، آپ اسے کھاتے رہے، پھر تین چار لقمے بچ گئے تو بندہ ناکارہ اور حاجی محمد حیات خان کو عنایت فرمائے کہ یہ طالب علموں کا تبرک ہے اس کو کھالیں شاید انہیں ٹکڑوں کے کھانے سے بخشے جائیں۔

(انوار بہلویہ ص ۲۵ تا ۲۷)

حضرت اقدس مولانا شاہ محمد اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ
(ناظم جامعہ مظاہر العلوم سہارنپور)

اپنے شاگرد اور مرید کے بارے میں فرمایا کہ ''میرے اوپر حق ہے کہ میں ان کے پاؤں دباؤں

مولانا محمد عبید اللہ الاسعدی حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد باندوی صاحب رحمہ اللہ کے حالات میں تحریر فرماتے ہیں:

جامعہ عربیہ ہتورا کے ایک قدیم طالب علم اور حضرت کے محبّ و مخلص مولانا اظہار الحق صاحب (صدر المدرسین اشرف العلوم کنھواں، سیتامڑھی بہار) کا بیان ہے کہ میں جب ''مظاہر علوم'' کا طالب علم تھا، ایک سال رمضان میں حضرت تشریف لائے اور حضرت شیخ الحدیث (مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ) سے ملاقات کے بعد حضرت ناظم صاحب کے پاس پہنچے، ہم بھی ساتھ تھے۔

حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب اس وقت آرام فرما رہے تھے، ہم سب (بشمول حضرت) پاؤں دبانے لگے تو حضرت ناظم صاحب نے قاری گورا صاحب سے دریافت فرمایا:

حافظ صدیق صاحب کہاں ہیں؟ انہوں نے جواب دیا پاؤں دبا رہے ہیں، فرمایا: ''پاؤں دبا رہے ہیں؟ میرے اوپر حق ہے کہ میں ان کے پاؤں دباؤں''۔

ناظم صاحب نے تو یہ فرمایا اور ہمارے حضرت تواضع سے جھکے جا رہے تھے اور بار بار فرما رہے تھے ''حضرت ایسا نہیں''، ''حضرت ایسا نہیں''۔ (حوالا بالا ص ۳۴۴)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

امین ملت حضرت مولانا محمد امین صاحب صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ کے واقعات

تواضع اور انکسار کا پیکر

مولانا محمد سعد صاحب (کبیر والا) آپکے تذکرہ میں راقمطراز ہیں:

مناظر اسلام ترجمان احناف میں امین ملت حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی یوں تو بہت سے کمالات وصفات سے موصوف تھے لیکن بے نفسی وفروتنی کا وصف خاص تھا۔ وہ طبعاً منکسر المزاج اور انتہائی متواضع انسان تھے وہ ایک بلند پایہ مناظر محقق نقاد کے ساتھ ساتھ بے حد سادہ اور فنائیت میں کامل تھے۔ آپ کے دیکھنے والوں کی اس حقیقت پر اتفاق ہے کہ آپ عجز وانکسار کے مرقع تھے اور اپنے اس خصوصی وصف میں سلف صالحین کی یادگار تھے ہر ادا سادگی ومسکنت میں ڈوبی ہوئی اور اظہار انا سے بہت بچی ہوئی تھی رفتار وگفتار نشست وبرخاست طرز وانداز میں یہ وصف بہت نمایاں تھا۔ اپنے چھوٹوں بالخصوص طلباء کے ساتھ متواضعانہ طرز عمل تھا اور جب دیگر علماء مشائخ کرام سے ملتے تو ان کے سامنے سراپا تواضع بن جاتے۔ ان کا نہایت درجہ احترام اور ادب فرماتے تھے بلکہ کبھی تو ان کے سامنے طالب علمانہ طریقے سے دوزانو ہو کر بیٹھتے تھے۔ یہ تواضع رسمانہ تھی بلکہ واقعیت کے ساتھ اندر موجود تھی۔ آپ کی طبیعت میں تعصب کا نام ونشان نہیں تھا شہرت وناموری کا جذبہ جیسے آپ کی طبیعت میں پیدا ہی نہ ہوا ہو۔ کبھی کوئی نمایاں لباس زیب تن نہیں فرماتے تھے بلکہ سادہ زندگی اور سادہ طریقہ ہر معاملے میں رکھتے تھے۔ جو حضرات آپ سے صرف نام کی حد تک متعارف ہوتے وہ آپ کو دیکھنے سے پہلے آپ کا جو تصور ذہن میں بسا لیتے وہ آپ کو دیکھنے کے وقت آپ کو اپنی اس خیالی صورت اور وضع قطع سے بالکل مختلف پاتے کیونکہ وہ آپ کی جوہر شناس علمی شخصیت اور آپ کی مناظرانہ صلاحیتوں کی غیر معمولی شہرت سن کر آپ کی ظاہری صورت اور وضع قطع کو تصنع سے آراستہ خیال کرتے لیکن جب انہیں آپ کی اصلی صورت دیکھنے کی سعادت حاصل ہوتی تو وہ دنگ رہ جاتے اور ان کا ذہن یہ ماننے کے لئے تیار نہ ہوتا کہ

یہ وہی عظیم المنزلت شخصیت جو مسلک علماء دیوبند اہل سنت کے عظیم مناظر کے نام سے شہرت اور مقبولیت کی سند پا چکے ہیں۔آپ کی سادگی کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ آپ عام سی سواری اور سائیکل کی سواری فرمانے میں عار نہیں سمجھتے تھے۔کئی مرتبہ کسی مناظرے میں جانا ہوتا تو سائیکل پر یا پیدل چلے جاتے۔آخر عمر تک سردی کی شدت اور گرمیوں کی تپش سے بے نیاز ہوکر دور دور کے بلادو امصار تک بکثرت سفر فرماتے رہے ہیں۔باطل عقائد و نظریات کی سرکوبی کے لئے ہر دم سینہ سپر رہتے۔جلسوں اور مناظروں پر بھی کسی قسم کی شان بنانے کا معمول نہ تھا۔نہ قافلہ بندی کی صورت میں، نہ عمدہ لباس میں، نہ رہنے سہنے میں کروفر ہوتا۔اور نہ کتابوں کا بنڈل ساتھ لاتے بلکہ رخت سفر صرف ایک سادہ سا تھیلا ہوتا تھا جس میں چند کتابیں رہتی تھیں۔

بہت مرتبہ رفیق سفر کا بھی اہتمام نہیں کرتے تھے۔راقم نے بچشم خود ایک سے زیادہ مرتبہ ملتان لاری اڈے پر آپکو اکیلے ویگن پر سوار ہوتے دیکھا ہے۔اس سے آپ کی تواضع، کسر نفسی اور غایت عبدیت کی شان ظاہر ہوتی ہے۔اسی تواضع کی برکت تھی کہ حق تعالیٰ نے آپ کے اندر ایسی صلاحتیں بھری تھیں کہ آپ ہمیشہ مناظرے کے میدان میں فریق مخالف پر غالب رہتے اور علماء حق کے گروہ میں قابل فخر شخصیت سنے اور دیکھے جاتے تھے۔اور آپ کی شخصیت بڑے بڑے علماء کی منظور نظر تھی۔حسب موقع وہ آپ سے اعداء سلف صالحین کے اعتراضات کے دندان شکن جوابات بھی طلب فرماتے مگر آپ باوجود علمی تفوق اور وسیع المطالعہ کے تواضع سے دیگر علماء کے سامنے اپنا کوئی درجہ نہیں سمجھتے تھے کثیر التعداد واقعات و مشاہدات آپ کی سادگی اور مقام فنائیت کے مئوید ہیں۔ (ماہنامہ ''الخیر'' مناظر اسلام نمبر ص ۵۸۰)

پروقار سادگی

شیخ الحدیث حضرت مولانا منیر احمد صاحب زید مجدھم تحریر فرماتے ہیں:

حضرت مولانا اوکاڑوی اتنے سادہ مزاج اور کشادہ طبیعت واقع ہوئے تھے کہ تکلفات سے دور، نام و نمود کی ظاہری شان و شوکت سے کوسوں دور، حضرت نے کسی بڑے سے بڑے پروگرام پر جانا ہوتا یا کسی بڑے اجلاس میں، تب بھی دھلے کپڑے بغیر

استری کے پہن کر چل پڑتے، جوتی بھی کسی دوسرے نے پالش کردی تو ٹھیک ورنہ جس حالات میں ہے ٹھیک ہے۔ اور اگر طویل سفر ہوتا تو کپڑے تھیلے میں ایک دو جوڑے کپڑے ساتھ لے لیتے۔ نہ خادم کی ضرورت نہ تھیلا اٹھانے والے کی ضرورت: حضرت کو پیشاب کی تکلیف کا عارضہ تھا اگر پیشاب میں دیر ہوجاتی تو بعض مرتبہ گردوں کی تکلیف شروع ہوجاتی بلڈ پریشر، گھٹنوں میں درد اور دائمی نزلہ، زکام، بھی تھا اس کے باوجود بھی آپ ہمیشہ ویگنوں اور بسوں میں سفر کرتے، آپ داعی حضرات کے سامنے نہ اپنی تکلیف کا اظہار کرتے نہ کار موٹر کی شرط لگاتے بلکہ کئی دفعہ فرمایا، ہمیں دعوت دینے والے غریب لوگ ہوتے ہیں، ان پر کار کا بوجھ ڈالنا طبیعت گوارہ نہیں کرتی، آپ نے یہ کبھی نہیں دیکھا تھا کہ اشتہار میں میرا نام کس انداز سے اور کن القاب سے لکھا گیا ہے نہ یہ خواہش ہوتی تھی کہ لوگ میرا استقبال کرنے کے لئے آئیں اور مجھے جلوس کی شکل میں شایان شان طریقہ سے لیجائیں، نہ کوئی خاص رہائش کا مطالبہ ہوتا نہ کسی خاص کھانے کا، جیسا بھی کھانا مل گیا حسب منشاء وہی کھالیا، رہائش کا کمرہ دیکھو تو بستر بڑا سادہ، برتن بقدر ضرورت، نمائش نام کی کوئی چیز نہیں بس کمرہ میں آپ ہیں کتابیں ہیں اور کاغذ ہے اور قلم ہے اور آپ ہمہ وقت مطالعہ میں اور لکھنے میں مصروف، آپ نمائشی چیزوں سے خوش ہونے کے بجائے کتابوں سے خوش رہتے، ان کو مطالعہ اور لکھنے پڑھنے سے فرصت ہی کہاں تھی، جو آپ اپنی آرائش وزیبائش کی طرف توجہ دیتے بلکہ آپ اپنے طلبہ کے لئے نمود ونمائش کے تکلفات کو ناپسند کرتے، اگر کوئی ایسا کرتا تو آپ دبے لفظوں میں اور مزاح کے انداز میں اس کے سامنے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کردیتے، جب تک مولانا اوکاڑوی کو نہ دیکھا تھا میرے دل، دماغ پر بچپن سے مولانا محمد علی جالندھریؒ پر وقار پر عظمت سادگی کے اعتبار سے چھائے ہوئے تھے لیکن جب میں نے مولانا اوکاڑویؒ کو دیکھا تو مولانا جالندھری کا عکس نظر آئے مولانا جالندھری کی طرح آپ میں سادگی ہے مگر پر وقار، خوش مزاجی ہے لیکن بامقصد، بے تکلفی ہے لیکن سنجیدہ، علمی اور گہری بات ہے مگر انداز بیان عام فہم اور سادہ۔

وہ چھوٹوں کو بھی بڑا بنا دیتے تھے

حضرت مولانا محمد ازہر صاحب مدیر ماہنامہ ''الخیر'' تحریر فرماتے ہیں:

مولانا مرحوم علمی تبحر، وسعت مطالعہ اور غیر معمولی ذہانت و ذکاوت کے باوجود مجسمہ انکسار تھے اس تواضع اور بے نفسی کا اندازہ ان کی سادگی، بے تکلفی، محنت بھر گفتگو اور خوش مذاقی سے بآسانی ہوجاتا تھا۔ احقر نے ایک مرتبہ ''الخیر'' کے ناظم مولوی فیاض احمد صاحب سلمہ کو یہ پیغام دے کر بھیجا کہ ''میں حاضر خدمت ہونا چاہتا ہوں'' تھوڑی دیر کے بعد یہ دیکھ کر انتہاء نہ رہی کہ حضرت مولانا بنفس نفیس دفتر ''الخیر'' میں چلے آرہے ہیں مجھے انتہائی ندامت وشرمندگی ہوئی اور یہ احساس ہوا کہ پیغام بھیجنے سے بہتر حاضر ہو جانا ہی تھا، تاکہ حضرت مولانا کو یہ تکلیف نہ ہوتی۔ احقر کی حیثیت مولاناؒ کے شاگردوں سے بھی کم تر ہے۔ یہ ان کی محبت وشرافت، مروت واخلاق اور تواضع و بے نفسی کا کمال تھا کہ وہ چھوٹوں کو بھی بڑا بنا دیتے تھے۔

میرے ساتھ تو وہ چلے کہ میں اس کی جوتیاں سیدھی کروں

مولانا فیاض احمد عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

ایک دن سفر سے واپسی کے بعد جو میرا مولانا کی معیت میں سوار تھا فرمانے لگے آئندہ تجھے ساتھ نہیں لے چلوں گا۔ اس لیئے میرے ساتھ تو وہ چلے کہ میں اس کی جوتیاں سیدھی کروں جبکہ تو میری جوتیاں سیدھی کرتا رہا۔

سادہ اور بے تکلف زندگی

مولانا نعیم الدین صاحب لاہور تحریر فرماتے ہیں:

حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''**البذاذة من الایمان**''، سادگی ایمان کا حصہ ہے'' ارشاد مبارک کو سامنے رکھتے ہوئے جب ہم مولانا اوکاڑوی مرحوم کی زندگی کا جائزہ لیتے ہیں تو وہ سادگی کا مرقع نظر آتی ہے۔ آپ کے لباس و پوشاک میں سادگی، سفر وحضر اور نشست و برخاست میں سادگی تقریر وتحریر میں سادگی الغرض آپ کی ہر چیز اور ہر بات سادگی کا آئینہ دار تھی۔ باوجودیکہ قدرت نے آپکو بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا تھا اور ہر جگہ و ہر طبقہ میں آپ کا اثر تھا لیکن اس کے باوجود آپ میں سادگی اور مسکنت اس قدر کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی کہ آپ سے ناواقف آدمی کے لئے آپ کو عالم ومناظر سمجھنا مشکل تھا۔

ایک مرتبہ مولانا مرحوم نے راقم سے فرمایا کہ میں ایک مرتبہ کراچی کے ایک بڑے مدرسہ میں گیا وہاں میرے ایک شاگرد مدرس تھے انہوں نے اس مدرسے کے ایک بڑے اور نامی گرامی عالم سے میری ملاقات کروائی تعارف کراتے وقت انہوں نے یہ بھی کہا کہ یہ بہت بڑے مناظر ہیں ان عالم صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ جناب کی تعلیم کیا ہے؟ کہاں کے فارغ ہیں؟ میں نے کہا حضرت میں تو کچھ بھی نہیں، صرف ایک اسکول ماسٹر ہوں۔اس پران عالم صاحب نے فرمایا، پھر تو یہ قیامت کی نشانی ہے۔

مولانا مرحوم نے چونکہ اپنی فطری تواضع اور سادگی کی بنا پر اپنا معمولی تعارف کرادیا تھا اس لیے وہ عالم مولانا مرحوم کی قدر و قیمت نہ جان سکے۔

آپ بار ہا ناچیز کے مکان و مکتبہ پر تشریف لائے اور عام آدمیوں کی طرح ایسے بے تکلف انداز میں رہے کہ خود ناچیز کو شرمندگی سی ہونے لگی۔آپ کی زندگی میں نہ کوئی پروٹوکول تھا نہ ہٹو بچو کا شور تھا۔خاموشی سے آتے تھے اور خاموشی سے چلے جاتے تھے۔نہ کھانے پینے میں تکلف تھا، نہ آنے جانے میں۔

سادگی کے ساتھ مولانا مرحوم میں تواضع اور عاجزی بھی انتہاء درجہ کی تھی۔باوجود یکہ آپ ایک کامیاب مناظر مقبول ترین خطیب ومقرر اور حق کے بے باک ترجمان تھے لیکن آپ کے قول و فعل سے کسی قسم کی نمود و نمائش، تعلّی اور بڑائی کا اظہار نہیں ہوتا تھا، جس مقام پر اللہ تعالیٰ آپ کو کامیابی سے ہمکنار کرتے آپ اسے اپنے اکابر کا طفیل قرار دیتے۔آپ کا ہر ایک سے ملنے کا انداز مشفقانہ تھا، جس سے ہر ایک یہ سمجھتا تھا کہ مولانا کو مجھ سے بہت زیادہ تعلق ہے، ناچیز کا جب مولانا سے ملنے کو جی چاہتا ایک خط لکھ دیتا، آپ کسی قریبی پروگرام میں شرکت کے موقع پر تشریف لے آتے۔

سادگی کا ایک عجیب واقعہ

مولانا حافظ عبدالحق خان بشیر صاحب آپ کے مفصل تذکرہ میں رقمطراز ہیں:

حقیقت یہ ہے کہ شخصیت وعظمت کے حوالے سے وسیع وعریض معاشرہ کے اندر ایسے سادہ مزاج شخصیتکی تلاش یقیناً بہت دشوار ہے۔بدن پر سادہ دیہاتی لباس، سر پر کپڑے کی گول ٹوپی، پاؤں میں گرد سے اٹے ہوئے پرانے سے جوتے اور ہاتھ میں کتابوں سے بھرا ہوا کپڑے کا سبزی والا تھیلا اگر موسم سردی کا ہوتا تو اوڑھ کر سونے والا

کھیس ان کے اوپر ہوتا، زندگی بھر یہی ان کا طرز رہا متعدد بار ایسا ہوا کہ مسلسل اور طویل سفر کی وجہ سے لباس غبار آلود اور پسینہ کی وجہ سے میلا ہو چکا ہوتا، میرے پاس اسی حالت میں تشریف لاتے تو میں بے تکلفی کی بناء پر انہیں اپنا لباس پہنا کر ان کے کپڑے دھلواتا، انہیں اپنے لباس وغیرہ کی قطعاً کوئی فکر نہ ہوتی کہ وہ کس حالت میں ہے؟ اکثر میں نے انہیں اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ طویل سفر کے دوران ایک دو جوڑے کپڑے ساتھ رکھ لیا کریں، لیکن ہر بار مسکرا کر یہی فرماتے کہ کپڑوں کے بجائے میں کتابوں کا بوجھ اٹھانا زیادہ پسند کرتا ہوں، میں ان کے اس ذوق وشوق سے لاچار ہو کر کہتا کہ پھر آپ کسی سے کہہ کر کپڑے دھلوا تو لیا کریں فرماتے یہ میرے مزاج کے خلاف ہے البتہ شدید ضرورت پڑ جائے تو میز بانوں سے نظر بچا کر خود دھو لیا کرتا ہوں ان کی اسی سادگی کی وجہ سے تمام لوگوں کے لئے پہلی بار ان کی شناخت مشکل ہو جاتی چنانچہ:

ایک دفعہ شدید گرمی کے موسم میں میرے پاس گوجرانوالہ تشریف لائے، دوپہر کا وقت تھا، آتے ہی فرمایا کہ میں نے غسل کرنا ہے اور ساتھ ہی کھل کھلا کر ہنس پڑے۔ میں نے ہنسنے کی وجہ پوچھی تو فرمایا کل میں فلاں مدرسہ میں پہلی بار تقریر کے لئے گیا۔ وہاں مجھے کوئی پہچانتا نہ تھا میں مدرسہ کے دفتر میں جا کر بیٹھ گیا۔ مجھے دیکھ کر دفتر میں موجود ایک شخص دوسرے سے کہنے لگا، ایک تو سفیروں نے بڑا تنگ کیا ہوا ہے۔ جب دیکھو چندہ مانگنے کے لئے آجاتے ہیں۔ میں سمجھ گیا کہ یہ بے چارے میرے کپڑے اور تھیلا دیکھ کر مجھے کسی مدرسہ کا سفیر سمجھ رہے ہیں میں ان کی باتیں سن کر خاموش بیٹھا مسکراتا رہا، اچانک ان میں سے ایک کہنے لگا کہ آج اوکاڑہ سے مولوی امین صاحب آئیں گے۔ اور غیر مقلدین کی ایسی تیسی کریں گے میں دل ہی دل میں بیٹھا سوچتا رہا اور ہنستا رہا کہ یہ بے چارے اپنے دل میں خدا معلوم میری شخصیت کا کیا تصور لیے بیٹھے ہیں۔ پہلے تو میں نے ان کی گفتگو میں دخیل ہونا مناسب نہ سمجھا لیکن میری تقریر کا مقررہ وقت قریب تھا اس لیے مجبوراً میں نے ان سے مخاطب ہوئے کہا کہ میں نے غسل کرنا ہے، انہوں نے بڑی بیزاری سے غسل کرنا ہے تو مسجد میں جاؤ میں نے کہا بھائی میں بہت دور سے آیا ہوں اور یہاں ناواقف اجنبی ہوں۔ آپ غسل خانے تک میری رہنمائی فرما دیں انہوں نے طنزاً مجھ سے پوچھا کہاں سے آئے ہو؟ میں نے کہا اوکاڑہ سے، اوکاڑہ کا نام سن کر وہ

چونکے اور پوچھا آپ کا نام کیا ہے؟ میں نے کہا محمد امین، پھر تو وہ اپنی گفتگو اور طرزِ عمل پر بہت پشیمان ہوئے اور معذرت کرنے لگے، اب میں نے آپ سے غسل کرنے کا ذکر کیا تو مجھے وہ کل والا واقعہ یاد آ گیا۔ اس قسم کے متعدد واقعات مولانا مرحوم کو اکثر پیش آئے۔

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

مولانا اللہ بخش ایاز صاحب ملکانوی رقمطراز ہیں:

پیغمبر علیہم الصلوٰت والتسلیمات کی دیگر تعلیمات میں سے سادگی کو ایک نمایاں مقام حاصل ہے اور مولانا اوکاڑوی سادگی کے اس وصف خاص میں اسوۂ حسنہ کا کامل و مکمل نمونہ ہی نہ تھے۔ بلکہ مظہر اتم تھے۔ اس وصف خاص میں جماعت اہل علم کا دوسرا کوئی بھی فرد ان کا اس میں شریک و سہیم نہ تھا۔

این سعادت بزور بازو نیست

مولانا اکاڑویؒ اپنے لباس پوشاک، رہن سہن، خورد نوش میں از خود طبعاً کمال درجہ کی سادگی برتنے کے قائل ہی نہیں بلکہ عامل بھی تھے۔ انجان و ناواقف جسے پہلے کبھی بھی مولانا سے ملاقات، آمنا سامنا نہ ہوا ہو وہ ہرگز یہ تصور بھی نہ کر پاتا کہ اس حیثیت، مرتبہ۔ قد کاٹھ کا عالم فاضل نامور محقق و مناظر اس قدر سادہ بھی ہو سکتا ہے۔ مولانا ابوبکر غازی پوری دامت برکاتھم مدیر مجلہ ''زم زم'' نے مولانا مرحوم کے اسی سراپا کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

''مگر مولانا صدر امین صفدر مرحوم کی ذات بالکل نرالی تھی۔ مجھے ملنے آئے تو بدن پر ایک معمولی کرتا اور ایک معمولی لنگی اور معمولی سی ٹوپی اور ایک بہت کم قیمت کا رومال تھا۔ مناظر اسلام کی یہ سادگی اور تواضع دیکھ کر مجھے اپنے اکابر یاد آ گئے (زم زم جلد ۳ شمارہ ۶)

زمانہ حال شہرت و ناموری، محض پروپیگنڈے کے کھوکھلے نعروں اور بلند بانگ دعوؤں کا ہے، ہر کس و ناکس، بزعم خود عزت و عظمت کے خود ساختہ القابات اور جبہ و دستار کے سہارے اتراتا پھرتا ہے۔ حالانکہ ایسے تہی دامن لوگوں کا نہ کردار گفتار سے ہم آہنگ ہے اور نہ ہی لباس و پوشاک اور وضع قطع میں اتباع شریعت کے پاس لحاظ ہے اور نہ ہی چال ڈھال اور بود و باش میں تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ۔

حدیث پاک میں وارد ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ جب بھی حضرات صحابہ اکرام رضوان اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین کے درمیان تشریف فرما ہوتے اور باہر سے کوئی ناواقف و انجان مسافر آجاتا تو اسے دریافت کئے بغیر چارہ کار نہ تھا کہ تم میں سے محمد ﷺ کون ہیں۔

گویا ذات نبوی کے لئے نہ کوئی خاص نشست گاہ تھی اور نہ ہی کوئی نمایاں کروفر اور نہ ہی کسی قسم کی امتیازی نام ونمود تھی جو ہر وارد وصادر کو اپنی طرف متوجہ کر پائے۔

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا۔

اصاغر نوازی

مولانا عمر قریشی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

اصاغر نوازی کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ جولائی کے مہینہ میں جمعہ کے دن دوپہر کے وقت میرے گھر کا دروازہ کھٹکا، باہر گیا تو حضرت اوکاڑوی کھڑے ہیں حیران رہ گیا مدرسہ میں تشریف لے جانے کا عرض کیا تو فرمایا، ابھی نماز جمعہ سے قبل کوٹ سلطان میں خطاب کرنا ہے گزر رہا تھا مناسب سمجھا ملاقات ہو جائے۔

سادگی کا ایک واقعہ

مولانا مظہر حسین کاظمی صاحب (بھکر) تحریر فرماتے ہیں:۔

حضرت استاد جی رحمہ اللہ ایک دفعہ کہیں پروگرام پر تشریف لے گئے تو راستہ میں جب جانے والی بس کو دیکھا تو نہ اندر سیٹ اور نہ ہی چھت پر جگہ، تو کنڈیکٹر نے کہا کہ بابا جی جانا ہے تو پیچھے لٹک کر جاؤ! تو حضرت استاذ جی پائیدان پر لٹک کر سفر فرمارہے ہیں اور ساتھ ساتھ کتابیں بھی اٹھائی ہوئی ہیں۔

کسی کی نیند خراب کرنا مناسب نہ جانا

مولانا عبدالحق خان بشیر لکھتے ہیں:

ایک دفعہ ایک پروگرام کے سلسلہ میں چکوال تشریف لائے تو رات دیر سے پہنچے (ان دنوں وہ کراچی میں قیام پذیر تھے) دفتر کے تمام ذمہ دار حضرات سو رہے تھے، مولانا

مرحوم کسی کو جگائے بغیر مسجد میں چلے گئے اور بغیر بستر ہی مسجد کے صحن میں سو گئے۔ اتفاقاً میں بھی اسی پروگرام کے سلسلہ میں رات کو وہیں تھا، صبح پتہ چلا تو مجھے انتہائی افسوس ہوا۔ میں نے کہا آپ نے دفتر میں سے کسی کو جگا کیوں نہ لیا؟ حسب عادت مسکرا کر بے نیازی سے فرمایا کہ: ''رات تھوڑی سی باقی تھی (تقریباً چار گھنٹے) موسم معتدل تھا، بستر کی کوئی ایسی ضرورت نہ تھی اس لیئے میں نے کسی کی نیند خراب کرنا مناسب نہ سمجھا''۔

صلہ رحمی اور رقت قلبی کا حیران کن واقعہ

انسانی ناطوں کے حوالہ سے تو مولانا مرحوم کی رحم دلی کے بے شمار واقعات ہماری نگاہوں کے سامنے ہیں، لیکن گزشتہ دنوں مولانا جمیل الرحمٰن اختر نے مولانا مرحوم کی رحم دلی کا عجیب واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ:

فرماتے ہیں کہ مولانا حافظ محمد ارشد فاضل پوری (گوجرانوالہ) نے بیان کیا کہ ایک دفعہ مولانا مرحوم میرے پاس جلھن تحصیل حافظ آباد تشریف لائے، پروگرام کے بعد مولانا کو رخصت کرنے کے لیے ہم سٹاپ پر کھڑے تھے کہ اچانک ایک ٹرک آیا اور ایک کتا اس کی سائیڈ لگنے سے زخمی ہو گیا، مولانا مرحوم بھاگتے ہوئے گئے اور کتے کو گود میں اٹھالیا، بھاگتے ہوئے قریبی ہوٹل پر گئے اور اس سے شیشہ کا گلاس لیکر اس کتے کو پانی پلایا۔ کتے کی حالت سنبھلی تو اسے نیچے اتار دیا اور گلاس پھینک کر اس کے پیسے اپنی گرہ سے ہوٹل والے کو دیئے۔

اس ایک واقعہ سے مولانا کے رحم دلانہ احساسات کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

ہم خود تراشتے ہیں منازل کے سنگ راہ
ہم وہ نہیں ہیں جن کو زمانہ بنا گیا

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے واقعات

سراپا عجز وانکسار

آپ کے فرزند ارجمند حضرت مولانا مفتی سید عبدالقدوس صاحب ترمذی زید مجدھم آپکے مفصل تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں:

حضرت اقدس عوام کے اعتقاد کی اصلاح کے لیے عموماً بیعت نہیں فرماتے تھے، صرف تزکیہ نفس اور اصلاح نفس پر زور دیتے تھے۔ آپ کا یہ طرزِ عمل عوام میں مشہور غلط نظریہ کی اصلاح کے لیے تھا باوجودیکہ طریقت میں آپ باقاعدہ اکابر کی طرف سے مجاز اور اس راستہ کے خوب واقف کار اور ماہر تھے لیکن عرصہ دراز تک عملاً آپ نے صورتاً ورسماً کسی کو بیعت نہیں فرمایا۔ اول تو اس سلسلہ میں آپ کمالِ اخفاء کے قائل تھے اور یہ آپ کی عادت اور حال تھا اسی لئے اپنی خلافت اور اجازت بیعت وتلقین کا تذکرہ خاص احباب سے بھی نہیں فرماتے تھے اگر کوئی بیعت کے لئے کہتا تو آپ اس کی دوسرے مشہور ومعروف اپنے مسلک کے اصحاب سلسلہ کی طرف راہنمائی فرمادیتے۔ آپ کا یہ معمول تقریباً آخر حیات تک رہا، زندگی کے آخر چند سالوں میں صرف اِتنا فرق آگیا کہ اگر کوئی اصرار کرتا تو آپ اسے اصلاحی تعلق کی اجازت عنایت فرماتے، بیعت کا معمول نہیں تھا، صرف چند حضرات ایسے ہیں جن کو اصلاحی تعلق کے ساتھ ان کے اصرار پر آپ نے بیعت بھی فرمایا البتہ خواتین اس سے مستثنیٰ تھیں ان کو بعد از بیعت وظائف واوراد کی تلقین فرمادیتے تھے۔ جب انوار النظر حصہ دوئم میں حضرت علامہ عثمانی قدس سرہ نے اپنے خلفاء اور مجازین میں آپ کا نام شائع کیا تو اس وقت آپ نے کسی کو بیعت نہیں فرمایا بلکہ جب حضرت عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بزمانہ قیام ٹنڈو اللہ یار آپ کو محرم الحرام ۱۳۸۵ھ میں خلافت عطا کی تو آپ نے واپسی پر ایک خط میں اس خدمت سے معذرت لکھ دی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے معذرت کو تو قبول نہیں فرمایا مگر اختیار دے دیا کہ دل چاہے بیعت کرلیں ورنہ نہیں، حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اسی اختیار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کسی کو بیعت نہیں فرمایا، کوئی زیادہ اصرار کرتا تو فرمادیتے کہ میں نے

حضرت عثمانی رحمۃ اللہ علیہ سے اس سلسلہ میں اجازت لے لی تھی حضرت نے فرمایا تھا کہ دل چاہے تو بیعت کرلیں اور میرا دل نہیں چاہتا اس لئے بیعت نہیں کرتا۔

ایک مکتوب گرامی میں حضرت مولانا عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے آپ کو اخذ بیعت کا طریقہ اور خطبہ بھی اپنے قلم مبارک سے لکھ کر بھیجا تھا، مگر آپ فرماتے تھے کہ مجھے بیعت کرنے سے طبعاً حجاب ہوتا ہے اس لئے عرصہ دراز تک کسی کو بیعت نہیں فرمایا۔

اس کی ایک وجہ تو عوام کے عقیدہ کی اصلاح اور دوسری بڑی وجہ آپ کی فنائیت ہے۔ اتنے بڑے مقام پر فائز ہونے کے باوجود آپ اپنے آپ کو اس کا اہل نہیں سمجھتے تھے۔

چنانچہ جب آپ سے محترم جناب کرنل قاری فیوض الرحمٰن صاحب نے اپنے حالات لکھنے کے لیے درخواست کی تو آپ نے ان کے جواب میں جو مکتوب نامی لکھا اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، اس کی ابتدائی چند سطریں پڑھ کر یہ حقیقت بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ آپ نے اپنے آپ کو بالکل ہی مٹایا ہوا تھا۔

قاری صاحب موصوف کو سلام مسنون کے بعد آپ تحریر فرماتے ہیں:

عنایت نامہ ملا، اپنے حالات کیا لکھوں میں کیا اور میرے حالات کیا وجودک ذنب لا یقاس بہ ذنب جس کو فنا کا سبق پڑھایا گیا ہو وہ اپنے وجود ہی کو گناہ سمجھتا ہے۔ حالات کا کیا ذکر البتہ اپنے نسبی اور روحانی بزرگوں اور اکابر کا مختصر حال عرض کرتا ہوں، اس کے ضمن میں اس ناکارہ آوارہ کے بھی کچھ حالات آجائیں گے یہ بھی اول تو آپ کی طلب کی بناپر تطیب قلب مسلم کی بناپر گوارہ کیا جارہا ہے۔

دوسرے یہ طمع بھی ہے کہ ان مقبولین کے ذکر کے ساتھ اس ناکارہ کا نام بھی آئے گا تو ان کی برکت سے کام بن جائے گا۔ ورنہ صحیح بات یہی ہے کہ اپنی زندگی کے پچپن ۵۵ سال کی طرف جب نظر کرتا ہوں تو سوائے حسرت وندامت کے کچھ اور نہیں پاتا، اس لئے سلسلۂ اشرفیہ کی طرف اس ناکارہ کے انتساب سے سلسلہ کے لیے تو سوائے بدنامی کے اور کچھ حاصل نہیں مگر اپنے لیے اس کو ذریعہ سعادت اور وسیلہ نجات تصور کرتا ہوں ورنہ صحیح بات یہی ہے کہ "من آنم دانم" کہنے کا حق بھی اس ناکارہ کو نہیں پہنچتا کہ اس سے بھی ایک گونہ معرفت نفس کا دعویٰ اور پھر حسب ارشاد "من عرف نفسہ فقد عرف ربہ" معرفت رب کا دعویٰ مترشح ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ فنا کے سبق کے ساتھ

دعویٰ کا کوئی جوڑ نہیں''۔

حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اس تحریر سے واضح ہے کہ آپ فنائیت کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ یہی وجہ ہے کہ شہرت سے آپ کو حد درجہ تنفر تھا، اکثر یہی فرماتے کہ مقصد ''کام'' ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کرتے رہو شہرت اور نام کی کیا ضرورت ہے اگر کام اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہے تو پھر سب کچھ ہے ورنہ شہرت سے کیا ہوگا۔

(حیات ترمذی ص ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶)

یہ بات میری بربادی کا سبب بن جائے گی

محترم جناب محمد رمضان صاحب آپکے ملفوظات تحریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

احقر راقم سے ہمارے ایک بزرگ نے فرمایا کہ ایک دن میرا جی چاہا اور میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو ملنے گیا تو میں نے عرض کیا کہ جناب! جی چاہتا ہے کہ میں آپ کے دست اقدس کو بوسہ دوں تو حضرت نے فرمایا: ''بوسہ دینے میں کوئی حرج نہیں، مگر آپ بوسہ دیں گے تو کہیں میرے دل میں یہ نہ آجائے کہ میں بہت بڑا آدمی بن گیا ہوں لوگ میرے ہاتھوں کو بوسہ دیتے ہیں، یہ بات میری بربادی کا سبب بن جائے گی اس لئے میں بوسہ نہیں لینے دیتا''۔

تواضع اور سادگی کے حسین مرقّع

حضرت مولانا مفتی محمد شاکر صاحب (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی) رقمطراز ہیں:

حضرت کی تواضع وانکساری کا عجیب عالم تھا جو ہم جیسوں کے لئے قابلِ تقلید اور بہترین نمونہ ہے کہ آپ علمی وعملی تبحر اور بے مثال تفقہ اور تعمق وبصیرت اور فراست و جامعیت کے باوجود اپنے آپ کو کچھ نہیں سمجھتے تھے حالانکہ آپ کو حسبی، نسبی شرافت و سیادت کے ساتھ بچپن سے ہی مجدد الملت حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ کے دربارِ عالی میں رہنے اور پھر سہارنپور، دیوبند جیسی عظیم علمی درسگاہوں میں وقت کے شیوخ سے استفادہ کا شرف حاصل تھا۔ اس کے ساتھ تصوف وسلوک میں حضرت مفتی محمد

حسن صاحب رحمہ اللہ اور حضرت شاہ عبدالغنی پھولپوری رحمہ اللہ سے اصلاحی تعلق کے علاوہ حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی اور حضرت مفتی اعظم مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ سے باقاعدہ اجازت وخلافت حاصل کئے ہوئے تھے مگر بایں ہمہ آپ نے اپنے آپ کو ایسا مٹایا اور گم کیا ہوا تھا کہ کبھی بھی اپنے خلیفہ مجاز ہونے کا ذکر نہیں فرمایا اور نہ ہی پیری مریدی کا سلسلہ جاری کیا بلکہ جو شخص اس کی درخواست کرتا اسے مشہور حضرات اکابر میں سے کسی کا نام بتادیتے۔ آپ کی ذات گرامی اس شعر کا مصداق تھی

تو دروگم شو وصال ایں است
وبس گم شدن گم کن کمال ایں ست وبس

اسی طرح سادگی کی حالت بھی قابلِ دید تھی کہ نہ کوئی تصنع، نہ کوئی تکلف نہ جبہ نہ قبہ اور نہ ہی کوئی اعلیٰ لباس، بلکہ نہایت سادہ لباس زیب تن فرماتے، عرصہ دراز تک استری کے بغیر ہی کپڑے استعمال فرماتے رہے۔ جمعہ کے روز کپڑے ضرور تبدیل فرماتے مگر غسل میں صابن تیل وغیرہ کبھی استعمال نہیں کیا۔ نشست وبرخاست اور استراحت میں بھی سادگی کی انتہاء تھی، آج بھی وہ کمرہ جس میں آپ کی نشست گاہ تھی اسی طرح سادہ نظر آتا ہے جس طرح آپ کی زندگی میں تھا کہ نہ اس میں کوئی آرائش کا سامان ہے نہ زیبائش کا، بڑی حیرت ہوتی ہے کہ اتنی بڑی جامع شریعت وطریقت شخصیت نے کبھی اپنی ذاتی آرائش کا سامان جمع نہیں کیا بلکہ آپ کو اس کی طرف توجہ بھی نہ تھی، اس کے باوجود اشاعتِ دین کے تمام امور آپ انجام دیتے رہے۔ برخلاف ہم لوگوں کے کہ تمام زندگی زینت وزیبائش میں گزاردی، بقول شخصے کہ حضرت جیسے خود یادگار اسلاف تھے ایسے ہی ان کا طرز معاشرت بھی سلف کی یادگار تھا۔

مجھے کچھ نہیں آتا

حضرت اقدس کا وعظ بہت ہی شگفتہ اور دل فریب ہوتا تھا، دل یہ چاہتا تھا کہ سنتے ہی رہیں گویا کہ علم وعرفان کی بارش ہو رہی ہے، آپ کے بیان سے قلوب کی خوب اصلاح ہوتی، تقریر میں بڑی متانت ہوتی، آیات کریمہ اور احادیث نبوی کی دلکش تشریح

اور نکات علمیہ اور معارف سے تقریر معطر ہوتی اور جس موضوع کو اختیار کرتے اس کو مختلف پیراؤں میں دلائل کے ساتھ مکمل فرماتے۔ اس حالتِ ضعف اور نقاہت میں بھی طویل طویل وعظ ارشاد فرماتے، عموماً فرمایا کرتے تھے کہ میں بیمار ہوں اور ڈاکٹروں نے تقریر کرنے سے منع کیا ہوا ہے اور مجھے آتا جاتا بھی کچھ نہیں ہے۔ لیکن جب بیان فرماتے تو معلوم ہوتا کوئی بیماری نہیں، کوئی ضعف نہیں، یہ اصل میں روحانی قوت تھی حالانکہ کافی عرصہ سے آپ دل کے مریض بھی تھے۔

اس موقع کی مناسبت سے یاد آیا کہ حضرت اقدس رحمہ اللہ سالہا سال سے جامعہ امدادیہ فیصل آباد کے جلسہ میں شرکت فرماتے تھے اور تقریر فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے وہاں اس عنوان پر بیان فرمایا کہ ’’مجھے کچھ نہیں آتا‘‘۔ حضرت کے متعلق طلبہ میں یہ بات مشہور ہوگئی کہ مجھے کچھ نہیں آتا حالانکہ اس وقت حضرت نے تقریباً دو گھنٹے طویل بیان فرمایا تھا۔ احقر نے حضرت اقدس کو ایک مرتبہ خوش طبعی میں عرض کیا کہ حضرت! طلبہ آپ کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ ’’مجھے کچھ نہیں آتا‘‘، تو حضرت اقدس مسکرائے اور فرمایا کہ یہ تو صحیح ہے واقعی مجھے کچھ نہیں آتا، اس میں کوئی جھوٹ نہیں ہے۔

کاش! یہ دولت ہمیں بھی نصیب ہو جائے کہ ہم بھی سمجھنے لگیں کہ ہمیں کچھ نہیں آتا۔

عارف باللہ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی رحمہ اللہ کے واقعات

اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ معروف حدیث ’’من تواضع للّٰہ رفعه اللّٰہ‘‘ حضرت کو دیکھ کر اس کی تصدیق ہوتی کہ ایک طرف تو ہمارے حضرت مجسم تواضع تھے، کوٹ کوٹ کر حضرت کے اندر تواضع وانکساری بھری تھی کہیں نام کو بھی اپنی کسی حیثیت کا یا اپنی کسی شخصیت کا کسی طرح کا احساس نہ تھا اور دوسری طرف حضرت کی ایک عام عزت اور حضرت سے بے انتہاء عقیدت ومحبت پائی جاتی ہے۔

اور بڑوں نے تو لکھا ہے کہ تواضع کی حقیقت یہ نہیں کہ کسی کام کو یہ سوچ کر اختیار کیا جائے کہ یہ ہمارے منصب سے تو فروتر ہے لیکن لاؤ کرلیں۔ بلکہ اس کی حقیقت یہ

احساس وتاثر ہے کہ ہم اس لائق بھی نہیں ہیں۔ حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کا ارشاد ہے: ''تواضع کی حقیقت یہ ہے کہ حقیقت میں اپنے کو لاشئے سمجھے اور سچ سمجھ کر تواضع کرے، اپنے کو رفعت کا اہل نہ سمجھے اور سچ مچ اپنے کو مٹانے کا قصد کرے''۔

(بصائر حکیم الامت)

باوجود یہ کہ حضرت اپنے احوال واحساسات کو چھپایا کرتے تھے لیکن حضرت کے جو حالات ہمارے علم میں ہیں واقعہ یہ ہے کہ حضرت کے یہاں تواضع اس معنیٰ میں تھی: ''میں کچھ بھی نہیں اور میں اس لائق بھی نہیں''۔ بقول مولانا محمد احمد علیہ الرحمۃ

یہ دل کی ہے آواز میں کچھ بھی نہیں ہوں
اس پر ہے مجھے ناز کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں

اہل اللہ کے یہاں یہ بہت اونچا مقام ہے۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کا ارشاد ہے: ''اگر کسی کو ساری عمر کی محنت وکوشش کے بعد یہ معلوم ہو جائے کہ مجھ کو کچھ بھی حاصل نہیں ہوا تو اس کو سب کچھ حاصل ہو گیا''۔ (انفاس عیسیٰ)

حضرت کی تواضع کے بڑے قصے اور بڑی لمبی داستان ہے مگر سوانح کا حاصل تو یہی واقعات ہیں جو ہمارے لئے سامان عبرت ہیں اس لئے ان کے ذکر میں بخل کیوں کیا جائے۔

دروازے پر بیٹھ کر چائے پی

ایک مرتبہ کافی سردی تھی، لوگ ایک کمرے میں بیٹھے چائے پی رہے تھے، صبح کا وقت تھا، اتنے میں حضرت تشریف لے آئے خوب اوڑھے اور کچھ کانپتے، کچھ لوگوں نے فوراً چائے پیش کی اور عرض کیا کہ پی لیں، بہت انبساط سے قبول فرمائی اور کمرے کے دروازے ہی پر بیٹھ گئے ہم سب کہتے اور عرض کرتے رہ گئے مگر چند منٹ میں پی کر چل دیئے۔

دینی مدارس وغیرہ میں بیان سے ادب اور تواضع مانع ہوتی تھی

حضرت کا جو ایک یہ معمول رہا کہ ملک کے تین مرکزی ادارے دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور، دارالعلوم ندوۃ العلماء۔ ان تینوں میں انتہائی اصرار اور بار بار کی

گذارش کے باوجود بیان پر کبھی آمادہ نہ ہوئے (ایک مرتبہ ندوہ میں ضرور تیار ہو گئے تو بڑے اہتمام سے بیان ہوا) نیز اسی طرح وقت کے معروف و مسلّم اکابر اگر کسی اجلاس میں اسٹیج پر موجود ہوں یا بہت قریب تو حضرت کسی طرح بیان کو تیار نہ ہوتے، اس میں ایک تو یہ بات تھی کہ حضرت کو ان اداروں کے مقام اور ان حضرت کی عظمت کا لحاظ تھا اور حضرت فرمایا کرتے تھے:

''آدمی ہر جگہ کہنے کے لیے ہی نہیں جاتا اور نہ ہر جگہ کہنے کی ہوتی ہے، بعض جگہوں پر آدمی کچھ حاصل کرنے بھی جاتا ہے''۔

ایک مرتبہ مغربی یوپی سہارنپور وغیرہ کے سفر کا ایک نظام بن رہا تھا تو ذمہ داروں سے فرمایا:

''بھائی! خیال رہے وہ علاقہ ہمارے بڑوں کا ہے، مجھے اس قسم کی بات پسند نہیں ہے اس لئے زیادہ اہتمام نہ ہو''۔

مدرسہ شاہی مراد آباد کے ساتھ بھی دارالعلوم و مظاہر علوم جیسا معاملہ تھا فرماتے تھے: ''جس ادارے میں درس لیا، اس میں درس دوں یا بیان کروں، یہ سوء ادب ہے''۔

اس کے ساتھ اور اس پہلو سے بڑھ کر حضرت کی تواضع مانع ہوتی تھی کہ وہ اپنے آپ کو ان مواقع کے لئے کسی طرح بھی اہل نہیں سمجھتے تھے، اور کہاں کہاں حضرت کے پیش نظر یہ بات رہتی تھی کیا کہا جائے''۔

وہ حضرات بڑے تھے ہر کام میں بڑوں کی ریس نہ کرنی چاہیے

بارہا بات آئی کہ حضرت کے یہاں جو مہمانوں کی اور تعویذ والوں کی آمد ورفت کی کثرت ہے، کوئی وقت نہیں، جس کی وجہ سے آپ کو بڑی زحمت ہوتی ہے اور واقعہ یہ ہے کہ زحمت ہوتی تھی اور حضرت اس کا اظہار بھی فرمایا کرتے تھے۔ تو عرض کیا گیا کہ ایک نظام بنالیا جائے جیسے دوسرے اکابر کے یہاں ہوتا تھا اور ہو رہا ہے تو فرماتے: ''وہ حضرات بڑے تھے، ہر کام میں بڑوں کی ریس نہ کرنی چاہیے''۔

ہم تو اُدھر کے کتے ہیں سب وہیں سے ملا ہے

ایک مرتبہ مغربی یوپی کے اطراف کے بعض حضرات نے بیعت کی درخواست کی تو فرمایا:

''آپ لوگ تو اس علاقے کے ہیں۔ وہیں سے تعلق قائم کیجئے، یہاں ہم سب تو ادھر ہی سے سب حاصل کرتے ہیں اور ہم تو اُدھر کے کتے ہیں سب وہیں سے ملا ہے''۔

لوگ مجھ کو پتہ نہیں کیوں بزرگوں میں شمار کرنے لگے

حضرت کے اسفار اندرون ملک تو خوب ہوتے رہے، ظاہر ہے کہ باہر بھی نہ صرف واقفین بلکہ حضرت کے مستفیدین ومسترشدین بھی تھے۔ ایک عرصہ سے اکابر کی بیرون ملک افریقہ وغیرہ آمدورفت ہے، متعلقین نے حضرت سے بھی درخواست کی اور اصرار بھی کیا۔ حضرت عذر ومعذرت میں اپنے مشاغل وحالات کے ساتھ یہ بھی فرمایا کرتے تھے:

''ارے! میں کہاں اس لائق ہوں اور یہ اچھا نہیں ہے، لوگ کہیں گے اب یہ بھی اڑنے لگا ہے اور بزرگ بن رہا ہے۔ بہت اصرار ہونے پر بسا اوقات یہ بھی فرمایا کہ حضرت مفتی (محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ) صاحب کا سفر ہو تو ان کے ساتھ اور ان کے ہوتے ہوئے سفر کراؤ کہ حضرت رہیں گے تو میں تابع ہوں گا''۔

اگرچہ حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمۃ کے قیام افریقہ کے زمانے میں ایک ہی سفر ہوا جو رمضان ۱۴۱۲ھ کا تھا اور بقیہ اسفار حضرت نے تنہا فرمائے لیکن جب گئے تو بہت مجبور ہو کر اور حضرت مفتی صاحب وغیرہ کی طرف سے اجازت ملنے اور کہے جانے پر تشریف لے گئے۔

افریقہ کے پہلے سفر کے بعد ایک صاحب کی طرف سے عمرہ کی پیشکش پر فرمایا: ''لوگ مجھ کو پتہ نہیں کیوں بزرگوں میں شمار کرنے لگے''؟۔

اور یہ بھی فرمایا: ''مجھ کو ان چیزوں سے الجھن ہوتی ہے، افریقہ گیا مگر آج تک قلق ہے کہ لوگ کہیں گے بڑا بننے لگا۔ آج رات بھر نہیں سو سکا کہ کیا کروں''۔

ہوائی جہاز میں اور ٹرین میں اے سی کلاس وغیرہ سے سفر میں زیر بار کے ساتھ اس قسم کا احساس بھی شامل رہتا تھا، اس لئے انکار فرمایا کرتے تھے اور بہت مجبوری میں، بادل نخواستہ قبول فرماتے۔

کوئی موقع آجاتا تو حضرت کو نہ تو اپنے آپ کو آخری درجہ تک جھکا دینے میں عار تھا اور نہ آخری درجہ کی کسی خدمت سے انکار تھا خواہ کسی کی ہو، ضروری نہ تھا کہ اکابر و اساتذہ کی خدمت ہو، حضرت کے لئے ہر خادم دین اس کا مستحق تھا بلکہ ہر چھوٹا و بڑا اور خاص و عام۔

میں اپنی ٹوپی آپ لوگوں کے سامنے یا آپ لوگوں کے پیروں پر رکھتا ہوں اس مسئلہ کو ختم کیجئے!

باہمی نزاعات واختلافات جن کو حل کرنے کے لیے حضرت بکثرت بلائے جاتے تھے اور حضرت کو خود اس کی فکر رہتی تھی، ان میں بار بار یہ ہوا کہ حضرت کو یہ فرماتے ہوئے سنا گیا: ''میں آپ لوگوں سے ہاتھ جوڑ کر یہ کہتا اور یہ چاہتا ہوں''۔ یہی نہیں، نہ جانے کتنی مرتبہ یہ بھی ہوا کہ حضرت نے فرمایا اور کیا کہ: ''میں اپنی ٹوپی آپ لوگوں کے سامنے یا آپ لوگوں کے پیروں پر رکھتا ہوں اس مسئلہ کو ختم کیجئے''۔ اور ظاہر ہے کہ حضرت جب اس حد تک آجاتے تو پھر مسئلہ کہاں باقی رہ سکتا تھا۔

اور بسا اوقات تو حضرت بعض طلبہ کی حرکتوں سے عاجز آکر بھی اس قسم کے جملے ارشاد فرماتے تھے کہ ''ہاتھ جوڑتا ہوں، ''پیروں پر پڑنے کو تیار ہوں اب یہاں سے چلے جاؤ''۔

اپنی ٹوپی سر سے اتار کر طالب علم کے پاؤں پر رکھدی

بلکہ یہاں تک ہوا کہ ایک مرتبہ ایک طالب علم نے ایک غیر مسلم کے تیتر پکڑ لیئے، اس نے آکر ناراضگی کا اظہار کیا، حضرت نے غیر مسلم کی رعایت میں بلا کر سامنے ہی سخت سزا دی بعد میں اس طالب علم سے کہا کہ معاف کر دو تو اس نے کہا کہ ہرگز معاف نہ کروں گا اور اڑا (بضد) رہا، بالآخر حضرت نے ٹوپی سر سے اتار کر اس کے پیروں پر رکھدی اور آبدیدہ ہو کر فرمایا: ''اس کی لاج رکھ لو معاف کر دو'' تو اس نے کہا معاف کیا تب حضرت کو سکون ہوا۔

اکابر، اہل علم اور خدّام دین کی خدمت

حضرت نے اپنے بڑوں کی جو خدمت طالب علمی میں کی وہ تو کی، لیکن اس کے بعد بھی جن کو بڑا سمجھا اور کہا اور جو بڑے تھے سب کی بے تکلف خدمت کرتے رہے۔ یہ عام بات تھی کہ حضرت اکابر میں کسی کے پاس ملنے پہونچے اور ذرا ہی دیر کے بعد حضرت ہاتھ پیر دبانے میں مصروف ہوجاتے۔ ان حضرات کی معذرت کے باوجود حضرت با اصرار اس کام کو کرتے۔

اگر کوئی پیروں کے لئے راضی نہ ہوتو سر کی مالش و تیل کے لئے تیار رہتے، بہت کم ایسا ہوتا کہ ایسے حضرات حضرت کو باز رکھ سکیں بلکہ مجبوراً ان کو گوارا کرنا پڑتا خواہ تھوڑی دیر کو سہی اور ظاہر ہے کہ وہ یہی کہتے کہ: ''ہم تو یہ سوچ رہے ہیں کہ ان کے ہاتھوں کی برکت ہمارے بدن کو حاصل ہو جائے''۔

حضرت کا یہ معاملہ صرف ان حضرات کے ساتھ ہی نہ تھا جو حضرت کے باقاعدہ استاد و اکابر تھے بلکہ دوسرے حضرات جن سے کسی استفادہ کا تعلق نہ تھا لیکن بڑے اہل علم میں تھے اور دین کے خادم تھے حتیٰ کہ جو معاصر طلباء میں رہے تھے مگر حضرت سے عمر میں بڑے اور آگے تھے اور حضرت نے ان سے کچھ استفادہ کیا تھا ان کے ساتھ بھی یہ معاملہ تھا۔

بلکہ علاقے کے غیر عالم پیروں (بوڑھوں) کی جسمانی خدمت سے بھی حضرت کو دریغ نہ ہوتا تھا، دیکھنے والوں نے ان کو پیر دباتے بھی دیکھا ہے۔

طلبہ کی خدمت کے عجیب واقعات

☆ اور بڑے تو بڑے ہی تھے طلبہ کی ہر قسم کی خدمت کرتے۔ سفر میں ایک بیمار طالب علم ساتھ تھا اس کو قے ہوگئی، کپڑے خراب ہوگئے اور بھی کئی لوگ موجود ہیں، کئی چھوٹے ہیں وہ کہہ رہے ہیں اور چاہ رہے ہیں کہ ہم بچے کے کپڑے صاف کر دیں مگر با اصرار ان کو منع کر دیا اور خود کیا۔

☆ مدرسہ کے ایک طالب علم جس کے بدن کو بے انتہا زخم نے ایسا کر دیا تھا کہ اس

کے کمرے کی طرف سے لوگ نہیں گذرتے تھے مگر حضرت اس کا بدن و بستر صاف کرتے اور بعض نابینا طلبہ کے بدن و کپڑوں سے میل نکالتے اور ان کو نہلاتے دھلاتے۔

☆ یہی نہیں اور سنئے!

ایک زمانے تک مدرسہ کے لئے لکڑیاں جنگل سے آتی تھیں اور دور تک جنگل میں جانا پڑتا، ببول و کھجور کے کانٹوں سے گذرنا ہوتا، بسا اوقات بچاتے بچاتے وہ کانٹے بری طرح پیروں میں چبھ جاتے۔ ایک مرتبہ ایک طالب علم کے پیروں میں کھجور کا کانٹا جو لمبا اور مضبوط ہوتا ہے چبھا اور ٹوٹ گیا، ساتھ میں جو طلبہ تھے وہ کوشش کرتے رہے مگر نہ نکال سکے، ہاتھ سے پکڑ کر نکالنا چاہتے تھے مگر چونکہ بہت معمولی سا حصہ باہر تھا اس لئے وہ پکڑ میں نہیں آرہا تھا، حضرت ساتھ تھے اور لکڑیاں جمع کرنے میں مشغول تھے، علم ہوا تو فرمایا لاؤ میں نکالدوں، میں تم لوگوں سے اچھا کانٹا نکال لیتا ہوں، سہولت کے لئے اس طالبعلم کو لٹا دیا گیا تھا تا کہ پیر اوپر کر کے کانٹا نکالنے میں آسانی ہو، حضرت نے اس کا پیر پکڑا اور اپنے منہ کی طرف لے چلے کہ دانتوں سے پکڑ کر نکال لیں، ایک مناسب تدبیر یہی تھی، اس کا احساس کر کے کئی طلبہ بول اٹھے کہ حضرت آپ یہ نہ کریں، ہم کرتے ہیں مگر ان کے کہتے کہتے حضرت نے پیر میں منہ و دانت لگا کر فوراً کانٹا کھینچ لیا۔ اور طلبہ سے فرمایا:

''یہ حق مجھ کو ہی تھا کیونکہ یہاں میں ہی تمہارے لئے ماں باپ ہوں''۔

☆ ایک طالب علم ایک مرتبہ کافی بیمار تھا، حضرت اس کو لیکر باندہ گئے اور رکنا پڑا تو حضرت ہی تنہا خادم تھے۔ رات کو حضرت نے یہ کیا کہ اس کو تو چارپائی پر لٹا دیا اور خود نیچے اپنے ہاتھ میں ایک رسی باندھ کر اس کے پاس رکھ دی کہ ضرورت پر کھینچ دینا۔

شاید کسی آنے والے کی دعا کام کر جائے

ایک مرتبہ ایک سلسلہء گفتگو میں فرمایا: ''میں کسی مسلمان کو حقیر نہیں سمجھتا اور کیوں سمجھوں کہ میں خود گنہگار ہوں'' جیسے کہ حضرت نے آنے جانے والوں کی فکر و خدمت کی نسبت سے جو ایک مرتبہ یہ فرمایا: ''شاید کسی آنے والے کی دعا کام کر جائے'' اور

رودیئے۔ اور یہ جو فرمایا: ''لوگ مجھ کو بلاتے اور اصرار کرتے ہیں ہوسکتا ہے کہ میں ان کی جگہ ہوتا''۔ یہ بھی حضرت کی تواضع ہی ہے۔

بیت الخلاؤں کی صفائی

حضرت کبھی کبھی طلبہ سے فرماتے تھے: ''تم ٹھیک سے رہو تو میں تمہارا سب کچھ کرنے کو تیار ہوں، پاخانہ اٹھانے اور دھونے کو تیار ہوں''۔

حضرت کا یہ ارشاد کوئی مجازی جملہ نہ تھا بلکہ حقیقت پر مبنی تھا اور حضرت نے عملاً بارہا اس کا ثبوت دیا۔ اور حضرت کے اس مزاج نے بہت سے طلبہ ہی نہیں بلکہ مدرسہ کے دوسرے کارکنوں کو بھی حسب موقع ایسے کاموں کی توفیق دی۔

مدرسہ میں ایک زمانے میں چند بیت الخلاء پرانے انداز کے پختہ بنادیئے گئے تھے، عام نظام تو جنگل کا تھا مگر آنے جانے والے پھر بعض طلبہ اور بعض اوقات کے پیش نظر یہ بیت الخلاء بنائے گئے۔

گاؤں میں ایسا کوئی نظم نہ تھا جس کے واسطے سے اس کی باقاعدہ صفائی ہوتی، حسب موقع اس کی صفائی کا کام حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ ہی انجام دیتے اور اس کے لئے رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھاتے۔ تواضع اور اس کا اخفاء دونوں ہی پیش نظر تھے۔

☆ مولانا زکریا صاحب کا ذکر کردہ واقعہ خوب لکھا اور پڑھا وسنا گیا ہے آپ بھی پڑھیں کہ:

''ایک مرتبہ درمیان رات میں مولانا کو بیت الخلاء جانے کی ضرورت پیش آئی، مولانا اٹھ کر بیت الخلاء کی عمارت کی طرف گئے تو دور سے محسوس ہوا کہ کوئی بیت الخلاء کی صفائی کررہا ہے۔ آگے بڑھے اور دلچسپی سے غور کیا کہ آخر کون اس وقت یہ کام کررہا ہے تو دیکھا کہ حضرت رحمہ اللہ لنگی اور بنیان زیب تن فرمائے صفائی میں مصروف ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں کہ یہ دیکھ کر نہ تو مجھے آگے بڑھنے کی ہمت ہوئی اور نہ ہی حاجت کا تقاضا رہا، چپ چاپ واپس ہوکر دیکھتے رہے۔ چنانچہ حضرت نے پورے بیت الخلاء کو صاف کیا، صفائی کا سامان ایک طرف رکھ کر کنویں کے پاس گئے، نہا کر کپڑے بدلے اور تہجد میں مصروف ہوگئے''۔

یہ ایک واقعہ اور ایک دن کا قصہ نہ تھا، یہ بیت الخلاء جب تک برقرار اور مستعمل رہے تو تب تک صبح سویرے جب یہ صاف ملے تو حضرت کی تواضع کا کرشمہ تھا۔

اور فلش بیت الخلاء بن جانے کے بعد بھی یہ سلسلہ اس وقت تک چلا جب تک کہ مدرسہ میں صفائی کے لئے باقاعدہ آدمی نہ رکھ لیا گیا۔ دھیرے دھیرے مدرسہ میں فلش کی تعداد بہت ہوگئی پانی کی سہولت ہوگئی اور خاص انداز کے ٹینک بن گئے تو اب بیت الخلاء کی صفائی کا مسئلہ اہم نہ رہ گیا، تھوڑی بہت ضرورت ٹنکی کے بہتے ہوئے پانی اور اس سلسلہ کے ملازمین سے پوری ہو جاتی ہے۔

ورنہ ابتداء تو صرف مہمان خانہ و مہمانوں کے لئے دو فلش بیت الخلاء بنے تھے اور ان کا ٹینک سوختے والا تھا، پانی کا نظم بھی زیادہ نہ تھا، تو بیت الخلاء کی صفائی کی خصوصی ضرورت ہوتی تھی بالخصوص کسی اہم مہمان کی آمد کے موقع سے اور وقتاً فوقتاً ٹینک کی صفائی برابر ہوتی تھی اور مزید جب ایسے بیت الخلاء بنے تو انکی دھلائی و صفائی ہوتی رہتی تھی۔ اس سارے کام میں حضرت کی صرف دلچسپی نہیں بلکہ شرکت ہوتی تھی، بالخصوص سوختے کے ٹینک کی صفائی حضرت خود عملاً لگ کر کراتے اور بسا اوقات ٹینک میں خود اترتے اور دوسروں کو اترنے نہ دیتے۔

اپنی تعریف و توصیف اور القابات پر اظہارِ ناپسندیدگی کے واقعات

اکابر اپنی تعریف و توصیف بالکل پسند نہیں کرتے بالخصوص بیجا القاب وغیرہ، حضرت تو اور زیادہ اس کو ناپسند فرماتے تھے، لوگوں نے حضرت کے نام کے ساتھ ''عارف باللہ'' کا وصف استعمال کرنا شروع کر دیا تھا۔ ظاہر ہے کہ اشتہارات میں حضرت کے نام کے ساتھ بسا اوقات یہ وصف بھی شامل ہوتا تو حضرت کے علم میں بھی آتا رہتا۔ کئی مرتبہ طلبہ کے سامنے اس کا اس انداز میں تذکرہ فرمایا جس سے اس حرکت اور ایسے اقدام کی بے وقعتی ثابت ہو اور یہ کہ حضرت اس کے اہل نہیں۔

اور ایک مرتبہ تو یہ ہوا کہ کانپور کے ایک جلسے کے اشتہار میں یہی کیا گیا، حضرت تشریف لے گئے، علم ہوا تو حضرت خطاب میں ناراض ہوئے، اسٹیج پر کانپور کے علماء بھی

تھے۔حضرت نے فرمایا:

''میرے بڑوں کے ہوتے ہوئے آپ لوگ آخر میرے ساتھ یہ معاملہ کیوں کرتے ہیں، قسم کھا کر کہتا کہ اگر آئندہ سے میں نے کسی اشتہار میں اپنے نام کے ساتھ ''عارف باللہ'' کے الفاظ دیکھے تو آکر چلا جاؤں گا۔

آپ منہ پر تعریف کو بالکل پسند نہیں فرماتے تھے۔بسا اوقات جلسوں میں لوگ ایسا کرتے تو حضرت منع فرمادیا کرتے تھے۔یا فوراً کرسی پر تشریف فرما ہوجاتے اور ایسی گفتگو کا رخ موڑ دیا کرتے۔

حضرت علیہ الرحمۃ کو حضرت مولانا علی میاں صاحب وغیرہ نے اتر پردیش کے امیر شریعت کی حیثیت سے تجویز کیا تھا۔حضرت نے ایک گرامی نامہ میں تحریر فرمایا:

''میں اس کا ہرگز اہل نہیں، جب سے یہ اعلان ہوا ہے بہت پریشان ہوں''۔

پریشانی کی وجہ حضرت کے مزاج کے علاوہ دوسرے رجحانات کا سامنے آنا تھا۔

ایک حیران کن واقعہ

حضرات کی تواضع کے کیا کیا قصے سنئے گا۔ماضی کے بعض بزرگوں اور بعض ممتاز اکابر علماء دیوبند کے قصے سنے ہیں، اب حضرت کا ایک عجیب قصہ سنئے استاد محترم حضرت مولانا نفیس اکبر صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''ایک بار میں نے حضرت سے سوال کیا کہ کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ کوئی صاحب آپ سے ملنے آئے ہوں اور آپ کو پہچانتے بھی نہ ہوں وہ آپ کے ساتھ گاڑی سے اترے ہوں اور تعارف یہاں (مدرسہ) آکر ہوا ہو''۔

تو حضرت نے مسکرا کر فرمایا: میں باندہ سے بس کے ذریعہ چل کر نومیل پر اترا، ایک صاحب جن کے ساتھ ان کا کافی سامان بھی تھا وہ بھی بس سے اترے۔میں نے ان سے پوچھا آپ کہاں تشریف لیجائیں گے؟ انہوں نے کہا ہتوار، میں نے پوچھا ہتوار کس کے یہاں جانا ہے؟ تو وہ بولے ''مولانا صدیق صاحب'' کے یہاں۔میں نے انکا سامان اٹھالیا اور ہم دونوں ہتوار کے کچے راستے پر چل پڑے، راستے میں میں نے ان سے

پوچھا کہ مولانا سے آپ کا کیا کام؟ تو وہ بولے جب مولانا صاحب سے ملاقات ہوگی تو انہیں کو بتاؤں گا، میں خاموش ہوگیا اور ڈیڑھ میل کا پیدل راستہ طے کرکے جب ہتوار پہنچے اور اساتذہ وطلبہ سے ملاقات ہوئی اور ان صاحب کو معلوم ہوا کہ ''صدیق احمد'' میں ہی ہوں تو وہ بہت شرمندہ ہوئے، میں نے انکو مطمئن کیا کہ اگر میں اپنا تعارف کرادیتا تو آپ کو یہاں تک کیسے لاتا''۔

واقعی حضرت کا عجیب حال تھا اور اس واقعہ میں تو کئی سبق آموز پہلو اور تواضع در تواضع کی بات ہے۔ظاہر ہے کہ حضرت عالمانہ وضع ولباس میں تو رہتے ہی تھے مگر سادگی کے ساتھ معمولی لباس وکپڑوں میں، آنے والے کے ذہن میں شہرت کے حساب سے جو خاکہ تھا اور جو کچھ انہوں نے دوسری جگہوں میں دیکھا تھا حضرت کا نقشہ اس سے بالکل مختلف تھا، اس لئے انکو خیال بھی نہ گزرا کہ یہ صاحب ہی ہمارا مطلوب ہیں۔

پھر اس کے بعد نہ صرف یہ کہ نام نہیں بتایا، بے تکلف سامان بھی لادلیا، ظاہر ہے کہ انہوں نے گاؤں کا ایک مزدور صفت آدمی اور ایک دیندار مسلمان سمجھا جس نے حضرت کی عقیدت ومحبت میں حضرت کے ایک مہمان کا سامان اٹھالیا۔

یہ قصہ یا اس انداز کے دو چار قصے وہ ہیں جو روایتوں وذہنوں میں محفوظ ہیں ورنہ نہ جانے کتنے اس طرح کے قصے ہونگے اور ایسی جگہ کے جہاں حضرت کی شخصیت وحیثیت کی بات جلد کھلی ہی نہ ہوگی۔

آنے والے مہمان کے لئے جو بسا اوقات غیر عالم بھی ہوتے مگر محبِّ علماء اپنا رومال بچھانا، مصلیٰ لیکر جانا اس کے لئے بچھانا اور بستر چادر وغیرہ کرنا یہ سب تو ہوتا ہی تھا۔

حضرت نے ایک ہی ملاقات میں مجھکو اپنا غلام بنالیا

اس سے بڑھ کر سنئے!

ہتوار کے قریب ایک دیہات میں ایک ذی حیثیت خان صاحب رہتے تھے انہوں نے اپنا قصہ سنایا کہ میں نے مولانا صدیق احمد صاحب کا غائبانہ نام سنا تھا، ان سے ملاقات نہیں تھی اور نہ ان سے خاص عقیدت ہی تھی۔ایک بار ان سے ملاقات کے

لئے چلا ''نومیل'' پر بس سے اترا تو مولانا صاحب مل گئے نومیل سے ہتوار تک کچی سڑک تھی، اتفاق سے بارش ہوئی تھی تو کیچڑ تھا اور اس علاقہ کی مٹی بھی عجیب سی تھی میرا بدن بھاری بھر کم تھا مولانا صاحب نے میرا سامان اٹھالیا اور میرے جوتے بھی اٹھالیئے اور اپنے ساتھ مجھے لیکر چل پڑے۔ اب میرے لئے بڑی ندامت کا موقع تھا کہ حضرت میرے جوتے لیکر چل رہے تھے میں نے بہت کہا کہ آپ میرے جوتے مجھے دید یجئے مگر وہ نہ مانے اور فرمایا ''آپ صرف اپنے کو سنبھالئے، چلئے آیئے سامان اور جوتوں کی فکر نہ کیجئے''!۔

اللہ اکبر! حق تعالیٰ ہم متوسلین کو بھی اس تواضع کا کچھ حصہ عطا فرمادے۔

یہ صاحب کہا کرتے تھے کہ حضرت نے بس اس ایک ہی ملاقات میں مجھ کو اپنا غلام بنالیا۔

حضرت کی تواضع کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ ایک طرف بڑوں کی موجودگی میں بیان نہ فرماتے اور دوسرے طرف جلسوں میں جاتے تو حسب موقع توجہ سے بیانات سنتے خواہ بیان کسی کا ہو رہا ہو۔ اور اس کے لئے یہ تو فرماتے ہی کہ ''اس سے طبیعت کھلے گی، مضمون سامنے آئے گا اور یہ بھی کہ کیا میں نصیحت کا محتاج نہیں، میں تو بہت زیادہ محتاج ہوں''۔

تواضع کی انتہاء

حضرت کے لئے بڑے سے بڑا ایثار دشوار اور امتحان نہ تھا، انکو دوسروں کی خوشی و راحت اور انکی توقیر و عزت محبوب تھی اس کے لئے کچھ بھی کرنے کو تیار رہتے، سواری پر راحت کی جگہ دوسروں کو بٹھاتے اور خود مجاہدہ فرماتے مثلاً ٹرک سے سفر کرنا ہے تو جس کی رعایت مقصود ہے اس کو آگے ڈرائیور کے ساتھ بٹھا دیتے اور خود پیچھے بیٹھ جاتے جبکہ اترنے چڑھنے میں بھی زحمت ہوتی اور راستے میں بھی لیکن وہ کوئی گزارش نہ سنتے، یہی کرتے۔

مفتی شکیل احمد صاحب سیتا پوری نے اپنے ایک سفر کا قصہ لکھا ہے، آپ بھی پڑھیئے، اس ایک قصہ میں حضرت کا ایثار، دوسروں کی رعایت، اپنے لئے مشقت پسندی

اور تواضع سب کچھ آ گیا ہے، اور مزید دوسروں کی آپ سے انتہائی درجہ کی محبت وعزت بالخصوص برادران وطن کی، اس کا بھی نمونہ موجود ہے۔

مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ:

حضرت سمیت ہم دو ساتھی باندہ میں روڈویز بس پر سوار ہوئے جو لکھنو جارہی تھی، بس میں صرف ایک سیٹ خالی تھی۔ بس میں جب حضرت نے قدم رکھا تو پوری بس میں ہل چل مچ گئی، کنڈیکٹر، ڈرائیور سواریاں سب کہنے لگے "بابا آگئے، بابا آگئے"، بہت سے لوگ اپنی سیٹوں سے اٹھ گئے کہ بابا یہاں تشریف لائیے، لیکن حضرت کو صرف ہم دونوں کی فکر تھی۔ چنانچہ خالی سیٹ پر ہم دونوں کو باصرار بٹھادیا، کنڈیکٹر نے ایک سواری کو اٹھا کر حضرت کے لئے سیٹ خالی کروائی، جب حضرت سے اس سیٹ پر بیٹھنے کی درخواست کی گئی تو حضرت نے اس پر بیٹھنے سے سختی سے انکار کردیا اور فرمایا: "اس سیٹ پر اس کو بیٹھنے کا حق ہے جو پہلے سے بیٹھا ہوا ہے" یہ کہتے ہوئے حضرت نے اسٹیڈنگ کی جگہ میں اپنی چادر بچھادی اور اس پر بیٹھ گئے۔ یہ منظر دیکھ کر ڈرائیور نے جو غیر مسلم تھا گاڑی روکدی اور ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا:

"بابا مجھ سے یہ نہ ہوسکے گا کہ آپ نیچے بیٹھے ہوں اور میں سیٹ پر بیٹھ کر گاڑی چلاؤں" حضرت نے فرمایا: "میں بس سے تو اتر سکتا ہوں لیکن کسی کو سیٹ سے اٹھا کر اس کی سیٹ پر نہیں بیٹھ سکتا"۔

جب ڈرائیور اور کنڈیکٹر ہر طرح کے اصرار اور خوشامد میں ناکام ہو گئے تو انہیں مجبوراً گاڑی چلانی پڑی۔ اتفاق سے کچھ دور چل کر "آرٹی او" مل گیا، وہ بس پر سوار ہوا تو کنڈیکٹر نے اپنی سیٹ پر بٹھایا اور حضرت کے بارے میں بتایا کہ بس میں ہیں اس نے حضرت کو دیکھا کہ بس کے فرش پر بیٹھے ہیں تو اس نے کنڈیکٹر کو ڈانٹا اور بڑی لجاجت کے ساتھ حضرت سے عرض کیا کہ بابا سیٹ پر بیٹھ جائیے ورنہ میں سیٹ پر نہیں بیٹھونگا، تو حضرت نے فرمایا: "میں یہی چاہتا ہوں کہ کسی کو اٹھا کر نہ میں بیٹھوں نہ آپ بیٹھیں" آخر اگلے اسٹیشن پر جگہ ہوئی تو حضرت سیٹ پر بیٹھے۔

اسی واقعہ میں رعایت وخیال کی بات یہ بھی سنتے چلئے کہ لکھنو پہنچنے پر شب کے گیارہ

بج گئے تو حضرت نے ایک ہوٹل کے پاس رکشہ رکوایا اور رفقاء سے فرمایا: ''یہاں سے روٹی خرید لیں اور جہاں ٹھہریں گے وہاں چٹنی پسوالینگے، اس طرح کام چل جائے گا، اگر رات کو روٹیاں پکانی پڑیں تو گھر والوں کو بڑی زحمت ہوگی''۔

لکھنو جیسے شہر میں گیارہ بجے شب کا وقت ایسے انتظامات کے لئے بہت زیادہ اہم نہیں، محلے، محلے ہوٹل پائے جاتے ہیں اور دس گیارہ بجے تک لوگ کھانا کھایا کرتے ہیں مگر کیا رعایت؟ ''روٹی لے لو پکانا نہ پڑے، پھر آگے چٹنی پسوالینگے''۔

اللہ اکبر! کیا مزاج پایا تھا اور کس قدر دوسروں کی راحت کا خیال تھا حالانکہ وہاں بھی جہاں قیام کرنا تھا خاص و بے تکلف لوگ تھے۔

اور حضرت کے یہاں کہیں جانے اور کھانے میں اس قسم کی رعایت کا یہ ایک قصہ نہیں، یہ تو حضرت کا مزاج تھا، روٹیاں ساتھ لیجانا یا منگانا اور پیاز وٹماٹر وغیرہ کی چٹنی بنالینا، لوگ کہہ بھی رہے ہوں، پیشکش بھی کررہے ہوں مگر حالات کا احساس کر کے نہ صرف انکار بلکہ اسطرح ہوجاتے کہ گویا کھانے کی ضرورت ہی نہیں۔

کپڑے دھونے میں طلبہ کی مدد

حضرت کپڑے بہت جلد اور بہت صاف دھوتے تھے، مدرسہ کے ابتدائی دور میں طلبہ کے ساتھ تالاب و نالے پر تشریف لیجاتے، سب اپنے اپنے کپڑے دھوتے، حضرت اپنے کپڑوں سے فارغ ہو کر طلبہ کے کپڑوں میں مدد فرماتے۔

تجارت کے پیچھے مشقت کی عجیب داستان

فرمایا: ''بہت کم چیزیں ایسی ہوں گی جن کی میں نے تجارت نہ کی ہو، کانپور سے کپڑے، دری، چپل و جوتے لاد کر لایا کرتا تھا (''نومیل'' سے اتنے سامان کو کئی قسطوں میں لانا پڑتا تھا) اس وقت مجھے کوئی جانتا نہ تھا''

فرمایا: ''میں نے سبزی کی بھی تجارت کی ہے، باندہ جب جانا ہوتا تو کافی مقدار میں سبزی لے آتا اور یہاں بہت سستی فروخت کرتا، اس میں بھی فائدہ ہوتا تھا، کم از کم اتنا

تو فائدہ ہوتا تھا کہ کھانے بھر کے لئے بچ جاتی تھی''۔

حضرت کا یہ تجارتی مشغلہ بھی سہولت کا نہیں، بسا اوقات کافی مشقت کا ہوتا تھا ایک مرتبہ خود سنایا: ''لوگوں کو معلوم نہیں کہ مجھ پر کیا حالات گذرے ہیں، ایک زمانے میں گزر بسر کی اتنی تنگی تھی کہ میں شہر ''باندہ'' سے آلو خریدتا، اسے چند گٹھڑیوں میں باندھ لیتا تاکہ اٹھانا آسان ہو، بس سے لاد کر ''نومیل'' پر لاتا، وہاں سے ''ھتورا'' (دو کلو میٹر کے فاصلہ) تک اس طرح لاتا کہ ایک گٹھڑ کچھ فاصلہ پر اٹھا کر دوسرا گٹھڑ اس سے کچھ آگے لیجا کر رکھتا، اس طرح سارے گٹھڑ یکے بعد دیگرے منتقل کرتا رہتا، رفتہ رفتہ ہتورا پہنچ جاتا۔ یہ آلو ''ہتورا'' میں بیچ لیتا، اصل قیمت نکلنے کے بعد جو آلو بچتے اس سے گھر کا خرچ چلتا، کبھی کبھی آلو ہی پر گذارا کرنا پڑتا''۔

حضرت! اہلیت تو نہیں مگر آپ کے فرمانے پر ارادہ کرتے ہیں اور انشاء اللہ اہتمام کریں گے

حضرت مفتی (محمود حسن گنگوہی) صاحب مدرسہ تشریف لائے، وہ مدرسہ کے چونکہ سرپرست تھے لہٰذا انکی صدارت میں مدرسہ میں دورہ حدیث شریف کے آغاز کے سلسلہ میں مشورہ ہوا تو حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے کچھ گفتگو کے بعد اس کی تائید فرمائی کہ دورہ شروع کیا جائے جیسے کہ ایک مرتبہ انہیں حضرت جب دیوبند تشریف لے گئے تو مفتی صاحب نے حضرت سے فرمایا: ''کیا آپ سے لڑنا پڑے گا آخر آپ دورہ کیوں شروع نہیں کرتے؟''

بہر حال جب مفتی صاحب نے ہاں فرمادی تو حضرت نے بھرائی ہوئی آواز میں فرمایا:

''حضرت! اہلیت تو نہیں مگر آپ کے فرمانے پر ارادہ کرتے ہیں اور انشاء اللہ اہتمام کریں گے''۔ حضرت کے اس جواب سے بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت اس بابت کیا سوچتے اور چاہتے تھے۔

طلبہ کے ساتھ شفقت کا معاملہ

طلبہ کے ساتھ حضرت کا شفقت کا جو معاملہ تھا جس کی وجہ سے طلبہ بسا اوقات غلط فائدے بھی اٹھاتے تھے، اس میں اس کا سوال نہ تھا کہ حضرت طلبہ کو مار پیٹ وغیرہ کی سزا دیں بہت کم ایسا ہوتا اور جب ہوتا تو دوسرے وقت حضرت اس کی تلافی ضرور فرماتے اور بہت جلد فرماتے اور اس انداز میں فرماتے کہ طالب علم خوش ہو جائے، ابتدائی زمانہ میں ایسا بہت ہوا کہ کسی کو مارا تو بعد میں چونی دی۔

کبھی سزا کے معاملہ میں کچھ چوک بھی ہو جاتی، بہر حال انسان تھے تو اس کی تلافی اور اچھی طرح فرماتے، طالب علم سے معذرت بھی فرماتے اور اس کو پیسے بھی عنایت فرماتے، ایسے اوقات بھی ہوئے۔ بلکہ بعض معتبر حضرات نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ بعض مرتبہ طالب علم عناد پر آ گیا تو حضرت کو بڑی لجاجت و اصرار سے اس سے معافی مانگنی پڑی۔

ایک مرتبہ مطبخ کے نظم میں کچھ پریشانی تھی، اس کے تحت گفتگو کرتے ہوئے فرمایا:

''دل کا حال تو خدا بہتر جانتا ہے کہ میں طلبہ کے ساتھ کیا کچھ نہیں کرنا چاہتا، ان کو کتنا اچھا کھلانا چاہتا ہوں لیکن کیا کروں جتنا ہو سکتا ہے اتنا ہی کر پاتا ہوں، پوری کوشش کے بعد بھی اگر انتظام صحیح نہیں اور کھانا اچھا نہیں ملتا تو سمجھ لو کہ فیصلہ اوپر ہی سے اس طرح کا ہوا ہے''۔

میں تو ایک کاشتکار، جانور چرانے والے باپ کا بیٹا ہوں

حق تعالیٰ کسی سے کوئی کام لیتے ہیں عالم ہو یا ولی، اس کے اثرات وثمرات جہاں دوسرے دیکھتے ہیں وہ بھی محسوس کرتا ہے اور یوں وہ اس بابت اپنی کوشش و کاوش کو نہ ذکر کرتے ہیں نہ اس کا احساس کرتے و کرواتے ہیں، مگر کبھی اظہارِ حقیقت اور اعتراف نعمت کے طور پر کچھ تذکرہ وتبصرہ کر دیا کرتے ہیں اور یوں تو اس علاقے (ہتورا ضلع باندہ) میں حضرت نے جس حد تک قربانی دی تھی اور اس کی نسبت سے حضرت کے جو

حوصلے تھے اس کے مطابق اثرات ونتائج حضرت نے نہیں دیکھے، اسی لئے کبھی کبھی فرمایا کرتے تھے۔

''مجھے بنجر علاقہ ملا ہے'' یا ''مجھے تو ایسا علاقہ ملا ہے کیا بتاؤں'' کبھی لوگوں سے کہتے: ''ہمارے یہاں آیئے تو اپنا علاقہ دکھائیں کہ کیسا بنجر ہے''۔ بہر حال ایک مرتبہ حضرت سے جو کام ہوا اور ضرور ہوا اور الحمد اللہ بہت کچھ ہوا۔ بطور تحدیث نعمت اور پوری تواضع کے ساتھ اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے مجھ سے جو بھی کام لیا ہے یہ سب ہمارے بڑوں کی دعاؤں کا ثمرہ ہے، میں تو ایک کاشتکار، جانور چرانے والے باپ کا بیٹا ہوں، اللہ کا کرم ہے اس نے یہ کام لیا ہے، یہ سب ہمارے بڑوں کا طفیل ہے جن کی برکت ہے''۔

ان کے ایثار وقربانی اور خلوص میں شبہ نہیں، لیکن میرا کیا ہوگا

قاری صدیق صاحب لکھنوی حضرت رحمہ اللہ کے نہایت مخلص دوست تھے، حضرت ان کے بڑے احسان مند تھے اور برابر ان کا تذکرہ فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک سلسلہ ءگفتگو میں فرمایا:

''قاری صاحب لکھنو سے میری دعوت پر تشریف لاتے اور پورے علاقے کا بیل گاڑی پر سفر فرماتے، ایک ایک ہفتہ کا سفر ہوتا تھا، باندہ کے اطراف میں مختلف علاقوں کا سفر ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ شدید بخار تھا، اسی حال میں لکھنو سے تشریف لائے اور آنے کے بعد فرمایا:

''میں تو یہ سوچ رہا تھا کہ اس بیچارے (یعنی حضرت علیہ الرحمۃ) نے لوگوں سے وعدہ کر رکھا ہوگا، اس کا کیا ہوگا''۔

بڑے مخلص تھے، انکے میرے اوپر بڑے احسانات ہیں، ایک مرتبہ ''برولی'' تشریف لے گئے تو وہاں اعزاز میں بیسیوں قسم کے کھانے دستر خوان پر آئے، یہ دیکھ کر قاری صاحب آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا:

ان بیچاروں کی تو بن گئی، مجھ کو نیک سمجھ کر خرچ کرتے ہیں لیکن ہمارا کیا ہوگا''۔

حضرت علیہ الرحمۃ نے قاری صاحب کی اس بات کو نقل کرنے کے بعد فرمایا:

''میں بھی اپنے متعلق سوچتا ہوں کہ بلانے والے بیچارے تو بہت خرچ کرتے ہیں وہ تو مجھے نیک سمجھتے ہیں، ان کے ایثار و قربانی اور خلوص میں شبہ نہیں لیکن میرا کیا ہوگا''۔

مجاہد ملت حضرت مولانا عبداللطیف صاحب جہلمی رحمہ اللہ

(خلیفہ مجاز حضرت لاہوری رحمہ اللہ) کے واقعات

پوری زندگی للّٰہیت و بے نفسی سے عبارت تھی

حافظ محمد جاوید حضروی لکھتے ہیں:

مجھے جامعہ حنفیہ جہلم میں داخلہ لینے سے پہلے حضرت جہلمی کو دیکھنے اور سننے کا موقع ملا تھا لیکن جب جامعہ میں داخلہ لیا تو حضرت کی للّٰہیت اور بے نفسی کے ساتھ بہت اوصاف سے آگاہ ہوا۔

آپ نے اپنی زندگی میں جامعہ کے آخری جلسہ کے لئے شہریوں اور طالب علموں کا جو اجلاس بلوایا، اس میں آپ نے طلبہ سے فرمایا کہ:

''اے عزیز طلبہ! تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے مہمان ہو، ہمارا جی چاہتا ہے کہ تمہارے کمروں میں خود صفائی کریں، تمہارے برتن دھوئیں، لیکن مدرسہ کی دوسری ذمہ داریاں اور مصروفیات رکاوٹ بن جاتی ہیں'' اور شہریوں سے فرمایا کہ: ''مجھے یہاں جہلم میں نصف صدی سے زیادہ عرصہ ہو چکا ہے، کوئی ایک شخص کھڑے ہو کر بتا دے کہ عبداللطیف نے کبھی چندہ کی اپیل کی ہو، لیکن تمہیں اس لیے بلا لیتے ہیں تا کہ تم یہ نہ کہو کہ ہمیں پوچھا نہیں جاتا اور یہ بھی سمجھ لو کہ دین تمہارا محتاج نہیں تم دین کے محتاج ہو''۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت کی ساری زندگی للّٰہیت و بے نفسی سے عبارت تھی۔

(ماہنامہ ''حق چار یار'' خصوصی نمبر ۱۵۹)

طلبہ سے محبت وشفقت

جناب حافظ زاہد حسین رشیدی کا بیان ہے:

حضرت جہلمی طلبہ سے بہت زیادہ محبت وشفقت فرماتے تھے اور دوسروں کو بھی طلبہ کے مقام سے آگاہ فرماتے رہتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ دفتر کے سامنے کسی چھوٹے طالب علم نے پاخانہ کر دیا، حضرت مدرسہ تشریف لائے تو پوچھا کہ یہ پاخانہ کس نے کیا ہے؟ غالباً حضرت ناظم صاحب نے فرمایا کہ حضرت! کسی چھوٹے طالب علم نے کیا ہوگا، فرمایا کہ اٹھایا کیوں نہیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت! جمعدار آئے گا تو اٹھوا دیں گے۔ حضرت نے غصے ہو کر فرمایا لاؤ، میں خود اٹھاتا ہوں تمہیں کیا معلوم کہ طلبہ کا مقام کیا ہے۔ یہ تو وہ لوگ ہیں کہ فرشتے برکت کے حصول کے لئے ان کے پاؤں تلے اپنے نورانی پر بچھاتے ہیں''۔

ایک دفعہ ایک مہمان آئے تو حضرت نے ایک طالب علم سے کہا کہ جاؤ کھانا لے آؤ طالب علم نے عرض کیا کہ حضرت کھانا تو ختم ہوگیا۔ فرمایا جو طالب علموں کا بچا ہوا ہے وہ لے آؤ، وہ کچھ ہچکچایا کہ مہمانوں کو بچے ہوئے ٹکڑے لا کر دوں۔ حضرت نے محسوس فرماتے ہوئے سختی سے فرمایا کہ: ''طلبہ کے ٹکڑوں کی جو عظمت ہے وہ بڑے بڑے اعلیٰ کھانوں میں کہاں''؟ چنانچہ کئی دفعہ حضرت کو طلبہ کے بچے ہوئے ٹکڑے کھاتے ہوئے دیکھا گیا۔

(بحوالا بالاص ۶۹۲)

تاج العارفین حضرت مولانا پیر جی محمد ادریس انصاری رحمہ اللہ کی عبدیت وفنائیت

آپ کے خلیفہ مجاز حضرت حافظ شوکت علی صاحب نقشبندی زید مجدھم تحریر فرماتے ہیں:

حضرت پیر جی رحمۃ اللہ علیہ شہرت سے بڑی نفرت فرماتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ ''گمنامی زندگی میں عافیت ہے''۔ کبھی بھی اپنا بیان بذات خود اخبار والوں کو نہیں دیا۔ اگر کسی نے اخبار میں بیان دے دیا تو معلوم ہونے پر ناپسندیدگی کا اظہار فرماتے۔

ایک مرتبہ راقم الحروف نے خانقاہ غفوریہ کے ساتھ ''ادریسیہ'' لکھوادیا تو فرمانے لگے کہ ''حافظ جی! کیا لکھوالائے ہو، خانقاہ غفوریہ ہی رہنے دو اور آگے والے الفاظ (یعنی ادریسیہ) ختم کروادو۔

سالانہ اجتماع میں خانقاہ غفوریہ کے مین گیٹ پر راقم الحروف نے خانقاہ غفوریہ نقشبندیہ'' کا بورڈ لگوادیا تو فرمایا کہ ''حافظ جی! تشہیر اچھی نہیں ہے ہم نے تو ساری عمر چھپ کر گزاردی اب تم کس کام میں پڑ گئے ہو''۔ (حیات ادریس ص ۵۷)

شیخ الحدیث حضرت مولانا سبحان محمود صاحب رحمہ اللہ کے واقعات

تواضع اور خدمت کے حسین پیکر

آپ کے تلمیذ رشید حضرت اقدس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدھم تحریر فرماتے ہیں:

کتابی علم تو بہت سے لوگوں کو حاصل ہوجاتا ہے، لیکن انسان کی عظمت درحقیقت اس وقت ظاہر ہوتی ہے جب علمی تبحر کے باوجود وہ تواضع اور خدمت کا پیکر بن جائے۔

حضرت مولاناؒ کی حیات طیبہ اس معاملے میں بھی ایک مثال کی حیثیت رکھتی تھی وہ اپنے گھرانے میں واحد عالم دین تھے، ان کے والد ماجد بھی جدید تعلیم یافتہ تھے، اور تمام بھائی بھی، اللہ تعالیٰ نے انہیں علم وفضل کا اعلیٰ مقام عطا فرمایا، لیکن اپنے والد کی خدمت کے معاملے میں انہوں نے اپنے آپ کو ہمیشہ مٹائے رکھا یوں تو خدمت والدین انکی ادا ادا سے نمایاں تھی، لیکن اس کا بطور خاص مظاہرہ ہمیں ۱۹۶۳ء میں اس وقت ہوا جب حضرت مولاناؒ اپنے والدین کے ہمراہ حج کے سفر پر تشریف لے گئے، حسن اتفاق سے اسی سال ہم دونوں بھائی بھی حضرت والد صاحب کی معیت میں حج فرض کی ادائیگی کے لئے گئے ہوئے تھے، اسکے علاوہ ہمارے بزرگ استاذ حضرت مولانا اکبر علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس سال حج کیا تھا۔

حضرت مولانا اکبر علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ مظاہر العلوم سہارنپور کے قدیم اساتذہ

میں سے تھے حضرت مولانا سبحان محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے باضابطہ کوئی درس تو نہیں لیا لیکن جس زمانے میں حضرت مولاناؒ مظاہر العلوم میں پڑھتے تھے، اس زمانے میں حضرت مولانا اکبر علی صاحب وہاں پڑھایا کرتے تھے، اس نسبت سے حضرت مولانا سبحان محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ انکی ایسی ہی عزت فرماتے تھے جیسے اپنے حقیقی استاد کی کی جاتی ہے اور ساری عمر انکے ساتھ استاد جیسا ہی معاملہ فرماتے رہے۔

حضرت مولانا اکبر علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ چونکہ ضعیف تھے اور سفر حج میں بالکل تنہا، اس لئے حضرت مولانا سبحان محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں اپنے ساتھ رکھ لیا، اس طرح انکے ساتھ والدین بھی تھے، اور حضرت مولانا اکبر علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی، اور یہ سب حضرات عمر رسیدہ بھی تھے، اور مختلف عوارض کا شکار بھی، اور نہایت نازک مزاج اور زود رنج بھی، حضرت مولانا سبحان محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ انکی خدمت کے لئے تنہا تھے، پہلی بار حج کا سفر کیا تھا اور اس دور کے حج میں مشقتیں آج سے کہیں زیادہ تھیں، لیکن انہوں نے ان تینوں بزرگوں کی خدمت کا جو حق ادا کیا ہے اور انکے سامنے اپنے آپکو مٹا دینے کے جو مناظر ہم نے دیکھے ہیں وہ آج بھی دل پر نقش ہیں، انہیں الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے۔

اور ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ ظاہری علم وفضل کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے انہیں تواضع اور خدمت کے کس بلند مقام پر فائز فرمایا ہے۔

حضرت مولاناؒ کے والد ماجد بڑے نازک مزاج اور جلالی بزرگ تھے، خلاف طبع باتوں پر وہ حضرت مولاناؒ کے شاگردوں کے سامنے بھی ان پر بگڑ جاتے تھے، لیکن ایسے موقع پر حضرت مولانا کا رویہ جتنا متواضع اور نیاز مندانہ ہوتا اسکی مثالیں اب بہت کم ملیں گی والد صاحب کی اطاعت کا مظہر یہ واقعہ بھی ہے کہ حضرت مولاناؒ کا اصل نام جو والدین نے رکھا تھا وہ ''سبحان محمود'' تھا، جب مولانا کا تعلق ہمارے والد ماجد (حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ) سے ہوا تو حضرت والد صاحبؒ نے ان سے فرمایا کہ ''سبحان'' نام مناسب معلوم نہیں ہوتا کیونکہ عام طور سے یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے ساتھ استعمال ہوتا ہے جیسے (سبحان اللہ) حضرت والد صاحبؒ نے مشورہ دیا کہ آپ اپنا

نام بدل کر ”سحبان محمود“ کر لیجئے۔

حضرت مولانا اس تجویز سے متفق بھی تھے اور چاہتے تھے کہ حضرت والد صاحبؒ کی اس ہدایت پر عمل کریں، لیکن جب انہوں نے یہ تجویز اپنے والد صاحب سے ذکر کی تو انہوں نے نام بدلنے سے منع کر دیا اب ایک طرف تو مفتی اعظم پاکستان کی تجویز تھی جس سے وہ خود متفق تھے، لیکن دوسری طرف والد کا حکم تھا۔ حضرت نے اس مشکل کا حل یہ نکالا کہ اپنے نام کی تبدیلی کا اعلان تو نہیں کیا (کیونکہ اس نام کو صراحۃً ناجائز بھی نہیں کہا جا سکتا اور والد بھی تبدیلی کے حق میں نہیں تھے) لیکن اپنے دستخط اس طرح بنا لئے کہ انہیں ”سحبان“ بھی پڑھا جا سکتا تھا۔ جب تک مولاناؒ کے والد بقید حیات رہے، انہوں نے نام تبدیل نہیں کیا لیکن والد صاحب کی وفات کے بعد بھی دو تین سال پہلے، ختم بخاری کے مجمع عام میں اعلان فرمایا کہ میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مشورے کے مطابق اپنا نام تبدیل کرتا ہوں اور آج کے بعد مجھے ”سحبان محمود“ لکھا اور کہا جائے۔ اندازہ فرمایئے اس واقع میں کن کن پہلوؤں کی رعایت ہے۔ دستخط میں تو نام فوراً اس طرح تبدیل کر دیا کہ وہ مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مشورے کے مطابق ہو جائے مگر اعلان اپنے والد کے احترام میں مدتوں روکے رکھا۔ اور پھر تبدیلی کا اعلان ایسے وقت میں فرمایا جب وہ ہزار ہا افراد کے مقتدا تھے، عمر کے اس مرحلے میں تبدیلی کا اعلان یقیناً بے نفسی کے اعلیٰ ترین مقام کی نشاندہی کرتا ہے۔

(ماہنامہ البلاغ خصوصی نمبر ۲۵ تا ۲۷)

میں مولوی کب ہوں؟

حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب بلند شہری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

۱۳۷۴ھ میں احقر دار العلوم کراچی سے وابستہ ہوا تھا، بارہ سال وہاں کام کیا پھر رمضان المبارک ۱۳۹۶ھ میں مدینہ منورہ حاضر ہو گیا، الحمد للہ ایک سال بعد اہل وعیال بھی آ گئے اسوقت سے لیکر اب تک مدینہ منورہ میں قیام ہے۔ اسکن اللہ تعالیٰ فیھا حیاً و میتاً

حضرت مولانا سبحان محمود صاحبؒ جب عمرہ کے لئے تشریف لاتے تو ضرور ملاقات فرماتے اور اپنی زیارت اور ھدایا سے نوازا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ پانچ سو سعودی ریال پیش فرمائے، میں نے عرض کیا، کیا مولوی بھی ھدیہ دیتے ہیں۔ فرمایا میں مولوی کب ہوں۔ اللہ اللہ یہ علمی مقام اور یہ تواضع کا عالم۔

حضرت مولانا سحبان محمود صاحبؒ سے بے تکلفی بھی تھی، احقر اپنے مزاج کے مطابق کبھی کبھی اعتراض بھی کر دیتا تھا تو وہ اسے خوش اسلوبی کیساتھ برداشت فرما لیتے تھے، ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ حضرات اکابر مدرسین کے صاحبزادگان جو حفظ کرتے تھے، انکے بارے میں حفظ کے اساتذہ نے یہ کہہ دیا کہ یہ آگے حفظ میں نہیں چل سکتے، ان حضرات نے درجہ حفظ سے اٹھا کر اسکولوں میں داخل کر دیا۔ حضرت ناظم صاحبؒ نے بھی اپنے بڑے لڑکے کو اسکول میں داخلہ دلا دیا اور اپنی بصیرت سے بھانپ لیا کہ میں اس پر کچھ اعتراض کر سکتا ہوں، میرے کچھ کہنے سے پہلے ہی فرمایا کہ مولوی ہونا کوئی فرض عین تو نہیں، فرض کفایہ ہے۔ اتنا ہی فرمایا تھا کہ احقر نے عرض کیا کہ امت کو جتنے علماء کی ضرورت ہے کیا اتنی تعداد میں علماء موجود ہیں؟ مزید ہمت کرتے ہوئے احقر نے عرض کیا کہ دیکھئے، میت کا غسل کفن و دفن فرض کفایہ ہے "کسی مسلمان کی وفات ہوگئی، ایک شخص تیار ہوا، اس نے تنہا میت کو غسل دیا پہلے یوں ڈالا پھر دوسری طرف پچھاڑا، پھر مشکل سے کفن پہنایا، پھر میت کو اٹھا کر کسی چارپائی پر ڈالا، لوگ کھڑے دیکھتے رہے، کسی نے ہاتھ نہ لگایا، پھر اسی شخص نے چارپائی میں رسی ڈالی، چارپائی پر میت پڑی ہے، وہ شخص رسی پکڑ کر کھینچتا ہوا میت کو قبرستان لے گیا۔ سب لوگ دیکھتے رہے۔ نہ کوئی شروع سے ساتھ لگا نہ جنازے کو قبرستان لے جانے میں شرکت کی، جب قبرستان لے گیا تو وہاں قبر کھدی ہوئی نہ تھی، اس شخص نے اکیلے قبر کھودی، جنازہ رکھا رہا، جب قبر کھود لی تو میت کو الٹا سیدھا کر کے قبر میں ڈال دیا۔ کیا اس عمل سے فرض کفایہ ادا ہو گیا اور وہ سب بری الذمہ ہو گئے جو اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔

یہی حال علماء کی قلت کا ہے، جتنے بھی علماء ہیں امت کے کروڑوں افراد کی ضرورت کے لئے کم ہیں۔ یہ سن کر حضرت والا نے خاموشی اختیار فرمائی اور کوئی جواب نہ

دیا، محض مسکرا کر چھوڑ دیا۔ اگر کوئی ضدی آدمی ہوتا تو اپنے سے کم تر آدمی کی بات کی تردید کرتا اور اپنے عمل کو صحیح قرار دینے میں لفاظی سے کام لیتا اور بڑھ چڑھ کر اپنی طرف داری کرتا، درحقیقت مخلصین کے سامنے اپنا نفس ہوتا ہی نہیں ہے۔

''مجھے تو حدیث کے معنیٰ کا بھی پتہ نہیں'':

آپکے رفیق خاص حضرت مولانا سید حامد علی شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:

میرے رفیق حضرت مولانا سحبان محمود صاحب کو دوران تعلیم رؤیائے صالحہ کا سلسلہ طویل رہا۔ کئی مرتبہ فرمایا میں اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک رات عالم خواب میں حضور ﷺ کی خدمت میں پیش ہوئے، حضور ﷺ نے ہم دونوں کو دوڑ لگانے کا حکم فرمایا ہم نے دوڑ لگائی تو میں ام المومنین سے آگے نکل گیا، پوچھنے لگے اس کی کیا تعبیر ہوسکتی ہے؟ میں نے عرض کیا انشاء اللہ علم وحدیث سے وافر حصہ ملے گا۔ خاموش ہوگئے زمانہ تعلیم میں سہارنپور میں کئی منامی بشارتیں ہوئیں۔ ان کا تذکرہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ کیا مطلب ہوسکتا ہے، میں نے عرض کیا، یار ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم درا العلوم دیوبند کے شیخ الحدیث بنوگے۔ فرمایا اے جا! یہ منہ اور مسور کی دال، اللہ نے دارالعلوم دیوبند کا تو نہیں، البتہ دارالعلوم کراچی کا شیخ الحدیث بنا ہی دیا۔ مولاناؒ کو جب دارالعلوم میں حدیث کے اسباق ملے تو میں نے خط کے پتے پر نام کے ساتھ شیخ الحدیث لکھ دیا، جواباً رقم فرمایا ''بھائی مجھے تو حدیث کے معنیٰ کا پتہ نہیں اور آپ نے شیخ الحدیث کیسے لکھ دیا''

حضرت کی بے نفسی

حضرت اقدس مفتی محمود اشرف صاحب زید مجدھم تحریر فرماتے ہیں:

حضرت مولاناؒ بہت بے نفس اور مسکین طبع بزرگ تھے، نامعلوم، جوانی کے کس حصہ میں حضرت نے اپنے نفس امارہ کو اپنی زندگی سے بے دخل کیا تھا کہ بے نفسی، مسکنت اور تواضع حضرت کی طبیعت بن گئی تھی۔

اکثر صبح کو وہ تہبند پہن کر اور دو پلی ٹوپی سر سے اتار کر ٹہلتے اور مدرسے کا چکر لگاتے تو دیکھنے والے کو یہ شبہ بھی نہ ہوتا کہ یہ دارالعلوم کے شیخ الحدیث، ناظم اعلیٰ، اور سب اساتذہ کے استاذ ہیں۔ عام حالات میں بھی ان کا لباس اتنا سادہ اور عمومی ہوتا تھا کہ عوام اور طلباء اور حضرت کے درمیان شناخت ممکن نہ ہوتی۔

واقفان حال جانتے ہیں کہ حضرت کون کسی جگہ بیٹھنے میں کوئی تکلیف اور نہ کہیں جانے میں انکار واصرار کے تکلفات تھے، جہاں دل چاہتا بیٹھ جاتے اور جہاں جانے میں دین کا فائدہ نظر آتا جانے کے لئے تیار ہوجاتے، خواہ وہ جگہ کتنی دور پسماندہ ہی کیوں نہ ہو، شہرت سے وہ ہمیشہ گریزاں رہے۔

چنانچہ نہ وہ اخباری بیانات کے آدمی تھے اور نہ خطیبانہ جلسوں کے عادی، مگر ان کے جنازے میں ان گنت افراد نے شرکت کرکے اس بات کی گواہی دی کہ انکے دینی اثرات، بہت دوررس اور ان کی دینی خدمات بہت وسیع تھیں اور انہوں نے جس بے نفسی اور تواضع کے ساتھ لوگوں کی دینی خدمت کی، اس کے نقوش جلد مٹنے والے نہیں ہیں۔

اگر چہ یہ نا کارہ اس کا اہل نہیں ہے لیکن

آپ کے خلیفہ مجاز جناب نجیب الحق صاحب زید مجدھم آپکے تذکرہ میں راقمطراز ہیں:

۱۱ستمبر ۱۹۸۶ء۔۔۔۔احقر کی درخواست کے جواب میں مولانا نے تحریر فرمایا، یہ ''حق تعالیٰ کا فضل وکرم اور انعام ہے اور آپکا حسن ظن۔۔۔۔۔اگر چہ یہ نا کارہ اسکا اہل نہیں ہے، لیکن حضرت کے امتثالِ امر میں بگرانی خاطر اس کو انجام دے رہا ہے اور حضرت کے علوم ومعارف کو سامنے رکھ کر خود بھی رہنمائی حاصل کرتا ہے متوسلین کو بھی اسی طرف متوجہ کرتا ہے''۔

سبحان اللہ کیا پیارا انداز بیان ہے اور کس قدر تواضع ہے، اپنے وقت کا شیخ الحدیث جسکے ہزاروں شاگرد بکھرے پڑے ہیں کیا فرماتے ہیں ''اگر چہ یہ نا کارہ اسکا اہل نہیں ہے لیکن حضرت کے امتثال میں بگرانی خاطر اسکو انجام دے رہا ہے''۔

اپنی ذات کی نفی کر کے اپنے شیخ کی کیسی عظمت اور تکریم فرمائی اور کیا عمدہ تعلیم فرمائی کہ خواہ کچھ بھی ہو شیخ، شیخ ہی رہیگا۔ اس کی عظمت، اس کی عزت اور اسکی تکریم کا ہر دم احساس ہی رہے گا، مزید تحریر فرمایا: ''اور حضرت کے علوم و معارف کو سامنے رکھ کر خود بھی راہنمائی حاصل کرتا ہے اور متوسلین کو بھی اسی طرف متوجہ کرتا ہے''۔

حضرت نے اس چھوٹے سے جملے میں تصوف کی حقیقت بیان کردی کہ شیخ کے علوم و معارف سے راہنمائی حاصل کرتے رہو گے تو کامیابی کی منزل کی طرف گامزن رہو گے۔ بڑوں کی باتوں کو سینے سے لگانا اور ہر وقت انکا دھیان رکھنا، حضرت والا کی کیا شان رہی ہے؟

آپ بار بار معذرت کے الفاظ فرماتے رہے

آپ کے تلمیذ رشید مولانا محمد منصور احمد صاحب زید مجدھم تحریر فرماتے ہیں:

آپکی سیرت و کردار کا وہ عنصر جس نے آپ کے چاہنے والوں کو سب سے زیادہ متاثر کیا آپکی تواضع اور بے نفسی تھی، ایک بڑے ادارے کے ناظم اعلیٰ اور شیخ الحدیث ہونے کے باوجود کوئی آپکو دیکھ کر نہیں پہچان سکتا کہ یہ کوئی بلند پایہ عالم، شیخ طریقت اور باکمال مدرس ہیں، آپکے آگے پیچھے چلنے والوں کی کوئی قطار نہیں ہوتی تھی، مسجد میں بھی متواضعانہ نشست ہوتی تھی۔ دفتر کے علاوہ آپ کسی سے بلند آواز سے گفتگو نہ فرماتے۔

ایک جاننے والے بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت کی خدمت میں حاضری ہوئی تو حضرت کسی کام میں مصروف تھے، تھوڑی دیر بعد تشریف لائے تو اتنی معذرت کی میں پانی پانی ہوگیا۔ حالانکہ وقت بھی زیادہ نہیں گذرا تھا۔ مگر حضرت بار بار معذرت کے الفاظ دہراتے رہے۔

جواب تو مفتی صاحب کو دینا چاہیے تھا لیکن میں نے جلدی میں دیدیا ہے

آپکے تلمیذ رشید مولانا محمد اکمل صاحب زید مجدھم تحریر فرماتے ہیں:

بخاری شریف کی روایت اور روایت پر جب کلام کرتے تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جیسی ہستی بھی فخر کرتی ہوگی، بندہ اکثر و بیشتر انکی گفتگو کی جاذبیت میں کھو جاتا تھا۔

مجھے یاد ہے کہ شہادت عمر رضی اللہ عنہ کے واقعے کو جب بخاری شریف میں بیان کیا تو دونوں گھنٹوں میں بندہ کے آنسو نہ تھم سکے۔ خوفِ خدا اور استحضارِ آخرت اتنا تھا کہ جب بھی کوئی مثال دیتے تو پہلے اپنی طرف اشارہ فرماتے۔ ایک دن ذکر موت کے وقت کثرت ذکر موت کا حدیث میں بیان کرتے ہوئے اپنی طرف اشارہ کرکے فرمایا: ''دوسروں کو چھوڑ دو اس بڈھے کو دیکھئے کہ عمر کے باسٹھ برس گزار چکا ہے، لیکن اب تک موت کی کوئی تیاری نہیں کر رہا۔ اور سمجھتا ہے کہ ہمیشہ اس دنیا میں رہے گا۔

ٹھیک اس کے دس سال بعد حضرت والا کی وفات ہوئی، اس سال جب نواب شاہ تشریف لائے تو میں نے اسکا تذکرہ کیا تو مسکرانے لگے، جب میں نے عرض کیا کہ حضرت اس حساب سے آپکی عمر ۷۶ سال ہونی چاہیے، کیونکہ میں نے یہ قصہ ۸۹ء کے اوائل میں سنا تھا تو فرمایا ہاں ۷۶ سال عمر ہے۔ طلبا سے مدرسہ کی مسجد میں جب بیان فرماتے تو اکثر فرماتے تھے ''اس بڈھے کو دیکھ کر عبرت حاصل کرو اور اپنی اصلاح کرو''۔

انکی کسر نفسی کا یہ عالم تھا کہ بسا اوقات جب کوئی سائل سوال کرتا تو جواب دیتے اور بعد میں فرماتے کہ جواب مفتی صاحب کو دینا چاہیے تھا، لیکن میں نے جلدی میں دیدیا ہے ''مفتی صاحب! آپ فرمائیں میرا جواب صحیح تھا''؟۔

اپنے تلامذہ کے ساتھ شفقت کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ دوران سبق بندہ نے ایک سوال کیا مگر اس سوال کو صحیح طریقے سے سمجھا نہ سکا۔ مجھے ایسا لگا کہ میرا سوال ہی غلط ہے، درسگاہ میں موجود طلبا زور سے ہنسنے لگے، حضرت نے مجھے خفت سے بچانے کے لئے فرمایا کہ مولوی صاحب نے سوال کیا میں اس کی تشریح کرتا ہوں۔ اور تشریح کرنے کے بعد اسکا جواب دیا زندگی میں بے شمار اساتذہ کی جوتیاں اٹھانے اور خدمت کرنیکا اللہ تعالیٰ نے موقع عطا فرمایا مگر جو لطف حضرت والا کی خدمت میں آتا خدا جانے آج اس لطف کو یاد کرکے دوران تحریر بندہ کی آنکھیں آنسو بہانے پر مجبور ہیں۔

ہرگز نہیں یہ سب مجھ سے افضل ہیں

آپ کے خادم خاص مولوی رشید احمد اعظمی صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:
اپنے شیخ جیسے انکساری کسی میں نہیں دیکھی۔ ہر آدمی سے اسطرح تواضع اور احترام کے ساتھ ملتے تھے کہ وہ پہلی ہی ملاقات میں آپکے اخلاق حسنہ سے متاثر ہو جاتا۔ اس قدر تواضع کے ساتھ پیش آتے کہ سامنے والا شرمندہ ہو جاتا، لیکن آپ اسے اپنا حق سمجھتے تھے۔

ایک مرتبہ ایک نکاح کی تقریب میں تشریف لے گئے، زیادہ ہجوم کیوجہ سے اسٹیج کے قریب جانے کا راستہ نہیں مل رہا تھا۔ احقر نے چپکے سے لوگوں کو ہاتھ کے اشارے سے راستہ دینے کے لئے کہا۔ حضرت نے دیکھ لیا فوراً فرمایا کہ کیا میں لوگوں سے بہتر ہوں، ہرگز نہیں یہ سب مجھ سے افضل ہیں۔ انہیں حقیر نہ سمجھ، بالآخر جگہ ہونے کے بعد آگے تشریف لے گئے۔

ایک دن ایک صاحب حضرت کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ حضرت فلاں صاحب میرا ایک کام نہیں کرر ہے، اسکی وجہ سے پریشانی ہے، وہ صاحب بھی حضرت سے کچھ تعلق رکھتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر میرے جانے سے آپکا کام بن جاتا ہے تو میں جانے کے لئے تیار ہوں، ان صاحب نے عرض کیا کہ حضرت وہ شخص بہت منہ پھٹ ہے، کہیں کوئی غلط بات نہ کہہ دے وہ آپکی عزت کا بھی خیال نہیں کرے گا۔ حضرت نے فرمایا کہ بھائی! پہلے ہی کیا عزت ہے، آپ یہ بتائیں کہ میرے جانے سے آپکا کام بن جائیگا یا نہیں؟ اگر میرے جانے سے تمہارا کام بن جاتا ہے تو میں چلنے کے لئے تیار ہوں۔

سبحان اللہ کیا تواضع کا مقام تھا۔

وفات سے چار دن پہلے میں نے عرض کیا کہ ہمارے بڑے بہنوئی مولانا شفیع الرحمٰن صاحب (امام وخطیب مسجد طیبہ گلشن اقبال) کی درخواست ہے کہ ہماری مسجد میں بھی حضرت کا بیان رکھوادو، میں اب تک آپکی مصروفیات اور ضعف کیوجہ

سے کچھ عرض کرنے کی ہمت نہیں کرسکا۔لیکن اب انکا اصرار کافی بڑھ گیا ہے، حضرت نے فرمایا کہ بھائی! میں اس قابل کہاں۔مزید فرمایا کہ اگر تم کہتے ہو تو ٹھیک ہے، آئندہ ہفتہ یا ددلانا وقت مقرر کرلیں گے۔لیکن افسوس کہ اس کے چار دن بعد ہی انتقال فرما گئے۔کیا معلوم تھا کہ یہ روشن ستارہ اتنی جلدی رخصت ہو جائیگا۔

میری غلطیوں کو معاف فرمادیں

ختم بخاری شریف کے موقع پر شرکاءدورہ حدیث کو آخری دن قیمتی نصائح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''میں اگرچہ عمر میں آپ سے بڑا ہوں، لیکن مرتبہ میں چھوٹا ہوں۔آپ طالبعلم ہیں، میں تو دنیادار آدمی ہوں، بہت زیادہ احتیاط کرتا ہوں۔لیکن پھر بھی انسان ہوں بشر ہوں، خطا ہو جاتی ہے، سب سے پہلے میں کھلے دل سے آپ سے عرض کرتا ہوں کہ میری غلطیوں کو معاف کردینا۔اللہ تعالیٰ بھی معاف فرمائیں گے اور آپکی جانب سے جو غلطیاں میرے حق میں ہوئی ہیں میں نے بھی انکو کھلے دل سے معاف کردیا، اللہ تعالیٰ مجھے بھی معاف فرمائے۔

(یہ الفاظ ادا کرتے ہوئے حضرت والا پر گریہ طاری ہو گیا)

سبکدوشی حاصل کرو۔حضرات! پوری طرح سبکدوشی حاصل کرو اور اس مجلس سے اٹھنے کے بعد اپنے آپ کو پاک صاف کرلو۔اس کی طرف خیال کرو۔اعتدال پر قائم رہیں۔اختلاف میں بھی اعتدال، مسلک میں بھی اعتدال''۔(اہل علم کی زندگی ص ۲۳۰)

عارف باللہ حضرت قاری فتح محمد صاحب پانی پتی رحمہ اللہ کے واقعات

مولوی قاری محمد دین صاحب لکھتے ہیں:

ہمارے حضرت جی میں تواضع کی صفت بدرجۂ اتم ہے آپ نے اپنی تعریف کبھی

اپنی زبان سے نہیں کی، اگر کسی نے آپ کے سامنے تعریف کی تو آپ کی عادت یہ ہے کہ خاموش ہو جاتے ہیں یا نہیں نہیں فرما دیتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے "من تواضع للہ رفعہ اللہ" (جس نے اللہ کیلئے تواضع وانکساری کی اللہ تعالیٰ اسکو بلند فرما دیتے ہیں) آپ اس حدیث کے صحیح مصداق ہیں کہ جتنی آپ تواضع فرماتے ہیں اتنی ہی عزت ورفعت اللہ کی طرف سے آپ کو ملتی ہے اس وقت جو بے پناہ مقبولیت بزرگانِ دین میں ہمارے حضرت والا کو حاصل ہے۔ وہ باید وشاید۔ آپ اس دعا کے بھی صحیح مصداق ہیں۔ اللھم اجعلنی فی عینی صغیرا وفی اعین الناس کبیراً (اے اللہ مجھے میری نظر میں چھوٹا اور لوگوں کی نگاہ میں بڑا بنا دے)۔ آپ کی تواضع کے چند واقعات وارشادات بطورِ نمونہ یہاں درج کیئے جاتے ہیں:

واقعہ (۱)

ایک صاحب نے بذریعہ حضرت والا سے استدعا کی کہ آپ اس خادم کو بیعت فرما لیں۔ حضرت والا نے عذر فرما دیا۔ بہت اصرار کے بعد آپ نے تحریر فرمایا: اس شرط پر اس کو بیعت کرتا ہوں کہ اگر آپ کی اصلاح میں کمی رہ جائے تو قیامت کے دن آپ مجھ سے بالکل مواخذہ نہ کریں۔ اس کے جواب میں اس صاحب نے تحریر کیا: حضرت جی انشاء اللہ قطعی ایسی حرکت نہیں کروں گا، اگر میری اصلاح میں کمی رہ گئی تو وہ میری اپنی کوتاہی کی وجہ سے ہوگی تب اس یقین پر آپ نے بندہ کو بیعت فرمایا۔

(سوانح فتحیہ ۲۵۴)

واقعہ (۲)

حضرت والا نے اپنا وصیت نامہ ص ۹ پر تحریر فرمایا: اپنی اہلیہ محترمہ سے گزارش ہے کہ آپ نے وفاداری، محبت اور خلوص کے ساتھ خوب خدمت کی اللہ تعالیٰ آپ کو دونوں جہانوں میں اپنی شایانِ شان بہت جزاء خیر عطا فرمائے۔ بندہ آپ سے بہت ہی خوش ہے اللہ تعالیٰ آپ کو دونوں جہانوں میں خوشیاں نصیب کرے، بندہ سے خاص کر معذور، مفلوج ہونے کے زمانہ میں آپ کی ضرور حق تلفی ہوئی اس کی معافی چاہتا ہوں، خدا کے

لیے معاف کردیں۔ انشاء اللہ اللہ پاک آپ کو دونوں جہانوں میں جزاء خیر عطا کریں گے اور بندہ کی جدائی پر صبر وتحمل کو نہ جانے دیں، محض اللہ پر بھروسہ رکھیں وہی سب کا متولی ، مددگار ہے اس تحریر کے لفظ سے تواضع اور انکساری کا سبق ملتا ہے کہ آپ نے اپنی خودی کو کس طرح مٹایا۔ اور یہ طلب معافی محض اس لیے ہے کہ آخرت میں کسی قسم کی پریشانی نہ ہو کیونکہ حدیث مبارک میں آتا ہے کہ اگر بیوی نے خاوند کی حق تلفی کی اور دنیا میں معافی نہ مانگی تو آخرت میں باز پرس ہوگی اور اگر خاوند نے بیوی پر ظلم کیا اور اس کی حق تلفی کر کے معافی نہ مانگی تو آخرت میں بیوی خاوند پر دعویدار ہوگی۔

(ایضاً ۲۵۴)

واقعہ (۳)

وصیت نامہ ص ۷ پر تحریر فرماتے ہیں: تعلیم قرآن وقرآءت کے زمانے میں طلبہ کو بغرضِ اصلاح، زجر وتوبیخ اور بعض مرتبہ جسمانی سزا کی بھی نوبت آئی، ممکن ہے کہ ان موقع میں ضرورت سے زیادہ شدت یا نفس کی آمیزش ہوگئی ہو اس لیئے میں ان سب حضرات سے نہایت عاجزی اور لجاجت سے درخواست کرتا ہوں کہ للہ مجھے دل سے معاف فرمادیں۔ یہ معاف کرنا انشاء اللہ ان کے لیے بھی مفید اور بڑے اجر وثواب کا باعث ہوگا۔

اس ارشاد کے ایک ایک لفظ لفظ سے تواضع وانکساری ٹپک رہی ہے (ایضاً ۲۵۴)

واقعہ (۴)

حضرت دین محمد ناقل کو حضرت والا نے جواب میں ارشاد فرمایا (جو سوانح عمری حضرت والا کی اجازت میں تھا)

عزیزم! بندہ تو اب سوائے دعا کے اور کسی کام کا نہیں رہا، بس پڑا احباب واعزہ کے لیے دعا گو رہتا ہوں اللہ پاک قبول فرمائے۔ بندہ بذاتِ خود اس قابل نہیں کہ میری سوانح لکھی جائے "من آنم کہ من دانم" بس محض احباب واعزہ کی دلجوئی ودلاسا کے طور (حضرت مولانا قاری) محمد طاہر (صاحب مدظلہ) نے ارادہ فرمایا ہے۔ اللہ پاک ان کی

جملہ مساعی کو قبول فرمائے قدم قدم پر ان کے معین اور مددگار رہیں توفیق مزید سے نوازیں۔

عزیزم! واللہ بندہ کچھ بھی نہیں جو کچھ بھی اعزہ واحباب کو نظر آتا ہے وہ محض اللہ پاک کا کرم ہے اور قرآن کریم ہی کی برکات کا ثمرہ ہے، بس اس کے سہارے زندہ ہوں اور اسی سے ایک آس لگائے پڑا ہوں، خدا کرے خوشی خوشی وقت پر یہاں کا حسن خاتمہ اور بقیع کا مدفن نصیب ہو آمین"

اس مکتوب گرامی کے لفظ لفظ سے تواضع کا سبق ملتا ہے، اتنی بڑی ہستی اپنے آپ کو کوئی چیز نہیں سمجھتی جس کی جوتیوں میں بیٹھنا بڑے بڑے علماء وقراء اپنے لیے باعث فخر و عزت سمجھتے ہیں۔ (ایضاً ص ۲۵۷)

واقعہ (۵)

یہ حقیر ناچیز خادم حضرت والا (دین محمد) جس وقت پہلے حج پر گیا، ساڑھے چار ماہ زمین میں قیام رہا اس دوران حضرت والا کی خوب صحبت اٹھائی۔ حضرت اقدس بندہ کے قیام مکہ میں مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ آخر میں بندہ بھی مدینہ منورہ گیا۔ حضرت والا پھر عمرہ کے لئے مکۃ المکرمہ تشریف لے آئے یہ ناچیز پھر عمرہ کے ارادہ سے مکہ آیا حضرت والا سے ملاقات ہوئی، عصر کی نماز کے بعد حاضر ہوا تو فرمانے لگے کس جگہ سے جدّہ کے لیے سوار ہونا ہے؟ میں نے عرض کیا فلاں جگہ سے۔ چنانچہ بندہ آب زمزم پینے کے لیے گیا پھر وہاں سے سامان لے کراڈے پر پہنچا تو حضرت والا کسی ساتھی کو لے کراڈے پر پہنچے ہوئے تھے، میں نے عرض کیا حضرت جی! میں نے ملاقات کرلی تھی اجازت بھی چاہ لی تھی آپ نے اتنی تکلیف کیوں فرمائی؟ فرمانے لگے دل چاہا تھا کہ آپ کو گاڑی پر پہنچا کر آؤں پھر میں نے عرض کیا! حضرت جی دعا فرمائیں اللہ پاک مجھکو خیر وعافیت کے ساتھ پہنچائے کیونکہ حرمین کے قیام میں بندہ بیمار رہا کہیں ایسا نہ ہو کہ سفر کی وجہ سے پھر بیمار ہو جاؤں حضرت والا نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ مہربانی فرمائیں گے، پھر حضرت اقدس نے بہت ہی رقت آمیز دعا فرمائی، حاضرین بھی اردگرد جمع ہو گئے حضرت والا کی دعا سے تمام سفر میں بالکل بیمار نہ ہوا اور نہ ہی یہاں آکر بیماری لاحق ہوئی۔ الحمد للہ بہت ہی اچھی صحت رہی۔

اس واقعہ سے بھی حضرت والا کی تواضع روز روشن کی طرح واضح معلوم ہورہی ہے کہ یہ خادم، حضرت والا کے محض ادنیٰ خدام میں تھا، لیکن پھر بھی غایت تواضع سے کام لیتے ہوئے کتنی حوصلہ افزائی فرمائی (اقتباس از ''مقابلہ دینیہ'' بتہذیب واصلاح)

(ایضاً ۲۵۷)

واقعہ (۶)

جناب حاجی نثار احمد خان صاحب رقمطراز ہیں:

علوم قرآنی کے اتنے بڑے اور مستند عالم ہونے اور سینکڑوں حفاظ اور قرآء کے استاذ ہونے کے باوجود حضرت کی کسر نفسی اور تواضع کا یہ عالم تھا کہ اپنے چھوٹوں کو بھی خطوط میں ''میرے پیارے بزرگ'' کے القاب سے مخاطب فرماتے۔

مجاہد ملّت حضرت مولانا نور احمد صاحب رحمہ اللہ (ناظم اول جامعہ دارالعلوم کراچی) کی تواضع وفنائیت

آپکے فرزندار جمند استاذ محترم حضرت مولانا رشید اشرف سیفی صاحب آپ کے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں:

تواضع اور فنائیت بھی آپ میں نمایاں تھی، یہ وصف آپ کو اپنے شیخ ومرشد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ سے ورثہ میں ملا تھا، بڑے بڑے نمایاں کام کرنے کے باوجود اپنے آپ کو کچھ نہ سمجھتے، اپنے کارناموں کو عموماً دوسروں کے نام منسوب کردیتے۔ اگر کسی کام کی نسبت خود آپ کی طرف ہو بھی جاتی اور آپ کی موجودگی میں اس کی تعریف کی جاتی تو حیا آمیز شرمیلی مسکراہٹ کے ساتھ نظریں پست فرمالیتے اور روئے سخن بدل دیتے۔

تواضع کند ہوشمند گزیں
نہد شاخ پر میوہ سر برزمیں

پھر آپ کو کبھی اپنے مرتبہ اور حیثیت کا ادنیٰ زعم بلکہ احساس تک نہ ہوتا، چھوٹے سے چھوٹے آدمی سے ملاقات ہوتی تو اس سے بڑے بے تکلفانہ اور دوستانہ ماحول میں دلچسپی سے باتیں کرتے، جس سے وہ یوں محسوس کرنے لگتا کہ میری بھی بڑی حیثیت اور بڑا مقام ہے (متاع نورص ۲۹۳)

حضرت مولانا فضل محمد صاحب زید مجدھم اپنے مضمون میں تحریر فرماتے ہیں:

''اُن کے اخلاص، لگن اور قربانی کا اندازہ کرنے کے لیے ایک یہی مثال کافی ہے کہ جب نانکواڑہ کی عمارت مدرسے کے لیے ملی جسے سکھ خالی کر کے چلے گئے اس وقت یہ عمارت انتہائی خستہ حالت میں ویران در و دیوار والی تھی، اس کے بیت الخلاء غلاظتوں سے بھرے ہوئے تھے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے مولانا نور احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ کچرے کے ایک عظیم ڈھیر میں منہ پر کپڑا باندھے ہوئے جھاڑو دے رہے ہیں نہ کوئی نوکر ساتھ ہے نہ طالب علم اس طرح میں نے دیکھا کہ وہ بیت الخلاؤں کو جو تقریباً دس ۱۰ تھے اور غلاظتوں سے بھرے ہوئے تھے پانی کی بالٹیاں بھر بھر کر صاف کر رہے تھے۔

خدا کی قسم! میری حیرت کی انتہاء ہوگئی کہ یا اللہ! اکیلا یہ شخص اپنے ہاتھ سے یہ قربانی کا کام کر رہا ہے اور بیت الخلاؤں کے دروازے بند کر کے یہ محنت کر رہا ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے ان کو کوئی نہیں دیکھ رہا ہے''۔

حافظ جی مولانا محمد اللہ صاحب رحمہ اللہ کی تواضع وفنائیت

(خلیفہ مجاز حکیم الامت رحمہ اللہ)

ہر نماز باجماعت کے بعد اپنے لیے مرض کبر کے ازالہ کی دعاء کی درخواست کرنا۔

''جب تھانہ بھون حاضری ہوئی اس وقت تقریباً پانچ ماہ مسلسل قیام کا شرف حاصل ہوا، اس میں کچھ معمولات مخصوصہ کے ساتھ امراض قلب کا علاج ہوتا رہا خصوصاً کبر اور خود رائی کا علاج ایک طویل مدت تک جاری رہا، علاج یہ کہ ہر نماز باجماعت کے بعد اپنے مرض کے اعلان کے بعد سب حضرات سے اس امراض کے ازالہ کی دعا درخواست

کرتا تھا، میری درخواست کے بعد کبھی کبھی حضرت قدس سرہ یہ دعاء احقر کے لئے مسموع ہوتا یعنی اللھم کل خیر لہ (آمین ثم آمین یارب العالمین)

ایک دن خود ہی حضرت نے سب کے سامنے بشارت دی کہ الحمد للہ کبر کا مرض جاتا رہا، غایت سرور سے احقر پر گریہ طاری ہوگیا، درحقیقت حضرت کے خدام میں اس روسیاہ سے بڑھ کر حقیر ذلیل اور کمتر کوئی نہ تھا اور نہ اب ہے"۔

(بزم اشرف کے چراغ ص ۳۲۲)

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق (اکوڑہ خٹک) رحمہ اللہ کے واقعات

(۱) مدارس کی تاریخ کا واحد واقعہ

آپ کے تلمیذ خاص حضرت مولانا عبدالحکیم صاحب کلاچی راقمطراز ہیں:

احقر نے بعض بڑے اور بہت سے چھوٹے مدارس کو دیکھا ہے، سنا ہے، حالات پڑھے ہیں۔ عام طور پر ارباب اہتمام (الا ماشاء اللہ) طلبہ اور دیگر اساتذہ کی نظروں میں ایک ایسا گروپ متصور کیا جاتا ہے کہ جو گویا ان کے حقوق چھین رہا ہے، ان پر ظلم کررہا ہے اور ان کی تحقیر واہانت میں کوئی کمی نہیں کررہا، اس کے ساتھ ارباب اہتمام بھی (الا ماشاء اللہ اور ہو نہ ہو اپنی بات کی بچ کو برقرار رکھنا زندگی کا ایک اہم مقصود اور لُبّ لباب سمجھتے ہیں۔

اس افراط وتفریط نے مدارس کا وقار مجروح کیا، دنیا میں بے عزت کیا اور مستقبل کے لیے افراد کا بنانا بند کردیا۔

دارالعلوم حقانیہ بہت بڑا ادارہ ہے، اس میں عام روش کے مطابق بہت سے فتنوں نے موقعہ بموقعہ سر اٹھایا لیکن حضرت رحمہ اللہ کی ایمانی فراست، تدبر، حوصلہ اور عالی ظرفی نے بڑے بڑے فتنے کو ایسا دبا دیا کہ جیسے کچھ ہوا بھی نہیں۔

ایسے ہی ایک موقع پر جس کی تفصیل کی نہ ضرورت ہے، نہ خاص یاد ہے، طلبہ نے اپنی حماقت سے مطبخ سے کھانا لینے کا بائیکاٹ کردیا۔ کھانا تیار تھا لیکن طلبہ لینے سے انکار

کرر ہے تھے اور سینکڑوں کی تعداد میں طلبہ بازار میں پیٹ کا جہنم بھرنے کے لیے پرتول رہے تھے۔ طلبہ ابھی اس سوچ میں تھے کہ حضرت رحمہ اللہ دارالحدیث ہال میں تشریف لے آئے اور گھنٹی بج گئی، دارالحدیث ہال بھر گیا۔ حضرت نے نہایت ناصحانہ، مشفقانہ، عالمانہ اور عارفانہ انداز میں پیش شدہ مسئلہ پر روشنی ڈالی، جس سے تمام طلبہ مطمئن ہو گئے اور آخر میں فرمایا کہ:

''اصل مسئلہ سے قطع نظر سینکڑوں کی تعداد میں طلبہ کا بازار میں کھانے کی ضرورت کو پورا کرنا یہ دارالعلوم کی بہت بڑی توہین ہوگی'' اور اس موقع پر حضرت شیخ نے اپنی ٹوپی مبارک اپنے سر سے اتار کر طلبہ کے سامنے ڈال دی اور فرمایا کہ ''میں اپنی ٹوپی آپ کے قدموں میں ڈال رہا ہوں''۔ بس پھر کیا تھا، اکثر طلبہ کے آنسو نکل آئے، اپنی حماقت پر نادم ہوئے اور **انا للّٰہ و انا الیہ راجعون** کی آوازیں لگیں۔

کیا برصغیر کے دینی مدارس کی پوری تاریخ میں کوئی ایک بھی مثال پیش کر سکتا ہے کہ ہزاروں علماء وفضلاء کا شیخ، بین الاقوامی سطح کا مشہور و معروف محدث اور بہت بڑے دینی ادارے کا واحد مختار کل، علاقہ کی زبردست قومی و سیاسی شخصیت ادارہ، علم، طلبہ اور علماء کے وقار کو بحال کرنے کے لیے اپنی ٹوپی اپنے ادنیٰ طالب علموں کے قدموں میں رکھ دے۔ (ماہنامہ الحق خصوصی نمبر ص ۱۹۵، ۱۹۶)

ایک اور عجیب واقعہ

مولانا عبدالحلیم صاحب ہی لکھتے ہیں:

جب سے علم کی اصلی روح ماند پڑ گئی، اخلاص، تقویٰ، دیانت و امانت نے بستر بوریے لپیٹ لیئے، کام اور علم، خدمت اور استاذی کو ایک دوسرے کی ضد سمجھا جانے لگا، استاذ صاحب کے قریب پانی کا گھڑا رکھا ہوا ہوتا ہے، گلاس ساتھ ہوتا ہے لیکن یہ اپنے لئے پانی انڈیلنے کا عمل تقویٰ، علم اور استادی کے منافی سمجھتا ہے، اگر قریب کوئی نہیں ہے تو دور نظر آنے والے طالبعلم کو بلاتا ہے اگر دور بھی کوئی نظر نہیں آتا تو اس انتظار میں ہوتا ہے کہ کوئی آئے اور پانی گھڑے سے نکال دے، لیکن اس ماحول میں بھی ان گنہگار آنکھوں نے ہزاروں شاگردوں کے استاذ، اولاد و احفاد اور خدام کے جھرمٹ میں امیر

المومنین فی الحدیث مولانا عبدالحق صاحب کو اپنے مویشی کو اس نقطۂ نگاہ سے چارہ ڈالتے ہوئے دیکھا کہ یہ خدا کی مخلوق ہے، اس کی خدمت ہمارے ذمہ فرض ہے۔

آفاقھا گردیدہ ام، مہر بتاں ورزدیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام، لیکن تو چیزے دیگری

سراپا انکسار

مولانا ذاکر حسن نعمانی، اکوڑہ خٹک لکھتے ہیں:

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی تواضع حاتم طائی کی سخاوت سے زیادہ مشہور ہے۔ عاجزی اور انکساری انکی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، یہ کوئی تصنع یا بناوٹ نہیں بلکہ طبیعت ثانیہ بن چکی تھی۔ تواضع اور بے نفسی کا یہ عالم تھا کہ کبھی اپنے علم کا اظہار نہیں کیا۔ کوئی دعاء کے لیے کہتا تو حاضرین سے فرماتے کہ ان کے لئے اور مجھ عاجز کے لیے دعاء مانگیں، کوئی سائل فتویٰ پوچھتا تو مفتی صاحب کی طرف راہنمائی فرماتے۔

بعض اوقات حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی معصومیت اور تواضع و انکسار سے بعض ناواقف لوگ یہ سمجھ لیتے کہ شیخ الحدیث تو کچھ جانتے ہی نہیں انہیں تو ایک مسئلہ بھی معلوم نہیں لیکن جب حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب ''حقائق السنن'' پر دن کا کیا ہوا کام عصر کی نماز کے بعد سناتے اور حضرت تصحیح و ترمیم فرماتے تو یقین آجاتا تھا کہ واقعی حضرت علم کا سمندر ہیں۔ دور دراز سے آئے ہوئے اکابر علماء اور مدرسین جب یہ منظر دیکھتے تو ششدر رہ جاتے اور حضرت کی علمی عظمت کا اعتراف کرنا پڑتا۔

(ایضاً ص ۲۱۱، ۲۱۲)

بے نفسی اور علم پروری کا ایک حیرت انگیز واقعہ

مولانا مقصود گل فاضل دار العلوم حقانیہ رقمطراز ہیں:

اپنے زمانہء طالبعلمی کا ایک دلچسپ اور حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کی تواضع و انکساری اور طلباء علوم دینیہ سے کمال شفقت وانتہائے محبت کا حیرت انگیز

واقعہ کبھی بھولنے کا نہیں۔ اپنی ان گنہگار آنکھوں سے علماء صلحاء اور دسیوں رہنما دیکھے مگر حضرتؒ کی شان ہی نرالی تھی۔ سیاسی عظمت، علمی وجاہت اور تقدس و بزرگی کے چرچوں اور وزیروں امیروں سے تعلق اور ہجوم کے وقت بھی طلباء علوم دینیہ پر وہی شفقت رہی جو درسگاہ اور دارالعلوم میں ہوا کرتی تھی یہی تو یہ انسانیت کی تکمیل اور قرآنی ہدایات کی تعمیل ہے۔ عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں بھی تو قرآن نے حضور اکرم ﷺ کو اور آپکی وساطت سے آپکے ورثاء کو یہی سبق پڑھایا ہے۔

غالباً میرا دورہ حدیث کا سال تھا اور دارالحدیث کے مغربی جانب کمرہ نمبر ۱۶ میں میرا قیام تھا، میں اپنے کمرے میں مصروف مطالعہ تھا کہ ایک صاحب نے دروازہ کھٹکھٹایا، احقر باہر نکلا ایک صاحب نے اپنا تعارف کرایا، معلوم ہوا کہ موصوف وفاقی حکومت کے مرکزی وزیر ہیں، کہنے لگے حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کرنی ہے۔ احقر ان کے ساتھ ہولیا۔ موصوف سرکاری گاڑی اور پروٹوکول کے ساتھ آئے تھے احقر کو ساتھ بٹھایا، حضرتؒ کے گھر احقر انہیں لے گیا اور بیٹھک میں انہیں بیٹھنے کے لیے کہا وزیر موصوف بیٹھک کو دیکھ کر ششدر رہ گئے کہ اتنے بڑے آدمی، اتنا مقام اور نام اور یہ معمولی اور سادہ کمرہ بیٹھک کا۔

بہرحال بتانا یہ ہے کہ جب حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ گھر سے تشریف لائے وزیر موصوف سے ملاقات ہوئی اور ضیافت کے لیے چائے اور بسکٹ اور اس سے قبل فروٹ رکھا گیا۔ حضرت مولانا صاحبؒ نے وزیر موصوف، ان کے رفقاء کو اور احقر کو بھی دسترخوان پر بیٹھنے کا حکم فرمایا۔ ہم لوگ بھی بے تکلفی سے حضرتؒ کی ضیافت میں شریک ہو گئے۔ مولانا عبدالقیوم حقانی جوان دنوں غالباً درجہ موقوف علیہ کے طالب علم تھے اور حضرت شیخ الحدیثؒ کے ہاں انکے بھائی کے بالاخانہ میں رہا کرتے تھے۔ حضرتؒ کی خدمت اور مسجد شیخ الحدیث میں امامت کیا کرتے تھے۔ اس وقت بھی مہمانوں کے لئے ضیافت کا سامان حضرت شیخ الحدیثؒ کے اشارہ پر مولانا حقانی صاحب ہی لائے، حقانی صاحب کی حیثیت اس وقت ایک ادنیٰ طالب علم اور خادم کی تھی لہٰذا دسترخوان سجا کر موصوف ایک طرف ہٹ کر بیٹھ گئے۔ حضرت شیخ الحدیثؒ وزیر موصوف کے ساتھ مصروف گفتگو تھے کہ اچانک آپکی حقانی صاحب پر نظر پڑ گئی تو وزیر سے گفتگو کاٹ کر حقانی

صاحب سے فرمانے لگے'' آجایئے اور آپ بھی کھانے میں شریک ہوجایئے'' موصوف آمادہ نہ ہوئے تو حضرتؒ نے بااصرار انکو دستر خوان پر بلایا۔

اس وقت حضرتؒ کا اصرار اور ایک ادنیٰ خادم اور طالب علم پر توجہ، وزیر کی موجودگی میں اس سے گفتگو کاٹ کر اپنے ایک ہمہ وقتی رفیق اور کارکن بلکہ خادم کی اس قدر رعایت کرنا یہ علم پروری، اصاغر نوازی اور بے نفسی نہیں تو کیا ہے؟ صرف بلانا اور دستر خوان پر بٹھانا مقصود نہ تھا بلکہ جس توجہ، احترام، شفقت اور اصرار کا اندازہ مجھے یاد ہے وہ اتنا پیارا اور حیرت انگیز تھا کہ پوری محفل پر ایک طالب علم کی عظمت چھا گئی۔ مجھے تحریر کا سلیقہ نہیں ورنہ وہ کیفیت جو میں نے دیکھی تھی اگر کوئی صاحب قلم دیکھتے اور اسکی واقعی تصویر کشی کرتے تو آج دنیا عش عش کر اٹھتی

کیا عشق نے سمجھا ہے کیا حسن نے جانا ہے
ہم خاک نشینوں کی ٹھوکر میں زمانہ ہے

(ایضاً ص ۲۳۲)

باوجود رفعت وبلندی کے وہ اپنے آپ کو مٹا ہوا خیال کرتے تھے

مولانا رشید احمد حقانی تحریر فرماتے ہیں:

انکی کسر نفسی کا ایک عجیب وغریب واقعہ یاد آیا حضرت شیخ الحدیث کی یہ عادت تھی کہ ہر ایک سے دعا کی درخواست کرتے تھے۔ مہمان جو دور دراز سے زیارت کے لئے آتے تھے ان سے بھی الٹا اپنے لیئے دعا کراتے تھے۔

ایک دن ہمارے کمرے کے ایک ساتھی (مولانا عبدالرؤف) عصر کے وقت ان سے ملنے انکی مسجد میں گئے۔ حضرت شیخ الحدیث نے اپنی عادت کے مطابق ان سے دعا کے لئے کہا واپسی پر اس ساتھی نے کمرے کے دوسرے ساتھیوں سے کہا کہ اب میری بزرگی میں کوئی شک نہیں رہا کیونکہ حضرت شیخ الحدیث جیسی شخصیت نے آج مجھے دعا کے لیے کہا ہے۔

شاعر کی بات یا تو اس لیے مبالغہ اور فضول لگتی ہے کہ وہ ایک خیالی، وہمی اور تصوراتی

دنیا کا نقشہ پیش کرتا ہے اور یا دریا کو کوزے میں بند کر کے دوسروں کو اس طرح بننے کی دعوت دیتا ہے جو کہ ناممکن نہ سہی مشکل ضرور ہوتا ہے مثلاً علامہ اقبالؒ کہتا ہے:

مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہے
کہ دانہ خاک میں مل کر گل گلزار بنتا ہے

اب اپنی ہستی کو مٹانے کے لئے ایک صدی کی محنت چاہیے دانے کی طرح کون تین چار مہینے تک ذلت اور کسمپرسی کی حالت میں مٹی میں دبنا چاہتا ہے۔

رفعت دنیاوی اور اخروی کے لئے شاعر نے عجیب اکسیر بتلائی ہے مگر کون اس طوفان سے گزرے حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کو دیکھ کر ذہن کو ایک عجیب حیرانگی اور کشمکش سے دوچار ہونا پڑتا ہے، انہوں نے نہ صرف ایک مرتبہ کسی خاص وقت کے لئے اپنی ہستی کو مٹایا تھا بلکہ یہ انکا ایک مسلسل عمل تھا اور باوجود رفعت و بلندی کے وہ اپنے آپ کو مٹا ہوا خیال کرتے تھے۔ (ایضاً ص ۲۷۵)

خیر العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ کے واقعات

کمالِ تواضع

جلسہ کے دنوں میں جیسے باقی اساتذہ کی درسگاہیں مدعوین علماء کرام کیلئے خالی کردی جاتی ہیں۔ حضرت والاؒ دارالاہتمام خالی فرمادیتے، نہ ہی اپنے لئے کوئی خاص کمرہ متعین فرماتے تھے۔

معمول یہ تھا کہ رات کو تمام مہمانوں کے راحت و آرام سے مطمئن ہو کر خدام سے دریافت فرماتے کہ کوئی لیٹنے کی جگہ ہے؟ آپؒ کے معمول سے واقف ہونے کی وجہ سے خدام اکثر اس کا اہتمام کرتے کہ آپ کیلئے کوئی کمرہ خالی رہے۔

ایک دفعہ حسبِ معمول مولانا محمد صدیق صاحب سے پوچھا کہ کوئی جگہ ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ کوئی جگہ خالی نہیں تمام کمروں میں مہمان آرام فرما ہیں۔ رضا کاروں کے کمرے میں ایک کونے میں کچھ جگہ تھی، حضرت نے دیکھ کر فرمایا یہ بھی تو جگہ ہی ہے۔ چنانچہ وہیں لیٹ گئے تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ بعد اٹھ کر ذکر میں مشغول ہو گئے اور صبح تک ذکر

کرتے رہے۔ (بیس مردان حق جلد۲ص۳۲)

ادب وتواضع

حضرتؒ میں غایت درجہ تواضع بے نفسی پائی جاتی تھی جو اہل اللہ کی علامت اور اصحاب معرفت کا امتیاز خاص ہے۔ایک دفعہ علامہ مولانا سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ جامعہ کے سالانہ جلسہ میں تشریف لائے برآمدہ میں چارپائی پر آرام فرماتھے،حضرت قدس سرہ سب کے سامنے سید صاحبؒ کے پاؤں دباتے رہے۔یہ خدام کوادب وتواضع اوراکرام ضیف کا عملی درس تھا۔ (بحوالۂ بالاص۳۴)

ایک سبق آموز واقعہ

حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ درس حدیث دے رہے تھے۔دوران تدریس ایک جگہ ایسا اشکال وارد ہوا کہ اس کا حل سمجھ میں نہیں آتا تھا۔کوئی ہمارے جیسا ہوتو وہ ویسے ہی گول کر جاتا۔پتہ ہی نہ چلنے دیتا کہ یہ بھی کوئی حل طلب نکتہ ہے یانہیں۔طلباء کو کیا پتہ،وہ تو پڑھ رہے ہوتے ہیں۔یہ تو استاد کا کام ہے کہ یا نہ بتائے۔مگر وہ حضرات امین تھے۔یہ علمی خیانت ہوتی ہے کہ استاد کے ذہن میں خود اشکال وارد ہو،جواب بھی سمجھ میں نہ آئے اورطلباء کو بتایا بھی نہ جائے۔ان حضرات سے تو وہ خیانت نہیں ہوتی تھی۔چنانچہ آپ نے طلباء کو برملا بتادیا کہ اس مقام پر یہ اشکال وراد ہورہا ہے مگراس کا حل سمجھ میں نہیں آرہا۔کافی دیرتک طلباء بھی خاموش رہے اور حضرت بھی خاموش رہے۔آپ بار باراس کو پڑھ رہے ہیں۔کبھی صفحے الٹ رہے ہیں اور کبھی اس کا حاشیہ دیکھ رہے ہیں مگراس کا کوئی حل سمجھ میں نہیں آرہا۔حتیٰ کہ آپ نے فرمایا کہ مجھے تو بات سمجھ نہیں آرہی،چلیں میں فلاں مولانا سے پوچھ لیتا ہوں۔یہ وہ مولانا تھے جو حضرت سے ہی دورہ حدیث کر چکے تھے۔وہ حضرت کے شاگرد تھے۔اپنے شاگردوں کے سامنے ان کا نام لیا کہ میں ذراان سے پوچھ لیتا ہوں۔چنانچہ آپ اٹھنے لگے۔اتنے میں ایک طالب علم بھاگ کر گیا اوراس نے جاکر مولانا کو بتادیا کہ حضرت آپکے پاس اس مقصد کیلئے آرہے ہیں۔مولانا اپنی کتاب بند کر کے فوراً حضرت کے

پاس پہنچے۔ حاضر ہو کر عرض کیا، حضرت آپ نے یاد فرمایا ہے۔ فرمایا ہاں مولانا! یہ بات مجھے سمجھ نہیں آرہی۔ دیکھو کہ اس کا حل کیا ہے۔ انہوں نے پڑھا اور سمجھ تو گئے مگر بات یوں کی، حضرت! جب میں آپکے پاس پڑھتا تھا تو آپ نے ہمیں یہ سبق پڑھاتے ہوئے اس مقام کو اس وقت یوں حل فرمایا تھا اور آگے اس کا جواب دے دیا۔ اب دیکھیں کہ اپنی طرف منسوب نہیں کیا کہ جی میرا تو علم اتنا ہے کہ اب استاد بھی مجھ سے پوچھنے آتے ہیں۔ نہ۔۔ نہ وہ صحبت یافتہ تھے، تربیت یافتہ تھے۔ اسکو کہتے ہیں تصوف اور یہ ہے منٹا۔

(خطبات فقیر، جلد (۳) ص ۱۴۱)

رئیس المفسرین حضرت مولانا حسین علی صاحب واں بھچروی رحمہ اللہ کے واقعات

طلبہ کرام کی خدمت کا عجیب واقعہ

شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان نور اللہ سرقدہ' کا بیان کردہ یہ واقعہ بھی ان کی کسر نفسی کا شاہد ہے جس کا مطالعہ بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

حضرت مولاناؒ کے تمام تلامذہ اور احباب گواہ ہیں کہ حضرت مولانا ہر روز جب کہ تمام طلباء خواب شیریں کے مزے لے رہے ہوتے تھے۔ خود ہی کوزوں میں پانی بھر دیا کرتے تھے۔ طلباء جب فجر کی نماز کے لئے بیدار ہوتے تھے تو انہیں وضو کے لئے کوزے پانی سے بھرے ہوئے ملتے تھے۔ میں شروع شروع میں ''واں بھچراں'' گیا تو اس بات پر سخت حیران ہوتا تھا۔ میں نے ایک طالب علم ساتھی سے تذکرہ کیا تو پتہ چلا کہ یہ کام حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ خود ہی کرتے ہیں۔ میری حیرت کی انتہا نہ رہی۔ چنانچہ اگلی رات میں تصدیق کے لئے رات بھر جاگتا رہا۔ آخر شب جب پانی کے برتنوں کے اٹھانے اور رکھنے کی آوازیں آئیں تو میں دبے پاؤں اپنی جگہ سے اٹھ کر آہستہ آہستہ مسجد کی جانب گیا دیکھا کہ مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کوزوں میں

پانی بھرنے میں مصروف ہیں۔'' میں نے آگے بڑھ کر یہ کام کرنا چاہا تو حضرت مولانا صاحبؒ نے فرمایا کہ کیا تم نہیں چاہتے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے دین کا علم حاصل کرتے ہیں۔ ان کی تھوڑی سی خدمت سے مجھے بھی ثواب حاصل ہو جائے''۔

مفتی محمد عبداللہ صاحب ملتانی رحمہ اللہ کی تواضع وفنائیت

آپ کے شاگرد رشید شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ آپکے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں:

ایک بار حج پر تشریف لے گئے، ملتزم پر حفظ قرآن کے لئے دعا کی، خواب یا مکاشفہ میں ان کو اشارہ ہوا کہ خیر المدارس ملتان میں حضرت مولانا قاری رحیم بخش صاحب کی خدمت میں قرآنِ کریم یاد کرو۔ واپس آکر حضرت قاری صاحب کی شاگردی قبول کرلی۔ اور چھوٹے بچوں کے ساتھ قرآنِ کریم یاد کرنے بیٹھنے لگے۔ جب کہ اس وقت اسی خیر المدارس کے شیخ الحدیث اور مفتی اعظم بھی آپ تھے۔ جب تک قرآنِ کریم کا حفظ مکمل نہیں ہو گیا، وہاں سے نہیں ہٹے۔ ایک بار سبق یاد نہیں ہو سکا تھا حضرت قاری صاحب نے کان پکڑنے کو فرمایا، شیخ الحدیث اور مفتی اعظم فوراً کھڑے ہو گئے۔ حضرت قاری صاحب کی درسگاہ میں پہنچ کر وہ اپنے تئیں واقعتاً طفل مکتب سمجھتے تھے۔ انہیں کبھی بھول کر بھی خیال نہیں آتا تھا کہ وہ جس مکتب میں معصوم بچے بنے بیٹھے ہیں وہ اس دارالعلوم کا ایک شعبہ ہے جس کے وہ شیخ الحدیث، ناظم تعلیمات اور صدر مفتی ہیں۔ کیا اس بے نفسی کی کوئی مثال اس زمانے میں دیکھی یا سنی جا سکتی ہے؟

(شخصیات وتأثرات ص ۶۴۰)

نوٹ:

حضرت لدھیانویؒ نے پہلے مذکورہ واقعہ ماہنامہ بینات میں تحریر فرمایا تھا، پھر اس کے بعد جب اُن کے مضامین کا مجموعہ ''شخصیات وتأثرات'' نام سے کتابی شکل میں شائع ہوا تو اس کے حاشیہ میں آپ نے درج ذیل وضاحتی نوٹ تحریر فرمایا:

''بینات''میں میں نے جو الفاظ لکھے تھے مجھے یہی روایت پہنچی تھی۔لیکن حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ قاری محمد شفیق الحسن (سول ہسپتال گوجرہ) نے ایک مکتوب میں اس واقعہ کی صحیح نوعیت بیان فرمائی۔(ان کا یہ مکتوب بینات بابت ماہ رمضان ۱۴۰۵ھ میں شائع ہو چکا ہے)اس کا ضروری اقتباس یہاں درج کیا جاتا ہے:

''میں نے ۷۵،۷۴ء میں امام القراء حضرت قاری رحیم بخش صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ سے گردان قرآنِ کریم مکمل کیا۔اور غالباً ۷۶ء میں سند فراغت حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوا تو مسجد سراجاں میں حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس اور صاحب بھی موجود تھے۔باتوں باتوں میں حضرت مفتی محمد عبداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر ہوا تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ (قاری صاحب) نے فرمایا۔کہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو حرمِ کعبہ میں بحالتِ نیند ارشاد ہوا۔کہ مجھے (قاری صاحب) قرآنِ کریم سنائیں۔ چنانچہ واپسی پر حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے باقاعدہ وقت دینا شروع کیا۔تو فرمانے لگے کہ چونکہ میری درس گاہ کا اصول ہے کہ جس طالب علم کو نیند آئے وہ ازخود کھڑا ہو جاتا ہے۔بصورت دیگر اسے کان پکڑنے پڑتے ہیں۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سارے دن کی تھکاوٹ سے چکنا چور ایک روز آئے۔اور دورانِ تعلیم انہیں نیند نے گھیر لیا،مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ازخود کھڑے ہو گئے۔میں نے انہیں قطعاً نہ کھڑے ہونے کو کہا۔اور نہ کان پکڑنے کو مگر طلباء میں یہ بات مشہور ہوگئی کہ قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو کھڑا کر دیا''۔

(حاشیہ حوالہء بالا ص ۲۴۲)

حضرت حاجی محمد شریف صاحب ہوشیار پوری رحمہ اللہ کے واقعات

شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب رحمہ اللہ آپ کے حالات میں لکھتے ہیں:

حضرت مرحوم پر محبت، فنائیت اور خود فراموشی و خود انکاری کا رنگ بہت ہی غالب تھا،ان کی ہر ادا سے محبت و تواضع ٹپکتی تھی۔

اگر مجھ میں کوئی عیب دیکھو تو مجھے اس کی اطلاع ضرور کرو

ان کی فنائیت، بے نفسی اور خود شکنی کا یہ عالم تھا کہ وہ اسکول ماسٹری کے زمانے میں اپنے نوعمر شاگردوں کو بلا تکلف فرمادیتے کہ ''اگر مجھ میں کوئی عیب دیکھو تو مجھے اس کی اطلاع ضرور کرو، میں ناراض نہیں ہوں گا، بلکہ خوش ہوں گا''۔ ان کی اس فرمائش پر کسی طالبعلم نے اپنے فہم کے مطابق ان کے عیب کی نشاندہی کی تو طالبعلم کو شاباش دی، اور شاگردوں کی صف میں برملا اپنے اس ''عیب'' کا اقرار کرلیا۔

میں کیسا خوش قسمت ہوں کہ ایک طالب علم میرے پاس آیا ہے

ہمارے دینی مدارس کے ایک نوعمر مبتدی طالب علم کو ان کے والد ماجد نے نصیحت کی کہ کبھی موقع ملے تو حضرت حاجی محمد شریف صاحب کی خدمت میں حاضری دیا کرو۔ وہ طالب علم حاجی صاحب کی خدمت میں آیا تو حضرت حاجی صاحب نے فرمایا کہ ''میں کیسا خوش قسمت ہوں کہ طالب علم میرے پاس آیا ہے۔

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

چھوٹوں سے بھی استفادۂ علم وطلب اصلاح

حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کو عمل میں ترقی اور اپنے ظاہر و باطن کی اصلاح کی فکر اس قدر دامن گیر رہتی ہے کہ یہ مقصد جہاں سے بھی اور جس سے بھی حاصل ہونے کا امکان ہو اسکی تحصیل کی کوشش میں منہمک رہتے ہیں۔

اپنے سے بہت چھوٹوں حتیٰ کہ شاگردوں کے شاگردوں تک سے بھی بہت تاکید سے فرماتے رہتے ہیں:

''میرے اندر کوئی علمی غلطی یا کوئی علمی کوتاہی نظر آئے تو بتایا کریں، یہاں تک کہ عام بول چال اور گفتگو میں بھی تلفظ کی کوئی غلطی سنیں یا تحریر میں رسم الخط کی کوئی غلطی دیکھیں تو وہ بھی لازماً بتایا کریں۔

اسی طرح میرے اقوال، اعمال اور احوال کیطرف بھی خاص توجہ رکھا کریں، کوئی بات ذراسی بھی کھٹکے تو بتانے میں غفلت ہرگز نہ کریں۔

اگر زبانی بتانے میں جھجک محسوس کریں تو لکھ کر دے دیا کریں"۔

ایک بار طلبہ کو بھی اپنے اندر اصلاحِ علم وعمل کی ایسی طلب پیدا کرنے کی تلقین فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: قرآن وحدیث اور عقل وتجربہ سے یہ حقیقت ثابت ہے کہ اصلاح کے لئے باہم گفت وشنید اور کہنے سننے کا سلسلہ رکھنا بہت ضروری ہے۔

استاد العلماء حضرت مولانا محمد شریف کشمیری صاحب رحمہ اللہ کی تواضع وانکساری

آپکے لائق فخر تلمیذ رشید اور شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ آپکے تذکرہ میں راقمطراز ہیں:

انہیں اپنے استاد محترم حضرت مولانا شمش الحق افغانی رحمہ اللہ سے بڑی عقیدت تھی۔ یہ منظر بہت سے حضرات نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ وہ اپنی پیرانہ سالی کے باوجود اپنے شاگردوں کے سامنے حضرت افغانی کے پاؤں دبارہے ہیں اور خدام کی طرح دوسری خدمات بجالارہے ہیں۔

اس ناکارہ نے دو بزرگوں کو اپنے اساتذہ کے سامنے اس طرح متادب بیٹھتے دیکھا ہے جس طرح وہ اپنے طالب علمی کے زمانے میں ان کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرتے ہوں گے۔ ایک رئیس القراء حضرت اقدس مولانا قاری رحیم بخش پانی پتی کو اپنے شیخ حضرت مولانا قاری فتح محمد پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے، دوسرے حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت افغانیؒ کے سامنے۔ (شخصیات وتاثرات ص ۳۵۶)

خانقاہ والوں کی جوتیاں سیدھی کر کے رکھا کرو اور ان کے وضو کے لیے لوٹے بھرا کرو؟

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جو شخص نصیحت کرنے کا اہل نہیں اسکے بھی شرائط ہیں

بدون شرائط کے نصیحت کرنا ایسا ہے جیسے بدون وضو کر کے نماز پڑھنا:۔

ایک شخص یہاں پر مقیم تھے۔انہوں نے دوسرے شخص کو نصیحت کی اور یہاں کے قواعد میں مصالح ترتیب کی بناء پر یہ بھی داخل ہے کہ ایک دوسرے کو کچھ نہ کہے میں خود ہی ہر بات کا انتظام رکھتا ہوں کیونکہ ایک طالب کے دوسرے طالب کو کچھ کہنے میں عوارض کی وجہ سے بری خرابیاں اور بڑے مفسدے ہیں میں نے ان سے مواخذہ کیا کہ تم نے ان کو نصیحت کیوں کی۔شاید یہ جواب دیا کہ دین سمجھ کر، میں نے کہا کہ نماز دین ہے مگر اس کی بھی شرطیں ہیں ایسے ہی تبلیغ اور نصیحت کی شرطیں ہیں کیا وہ تم کو معلوم ہیں؟ کہنے لگے کہ نہیں میں نے کہا کہ جب شرطیں معلوم نہیں تو تم نے جو نصیحت کی یہ کیسے معلوم ہوا کہ یہ دین ہے اس پر کوئی جواب نہیں دیا میں نے کہا کہ لو میں وہ شرطیں بتلاتا ہوں۔نصیحت کی پہلی اور ادنیٰ شرط یہ ہے کہ جس کو نصیحت کرے عین نصیحت کے وقت یہ سمجھے کہ میں اس سے کم درجے کا ہوں اور وہ مجھ سے افضل ہے تو جس وقت تم نے نصیحت کی تھی قسم کھا کر بتلاؤ کہ یہ خیال تمہارے دل میں تھا کہ میں ارذل ہوں یا اس کا عکس تھا؟ کہنے لگے کہ عکس ہی تھا تو میں نے کہا کہ یہ تو تکبر ہوا جو معصیت ہے اور تم کہتے ہو کہ دین سمجھ کر کیا۔کیا جو چیز تکبر سے ناشی ہو وہ دین ہو سکتا ہے؟ اب یہ دیکھو کہ یہ تکبر تم میں کاہے سے ہوا؟ ذکر و شغل سے پیدا ہوا۔اس کے سبب اپنے کو بزرگ سمجھنے لگے اس لئے آج سے ذکر و شغل چھوڑ دو لیکن مطلب اس کا یہ ہے بہیت معتادہ ایک جگہ بیٹھ کر مت پڑھو چلتے پھرتے پڑھا کرو جس کی کسی کو خبر نہ ہو دوسرے خانقاہ والوں کی جوتیاں سیدھی کر کے رکھا کرو اور ان کے وضو کے لیئے لوٹے بھرا کرو کچھ روز تک انہوں نے ایسا کیا تب ان کا نفس ڈھیلا ہوا اور نفس اسی طرح ڈھیلا ہوتا ہے لوگوں سے کہتے تھے کہ مجھ کو دس برس میں بھی وہ بھی نفع نہ ہوتا جو ان دس دنوں میں ہوا۔

(فیضِ حسن واشرف ص ۱۳۵، ۱۳۶)

فخر اہلسنت حضرت مولانا قاری عبدالرّشید صاحب رحمہ اللہ کے واقعات

(سابق استاذ حدیث وتفسیر جامعہ مدنیہ لاہور)

نام ونمود سے نفرت

آپکے تلمیذ رشید اور سوانح نگار حضرت مولانا محمد نعیم الدین صاحب زید مجدھم تحریر فرماتے ہیں:

نام ونمود، شہرت و جاہ پسندی کو بہت بُرا جانتے تھے۔آپ نے علماء وعوام میں اپنی شناخت کروانے اور اپنی ناموری کی کبھی کوشش نہیں کی، اخبارات و اشتہارات میں اپنا نام آنا پسند نہیں فرماتے تھے۔

ایک دفعہ کچھ احباب نے آپ سے درس کے لیے وقت لیا اور منع کرنے کے باوجود اخبار میں خبر لگوادی، احتجاجاً آپ نے خود درس دینے سے انکار کردیا اور راقم کو اپنی جگہ بھیجا۔اور آپ اپنی تصانیف پر نام نہیں لکھتے تھے۔

ایک مرتبہ راقم نے عرض کیا کہ میں اپنے خواب لکھ لیا کرتا ہوں تا کہ یاد رہیں، آپ نے فرمایا میں تو نہیں لکھتا اور تم بھی نہ لکھا کرو بلکہ جو لکھے ہوں وہ بھی تلف کردو۔ میں نے عرض کیا کہ بہت سے بزرگوں کا تو معمول تھا کہ وہ خواب لکھ لیا کرتے تھے، فرمایا: بات یہ ہے کہ ان میں اخلاص تھا اور ہم میں اخلاص ہے نہیں، بلکہ ہمیں تو شیطان یہ سبق پڑھائے گا کہ ضرور لکھا کرو تا کہ تمہارے مرنے کے بعد جب لوگ دیکھیں تو خوب تعریف کریں اور خوب واہ واہ ہو، احقر نے یہ سن کروہ لکھے ہوئے سب خواب تلف کردیئے۔

ایک مرتبہ فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ کوئی دین کا کام لے لیں تو شیخی نہیں بگھارنی چاہیے۔ اس لیے کہ دین کا کام تو خداوند عالم فاسق وفاجر سے بھی لے لیتے ہیں جیسا کہ حدیث میں آتا ہے

ان اللّٰہ لیؤ ید الدین بالرجل الفاسق

آپ اپنے احباب کو بتاکید فرماتے تھے کہ یہ دعا بھی کیا کرو کہ خدا ہمیں فاسق و

فاجر نہ بنائے۔(رجل رشید،ص۱۳۳)

سادگی اور تواضع کے چند دلچسپ اور سبق آموز واقعات

حضرت مولانا نعیم الدین صاحب زید مجدھم آگے آپکے مفصل حالات زندگی بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

شریعت مقدسہ میں سادگی اور تواضع اختیار کرنے پر بہت زور دیا گیا ہے۔ آنحضرت ﷺ باوجود سرور کائنات اور فخرِ موجودات ہونے کے اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعا کیا کرتے تھے۔ **اللھم احینی مسکیناً وامتنی مسکیناً واحشرنی فی زمرۃ المساکین"**

(اے اللہ مجھے تواضع زندہ رکھ، متواضع موت دے اور متواضع لوگوں میں میرا حشر فرما)

اس مبارک دعا کی روشنی میں جب ہم حضرت قاری صاحب مرحوم کی زندگی کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ آپ باوجود جامع العلوم والفنون، بہترین مدرس، مصنف، متکلم، مناظر اور فقیہ ہونے کے انتہائی سادگی اور تواضع کے ساتھ زندگی گزارتے تھے، لباس و پوشاک، وضع قطع، چال ڈھال، ہر چیز میں سادگی اور تواضع جھلکتی تھی، بڑائی کا وہاں نام ونشان بھی نہ تھا۔ بغیر استری کئے ہوئے کپڑے پہن لینا، معمولی جوتی و چپل میں گزارا کر لینا آپ کے لیے معمولی بات تھی۔

حکیم انیس احمد صاحب صدیقی (فاضل دیوبند) کے صاحبزادے حافظ انوار محمود راوی ہیں کہ:

''میری اور میرے بڑے بھائی حامد صاحب کی شادی میں حضرت مولانا قاری عبدالرشید رحمہ اللہ مدعو تھے، آپ کی طرف ہر ایک کی نگاہ تھی اور آپ ہی مہمان خصوصی تھی، لیکن سادگی کا یہ عالم تھا کہ بغیر استری کئے ہوئے کپڑے اور پاؤں میں پلاسٹک کی چپلیں پہن رکھی تھیں''۔

آپ کا معمول تھا کہ دوپہر کو مسجد میں قیلولہ کے لیے لیٹتے تھے تو بغیر تکیے کے اور بغیر پنکھا چلائے سوتے تھے۔

اپنے شاگرد اور متعلقین کا تعارف کرانا ہوتا تو فرماتے کہ یہ ہمارے دوست اور ساتھی ہیں، کبھی یہ فرماتے کہ یہ میرے شاگرد یا مرید ہیں۔

حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب رحمہ اللہ کے صاحبزادے مولانا سید مسعود میاں صاحب نے یہ واقعہ بیان فرمایا کہ ایک دفعہ ہم حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کے ساتھ لاہور سے مولانا ظہور الحق صاحب دامت برکاتھم کے گھر حضرو ضلع اٹک گئے تو سفری تھکان کی وجہ سے قاری صاحب لیٹ گئے، ایک شاگرد نے قاری صاحب کے پاؤں دبانے شروع کر دیئے، میرے دل میں خیال آیا کہ مجھے بھی خدمت کرنی چاہیے، یہ سوچ کر پاؤں دبانے کے لیے ہاتھ رکھا ہی تھا کہ آپ نے فوراً منع فرمادیا کہ تم مت دباؤ، میں نے عرض کیا کہ وہ بھی تو دبا رہا ہے فرمایا کہ اس کو دبانے دو تم مت دباؤ۔

مولانا مسعود میاں صاحب کہتے ہیں کہ میں تو یہی سمجھا کہ چونکہ حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ ابو کے شاگرد ہیں، اس لیے استاذ زادے سے پاؤں دبوانے کو مناسب نہیں سمجھا۔

آج کل اپنی بات پر اڑے رہنا خواہ وہ بات غلط ہی کیوں نہ ہو اور اپنے قصور کی معافی مانگنے سے ہچکچانا بلکہ اسے محال سمجھنا ایک عام مزاج بن گیا ہے لیکن قاری صاحب مرحوم کی عادت بالکل مختلف تھی، اگر ان پر اپنی غلطی واضح ہو جاتی تو اس سے رجوع بھی فرماتے اور اگر کسی کی دل شکنی ہوتی تو معافی مانگنے سے گریز نہ کرتے اور اس میں بڑے چھوٹے کی تخصیص نہ تھی سب کے ساتھ یکساں معاملہ تھا۔

جناب اقبال انصاری صاحب اپنا اسی نوع کا ایک واقعہ تحریر فرماتے ہیں:

''جب ہم نے شروع میں آپ کے پاس جانا شروع کیا تو ایک مرتبہ مجھے اپنی کم علمی کی وجہ سے کسی بات کی سمجھ نہ آئی اور میں حضرت کے پاس کچھ دن نہ گیا۔ ایک دن میں گیا تو آپ نے فرمایا کہ:

''بھائی اقبال! تم آتے نہیں ہو آج کل کیا بات ہے؟ ہم سے کوئی غلطی ہوگئی ہے کیا؟'' میں نے صاف صاف بات بتلا دی (وہ بات اب مجھے یاد نہیں) حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ نے فوراً فرمایا کہ ''بھائی اگر میری اس بات سے آپ کو تکلیف ہوئی ہے تو

میں معافی چاہتا ہوں، آپ مجھے معاف فرمادیں'' یہ صورت حال دیکھ کر میں تو زاروقطار رونے لگا، آپ نے اپنی بات کی کوئی بیان نہ فرمائی، بلکہ وہیں روتے روتے میرا ذہن بالکل صاف ہوگیا اور تمام اعتراض آنسوؤں میں دُھل گئے''۔

مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمہ اللہ کے واقعات

کوئی ایسا بھی تو ہو جس سے میں اپنے آپ سنبھالتا رہوں، اور میری اصلاح ہوتی رہے

شیخ الاسلام حضرت اقدس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدھم آپکے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں:

تواضع، سادگی اور فنائیت کا یہ عالم تھا کہ اپنے آپ کو دنیا بھر کا خدمت گزار سمجھا ہوا تھا۔ مدرسہ کے طلبہ کی بیماری کی خبر سنتے تو ان کی نہ صرف بیمار پرسی، بلکہ اپنے ہاتھوں سے ان کی خدمت کرتے، ایک نومسلم طالبعلم کی تمام ضروریات کی کفالت آپ نے اپنے ذمہ لے رکھی تھی وہ صاحب کچھ عجیب طبیعت کے واقع ہوئے تھے۔ جب ان کے جی میں آتا، عین مجلس میں آکر ایسی باتیں حضرت والاؒ سے کہہ دیتے جو سننے والوں کو گستاخانہ معلوم ہوتیں۔ دکان داروں سے قرض کر لیتے، اور پھر آکر تقاضا کرتے کہ مجھے پیسے چاہیے ایک مرتبہ مجلس میں آئے اور کہنے لگے کہ ''ہمارے جوتے ٹوٹ گئے ہیں اور بنوادیجئے'' حضرتؒ نے فرمایا کہ ''ابھی تو خرید کر دیے تھے، تھوڑے سے ٹوٹے ہوں گے، مرمت کروادی جائے گی'' انہوں نے کہا ''وہ ہیں کمرے کے باہر آپ دیکھ لیجئے'' ان کے اس جواب پر حضرت والاؒ مجلس سے اٹھ کر دھوپ میں باہر تشریف لائے، جہاں بہت سے جوتے رکھے تھے۔ چونکہ آپ کو ان کے جوتے کی پہچان نہیں تھی اس لیے مختلف جوتے اٹھا اٹھا کر فرماتے رہے کہ ''یہ تمہارے جوتے ہیں؟'' اور وہ صاحب اندر ہی اندر سے انکار کرتے رہے۔ بالآخر جب دیر گزر گئی تو حاضرین میں سے کسی صاحب نے ان

سے کہا کہ ''تم سے اتنا بھی نہیں ہوتا کہ آگے بڑھ کر دکھلا دو'' اس پر انہوں نے اپنے جوتے دکھلائے، اور حضرتؒ نے مرمت کے لیے پیسے دیئے۔ کسی نے ان صاحب کے بارے میں حضرتؒ سے عرض کیا کہ یہ صاحب ایسی بے تکی باتیں کرتے رہتے ہیں۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ بھائی حضرت تو سب لوگ کہتے ہیں، کوئی ایسا بھی تو ہو جس سے میں اپنے آپ سنبھالتا رہوں، اور میری اصلاح ہوتی رہے''

(نقوش رفتگاں ص ۳۶۵)

لیکن اس وقت کوئی نہیں ہے، اب دبوا لیجئے، آپ کو آرام آجائے گا

ایک مرتبہ حضرتؒ مدرسہ تشریف لے جارہے تھے، راستے میں ایک بڑے میاں اپنے مکان کے دروازے کے باہر چارپائی پر لیٹے ہوئے کراہ رہے تھے۔ حضرت والدؒ نے ان سے سلام کے بعد حال دریافت کیا، انہوں نے کمر میں درد کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا ''لایئے، میں آپ کی کمر دبا دوں'' انہوں نے سختی سے انکار کیا، آپ اس وقت تو مدرسہ تشریف لے گئے، لیکن رات کو عشاء کے بعد پھر ان کے پاس پہنچ گئے، اور ان کی کمر دبانی شروع کردی، اور ان کے انکار پر فرمایا کہ صبح تو دوسرے حضرات بھی موجود تھے۔ آپ ان سے شرماتے ہوں گے، لیکن اسوقت کوئی نہیں ہے، اب دبوا لیجئے، آپ کو آرام آجائے گا۔ حضرت حکیم الامت قدس سرہ سے اصلاحی تعلق قائم ہونے کے بعد آپ پر مخلوق خدا پر شفقت کا ایک خاص حال اس درجہ طاری ہوا کہ انسان تو انسان کسی جانور اور کیڑوں مکوڑوں کو بھی اپنی ذات سے کوئی ادنیٰ تکلیف پہنچنا بے حد شاق گزرتا تھا۔ یہاں تک کہ موذی حشرات الارض کو بھی اپنے ہاتھ سے مارنے پر قدرت نہ ہوتی تھی، جس شخص کا جانوروں کے ساتھ یہ معاملہ ہو وہ انسانوں کی تکلیف کا کس درجہ خیال رکھے گا؟ اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ (ایضاً ص ۳۶۶)

حضرت کی ایک اہم ہدایت: ''محبت میں غلو نہیں ہونا چاہیے

آپکے سوانح نگار مفتی رشید احمد میواتی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے ابتداء ہی میں (سوانح حیات کی) اجازت تحریر

فرماتے ہوئے جواب میں یہ تحریر فرما دیا تھا کہ ''امید ہے کہ غلو سے خلو ہوگا''۔ نیز سوانح کی ترتیب کے زمانے میں اکثر و بیشتر حضرت والا اس کی تاکید فرماتے رہے کہ غلو نہیں ہونا چاہیئے اور اشاعت کی اجازت مرحمت فرماتے ہوئے بھی تاکید فرمائی کہ غلو نہ ہو، اکثر محبت میں غلو ہو جاتا ہے۔

چنانچہ مورخہ ۲۲ شعبان ۱۴۱۲ھ جمعرات کے دن دس بجے کے قریب بندہ حاضر خدمت ہوا تو دریافت فرمایا کہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ بندہ نے عرض کیا حضرت والا کے جو حالات دریافت کیئے تھے انہیں کو ترتیب کے ساتھ لکھ رہا ہوں۔ اس پر ارشاد فرمایا کہ یہ ٹھیک ہے کہ آپ محبت میں لکھ رہے ہیں مگر غلو سے تو خالی ہوگا نہیں اور غلو ہونا نہیں چاہیئے! دیکھو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں لاتغلو فی دینکم (''اپنے دین میں حد سے مت نکلو''۔ سورۃ النساء آیت ۱۷۱) جب دین میں غلو کو منع کیا گیا ہے تو کسی کے حالات کے بیان میں غلو کیسا؟ یہ بھی تو دین ہی کا حصہ ہے اور ارشاد فرمایا کہ خطوط میں بعض لوگ کچھ کچھ لکھ دیتے ہیں، کوئی ''قطب'' لکھ دیتا ہے، کوئی ''غوث'' لکھ دیتا ہے، کوئی ''شیخ الحدیث'' لکھ دیتا ہے کوئی ''حافظ'' لکھ دیتا ہے، میں سب کو کاٹ دیتا ہوں اور لکھ دیتا ہوں کہ اس سے میری طبیعت محجوب ہوتی ہے ہاں! کوئی حاجی لکھ دیتا ہے تو نہیں کاٹتا کیونکہ الحمدللہ حج تو کیا ہے۔ اور فرمایا کہ ''مسیح الامت'' کا لقب میرے استاذ حضرت مفتی سعید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ (صاحب معلم الحجاج) کا دیا ہوا ہے، کسی شاگرد کا دیا ہوا لقب ہوتا تو میں اس کو بھی کاٹ دیتا (حیات مسیح الامت ص ۴۰)

ایک دیہاتی قالین پر آ کر بیٹھ گیا

حضرت والا میں تواضع، عجز و انکسار، فنائیت و عبدیت کا یہ حال ہے کہ بایں کمالات رفیعہ و اوصاف حمیدہ اپنے آپ کو کچھ بھی نہیں سمجھتے ہر شخص سے اپنے آپ کو ادنیٰ خیال فرماتے ہیں اور نہایت تاکید کے ساتھ اس کی تعلیم فرماتے ہیں، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ:

''دوسرا شخص دینی یا دنیوی حیثیت سے خواہ کتنے ہی کم درجے کا ہو کبھی بھی اس پر حقارت کی نظر نہ ہو اور اللہ تعالیٰ خواہ کتنے ہی دینی یا دنیوی اعتبار سے کمالات سے نواز دیں کبھی اپنے پر نظر نہ ہو، سب اس کا فضل و انعام ہے''

مورخہ ۱۰ رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ بروز پیر آج چونکہ مجلس نہیں تھی، جس دن مجلس نہ ہو تھوڑی دیر کے لیے حاضری کی اجازت ہے، چنانچہ بندہ حاضر ہوا، یہ واقعہ دیکھا کہ ایک بالکل غریب، دیہاتی، ان پڑھ آدمی، میلے کپڑے والا حضرت والا کے قالین پر دو چھوٹے والے تکیوں سے ٹیک لگائے ہوئے بیٹھا ہوا ہے، حضرت والا اپنی جگہ اطمینان سے ڈاک تحریر فرما رہے ہیں، اس دیہاتی سے کچھ نہیں فرمایا کہ آپ یہاں کیوں بیٹھے ہیں، جہاں اور لوگ بیٹھے ہیں وہاں کیوں نہیں بیٹھے، نہ کسی قسم کی ناگواری کا اظہار فرمایا، حاضرین کو ناگوار گزر رہا تھا مگر حضرت والا کے سامنے کسی کو کچھ کہنے کی جرأت نہیں تھی، حضرت والا اطمینان سے کچھ دیر تک ڈاک تحریر فرماتے رہے، وہ دیہاتی شخص برابر قالین پر بیٹھا رہا۔ ایک خط کو پورا کرنے کے بعد حسب عادت دریافت فرمایا کیسے آنا ہوا؟ اس نے اپنی بات عرض کی حضرت والا نے کرنے کے بعد حسب عادت دریافت فرمایا کیسے آنا ہوا؟ اس نے اپنی بات عرض کی حضرت والا نے حسب عادت شریفہ اس کی پوری بات سنی، دعائیں دیں اور مصافحہ کے بعد اس کو رخصت فرمایا۔

اس واقعہ سے حضرت والا کی تواضع اور کسر نفس وغایت عبدیت کی شان ظاہر ہے یہ حضرات اہل اللہ اپنے آپ کو بالکل مٹائے ہوئے ہیں۔

دوران مجلس بھنگی سے بات کرنے کا واقعہ

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی ایک مرتبہ برآمدے میں مجلس ہو رہی تھی، دوران مجلس ایک بھنگی آیا اور اس نے کہا کہ مجھے آپ سے تنہائی میں کچھ بات کرنی ہے، حضرت والا نے دوران مجلس ہی اس کی یہ بات سن کر اٹھنا چاہا تو بھائی جان مدظلہ (حضرت رحمہ اللہ کے اکلوتے فرزند ارجمند (حضرت مولانا محمد صفی اللہ صاحب زید مجدھم مراد ہیں) نے جو مجلس میں موجود تھے، فرمایا کہ بھنگی ہے، یہیں رہتا ہے، مجلس کے بعد بات کرلیگا۔ اس پر حضرت والا نے ارشاد فرمایا: ''اچھا بھائی! تھوڑی دیر میں بات پوری کر کے آپ کی بات سن لوں گا''۔ حضرت والا کا یہ جواب سن کر شاید وہ بھنگی صدر دروازے تک گیا ہوگا اور چند منٹ میں واپس آکر دوران مجلس ہی پھر کہا کہ حضرت! مجھے آپ سے تنہائی میں کچھ بات

کرنی ہے۔ حضرت والا یہ سن کر اٹھے اور نیچے اتر کر غالباً جوتے بھی نہیں پہنے اور جا کر اس کی بات سنی۔

اس کی تنہائی کی بات یہ تھی کہ میں قصبہ کی میونسپل کمیٹی میں ملازمت چاہتا ہوں، حضرت والا سفارشی خط لکھدیں، اس پر حضرت والا نے جواب دیا: بھائی! سفارش کی میری عادت بھی نہیں ہے اور ان سے میرا تعلق بھی نہیں ہے بس میں دعا کرتا ہوں، خدا کرے تمہارا کام ہو جائے''۔

اس واقعہ سے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی غایت درجہ تواضع ظاہر ہے کہ دوران مجلس آپ نے اس کی بات سنی اور یہ فرمانے کے باوجود کی تھوڑی دیر بعد بات ختم کر کے تیری بات سنوں گا وہ پھر آیا، اس پر بھی ناراضگی کا اظہار نہیں فرمایا کہ اتنی جلدی کیوں آیا اور یہ بھی نہیں فرمایا کہ اس میں تنہائی کی کیا بات تھی، سفارش کے لیے کہنا تھا تو سب کے سامنے بھی کہہ سکتا تھا۔

اس میں سبق ہے کہ ایسے موقع پر خلاف طبع بات برداشت کی جائے اور خدا کی مخلوق کی طرف سے کیسی بھی مطلب پرستی اور ایذا رسانی کی بات پیش آجائے مگر اپنی جانب سے ان کی راحت رسانی اور مطلب براری کی جائے۔

میں تم سے معافی مانگنے کے لئے آیا ہوں

ایک مرتبہ کسی نے حضرت والا سے یہ کہدیا کہ بھائی جان نے رشید احمد طالب علم (مرتب کتاب ہذا) سے کچھ کہہ دیا ہے، اس سے لڑائی کی ہے، دوپہر کے وقت گرمی کے موسم میں ہم اندر لیٹے ہوئے تھے، کسی نے کنڈی بجائی، ہم نے دروازہ کھولا تو دیکھا حضرت والا تشریف فرما ہیں جبکہ یہ مسجد حضرت والا کے مکان سے کافی فاصلے پر ہے۔

حضرت والا نے فرمایا کہ: ''مجھے معلوم ہوا کہ بھائی جان نے تم سے جھگڑا کیا ہے، میں اس کی تم سے معافی مانگنے کے لئے آیا ہوں''۔ بندہ نے عرض کیا کہ حضرت! ہماری تو ایسی کوئی لڑائی نہیں ہوئی۔ اس پر بھی حضرت والا نے بار بار معاف کرنے کے لیے فرمایا۔

اس واقعہ سے جہاں تواضع ظاہر ہے وہیں یہ بھی سبق ملا کہ اپنے متعلقین میں سے

بھی اگر کسی کی زیادتی معلوم ہو تو فوراً بڑے کو اس کی جانب سے معافی مانگ لینی چاہیے۔

سراپا عجز وانکسار

تواضع کی وجہ سے درس یا مجلس میں کبھی تخت یا چوکی وغیرہ پر نشست نہیں فرماتے بلکہ بالعموم گدی وغیرہ پر بیٹھتے ہیں۔ جب مجلس خانے میں بعد نماز جمعہ تشریف لاتے ہیں تو گویا زمین سے پیر ملے ہوئے ہوتے ہیں، کبھی نمایاں لباس زیب تن نہیں فرماتے سادہ زندگی اور سادہ طریق ہر معاملے میں رکھتے ہیں، کیسا بھی کوئی شخص خلاف شرع صورت لیے ہوئے ہو کبھی اس کو تحقیر کی نظر سے نہیں دیکھتے، شفقت اور اصلاح کی نظر فرماتے ہیں، کبھی اپنی تعریف وتوصیف کی مجلس قائم نہیں ہونے دیتے۔

ایک مرتبہ بندہ نے مجلس شریفہ کا مقدمہ لکھا تو سن کر فرمایا کہ: ''یہ سب آپ کی محبت کی وجہ سے ہے، جس کو کسی سے محبت ہوا کرتی ہے وہ ایسا ہی سمجھا کرتا ہے۔

حضرت والا کی یہ بھی عادت شریفہ ہے کہ آپ اپنے کام کے لیے کبھی کسی پاس رہنے والے کو بھی یوں حکم نہیں فرماتے کہ فلاں کام کردو، مثلاً پانی لاؤ بلکہ یوں فرماتے ہیں کہ ''مجھے پیاس لگ رہی ہے'' اسی طرح زلزلہ کے چلے جانے کے بعد بجلی چلی گئی تو ڈاکٹر نعیم احمد صاحب سے فرمایا کہ ''مشین چلنی چاہیے''، یہ نہیں فرمایا کہ (بجلی کے لیے) چلادیں۔ اسی طرح اگر حضرت والا کے پاس کچھ حضرات بیٹھے اور پیشاب کا تقاضا ہو تو بجائے یہ فرماتے کہ پیشاب کے لئے جاتا ہوں، یہ فرماتے کہ ''اجازت ہو تو پیشاب کر آؤں''۔

حضرت مولانا محمد یحییٰ بہاولنگری کی تواضع وانکساری

(خلیفۂ مجاز حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ)

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اندر باوجود علم وعمل زہد وتقویٰ کے حد درجہ تواضع تھی۔ اپنے سے بڑوں کے ساتھ بڑوں جیسا معاملہ کرتے اور چھوٹوں کے ساتھ برابر والوں کا

سا سلوک فرماتے اہل علم کے علم کا اعتراف کرتے اور ان کی قدر کرتے، بڑی عزت و اکرام کا معاملہ فرماتے خصوصاً ان لوگوں سے جن کا حضرت رائے پوری رحمہ اللہ سے کسی بھی درجہ کا تعلق رہا ہو۔

حضرت رحمہ اللہ کو باوجود اپنے علم وفضل کے کسی عالم سے استفادہ مین حجاب نہیں تھا۔ بار بار ایسا ہوتا کہ حاضرین مجلس میں سے کسی نے کوئی مسئلہ دریافت کیا، اگر مجلس میں کوئی عالم موجود ہوتے تو ان کو مخاطب کر کے فرماتے تو عموماً ٹھنڈا سانس بھر کر فرماتے میں تو کچھ بھی نہیں ہوں، یہ سب میرے حضرت رائے پوری رحمہ اللہ کے جوتوں کا صدقہ ہے اور اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے۔

میں نے بار ہا سنا کہ بیعت کرتے ہوئے آخر میں فرماتے: ''کہو میں نے بیعت کی حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ کے سلسلہ میں محمد یحیٰی کے ہاتھ پر''

حضرت رحمۃ اللہ میں تواضع کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، ہزاروں آدمی آپ سے بیعت تھے، مگر آپ کا انداز معروف پیروں جیسا نہیں تھا، ہدایت ورہنمائی کیلئے آپ کے پاس مختلف قسم کے لوگ آتے رہتے، آپ ان سب کو حسب حال ہدایت ورہنمائی فرماتے تھے، آپ ہر خورد وکلاں، عالم وجاہل اور امیر وغریب سب سے نہایت خندہ پیشانی اور عجز وانکساری سے پیش آتے اور نہایت عجز وانکساری سے پیش آتے اور نہایت توجہ سے مزاج پرسی فرماتے، کبھی اپنے کشف وحالات کا تذکرہ نہ فرماتے۔

آپ اتباع شریعت کا کامل نمونہ اور طریقت کے اسرار وحکم کے بے مثال خزینہ تھے۔ آپ میں اخفائے حال اور سادگی بدرجہ اتم تھی۔

(سوانح حیات حضرت مولانا محمد یحیٰی بہاولنگری رحمہ اللہ ص ۱۹۸)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

فقیہ العصر مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمہ اللہ کے واقعات

حضرت مفتی صاحب تواضع اور خودداری کا نمونہ تھے

حضرت اقدس مفتی محمود اشرف صاحب زید مجدھم تحریر فرماتے ہیں:

حضرت مفتی صاحب بہت متواضع غریب المزاج ہونے کے ساتھ انتہائی درجہ کے خوددار تھے، ہمیشہ غرباء فقرا کی طرح زندگی گزاری لیکن خودداری اور استغناء کا عالم یہ تھا کہ اگر کسی شخص کی طرف سے ذراسی لاپرواہی اور بے اعتنائی دیکھتے تو اس کے ساتھ دگنی استغناء کا معاملہ کرتے اس تواضع اور خودداری بلکہ ان دونوں باتوں سے بھی بڑھ کر فنائیت کاملہ اور ثواب عنداللہ کے گہرے جذبات کے تحت انہوں نے اس بات کی بھی کوشش نہیں کی کہ ان کے لکھے ہوئے فتاویٰ کا ریکارڈ قائم کیا جائے اور محفوظ ہوتے چلے جائیں اسے مفتی صاحب کی تواضع کہیں یا ارباب مدرسہ کا استغنا کہ جامعہ اشرفیہ میں حضرت مفتی صاحب کے فتاویٰ کا مطلقاً کوئی ریکارڈ نہیں رکھا گیا اور اب جو لوگ مفتی صاحب کے فتاویٰ کو جمع کرنے کی خواہش رکھتے ہیں ان کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ مختلف ذرائع سے ان فتاویٰ کو متفرق اشخاص اور مختلف رسائل سے حاصل کریں۔ البتہ حضرت مفتی صاحب نے کچھ عرصہ دارالعلوم الاسلامیہ لاہور میں افتاء کی خدمت انجام دی تو اس زمانہ کے فتاویٰ ایک رجسٹر میں محفوظ ہیں۔

(بیس علماء حق ۵۳۰)

فتویٰ میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر اعتماد

حضرت مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بہت احترام فرماتے کئی بار احقر سے فرمایا کہ حضرت مفتی صاحب فتوی کے ہائیکورٹ تھے ادھر ادھر سے جو مسئلہ لکھا جاتا آخری فیصلہ حضرت مفتی صاحب کے یہاں ہوتا تھا۔

مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے ذاتی مسائل اور ذاتی معاملات میں بھی اپنے آپ سے فتوی لینے کے بجائے اس قسم کے معاملات میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھتے اور جو جواب آتا اس پر عمل فرماتے (یہ حضرت مفتی صاحب کی بے نفسی، دین میں احتیاط اور اپنے اکابر پر اعتماد کی ایک ادنیٰ مثال ہے۔)

جب حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ کا انتقال ہوا تو پورے ملک بلکہ پورے عالم اسلام میں اس سانحہ کو محسوس کیا گیا لیکن حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس حادثہ کی خاص تکلیف محسوس کیا لیکن حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس حادثہ کی خاص تکلیف محسوس کی۔ ان دنوں میں احقر کی موجودگی میں ایک صاحب نے حضرت مفتی جمیل احمد صاحب کے سامنے تاثرات کا ذکر کیا کہ حضرت مفتی جمیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کچھ دیر اور سنتے رہے پھر ایک خاص کیفیت میں فرمایا: تمہارا کیا نقصان ہوا؟ تمہیں کوئی مسئلہ معلوم کرنا ہو ہم سے معلوم کر لینا۔ نقصان تو ہمارا ہوا ہے۔ ہمیں اب مسئلہ معلوم کرنا ہوگا تو کس سے معلوم کریں گے؟''

مسکنت اور بے نفسی

حضرت مفتی اشرف صاحب زید مجدھم ہی تحریر فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے احقر کو محض اپنے فضل و کرم خاص سے اولیاء اللہ اور اپنے زمانہ کے اکابر علماء کی خدمت میں تو بہت حاضری اور صحبت سے بلا استحقاق نواز اور حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ کی خدمت میں حاضری بلکہ حاضر باش رہا۔ احقر نے حضرت مفتی جمیل احمد صاحبؒ (اور حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ) کے یہاں بے نفسی مسکنت اور دنیا سے دل سرد ہو جانے کی خاص کیفیت عجیب وغریب محسوس کی حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ (مہتم و دبانی جامعہ اشرفیہ سکھر) کی کفالت انہیں کے سر تھی پھر غربت و افلاس کا دور دورہ رہا۔ اس لئے مفتی صاحب نے بڑی مشقت کی زندگی برداشت کی اور بہت تکلیفیں اٹھا کر علم و دین کا پرچم تھامے رکھا۔

شادی کے بعد بھی اقرباء و متعلقین کیطرف سے تکوینی طور پر دل ٹوٹنے کے ایسے

واقعات پیش آئے جن سے حضرت مفتی صاحب کی طبیعت پر غیر معمولی اثرات پڑے، پھر جن اداروں سے ان کا تعلق رہا وہاں بھی ان کی ہمت افزائی کم ہوئی بلکہ عدم تعاون کا عمل زیادہ جاری رہا اس طرح انہوں نے تقریباً پوری زندگی تنہا گذاری اس تنہائی میں ان کی غمگسار و مونس وہ ذات باری تعالیٰ تھی جس کی پناہ ہر مسکین و غریب کیلئے سرورِ قلب و نظر ہے۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کا مظہر تھے۔"اللھم احینی مسکینا وامتنی مسکینا واحشرنی فی زمرۃ المساکین"

''اے اللہ مجھے مسکین زندہ رکھئے'' مسکنت کی موت عطا کیجئے اور مساکین کے گروہ میں مجھے اٹھایئے'' حضرت مفتی صاحب آخر شب میں تین چار بجے اٹھ بیٹھتے تھے۔ پھر وہ ہوتے اور ان کا پروردگار، بعد میں دن بھر وہ ہوتے اور مسلسل دینی کام، مفتی صاحب روزانہ پیدل یا بس کے ذریعے پہلے گولڈنگ روڈ نزد گنگارام کے گھر سے جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد تشریف لاتے، پھر جب ماڈل ٹاؤن تشریف لے گئے تو وہاں سے مسلم ٹاؤن جامعہ اشرفیہ بس کے ذریعے تشریف لاتے اور بس کے ذریعہ ہی واپس جاتے۔ ایک پرانے کپڑے کے بٹوہ میں چند سکے ان کے پاس ہوتے جنکے ذریعہ وہ بس کا کرایہ ادا کرتے۔ شدید گرمی کے زمانہ میں وہ ساری دوپہر دارالافتاء میں گذارتے۔ ایسی گرمی میں چند پیسوں کی برف منگوا کر ایک پرانے تھرماس میں وہ برف رکھتے اس تھرماس میں تھوڑا سا پانی ڈال کر نکالتے ایک اجلے کٹورہ میں پانی نکال کر اس ٹھنڈے یخ بستہ پانی کو گھونٹ گھونٹ پی کر ختم کرتے ورنہ چائے یا اور دوسری چیزوں کی انہیں کوئی خاص رغبت نہ تھی۔ عصر کے بعد بس کے ذریعہ ہی واپس گھر روانہ ہوتے کبھی کبھار کوئی صاحب اسکوٹر پر حضرت کو ماڈل ٹاؤن لے جاتے تو مشقت کچھ کم ہو جاتی۔ آخر حیات میں ضعف زیادہ ہو گیا تو جامعہ اشرفیہ کے منتظمین نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو لانے اور لے جانے کے لئے مدرسہ کی کار کا بندوبست کر دیا جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو لاتی اور لے جاتی جسکے بعد حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ مشقت ختم ہوئی۔

آخر حیات میں فرماتے کہ ”مجھے زندگی بھر یہ خواہش رہی کہ میں شامی کا ایک نسخہ ذاتی طور پر اپنے لئے خریدوں اس کی اس طرح جلد بندی کراؤں کہ ہر صفحہ کے بعد ایک صفحہ سفید کاغذ کا لگا ہو۔ پھر ہر مسئلہ سے متعلق شامی کے علاوہ دوسری کتابوں میں جو کچھ ہو وہ شامی کے سامنے کے سامنے نقل کر دوں تا کہ اس مسئلہ سے متعلق تمام پہلو ایک جگہ جمع ہو جائیں۔ مگر افسوس کہ زندگی بھر اتنے پیسے نہ ہوئے کہ اپنی شامی خرید سکوں پھر فرمایا کہ اب بحمداللہ وسعت ہوگئی ہے مگر صحت ہی ختم ہوگئی ہے۔

مفتی اعظم حضرت مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی رحمہ اللہ کی فنائیت

مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہید رحمہ اللہ آپ کے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں:

حضرت مفتی صاحب شروع ہی سے نہایت سادہ مزاج اور صوفی منش تھے، دیکھنے والا ان کی وضع قطع کو دیکھ کر یہ اندازہ نہیں کر سکتا تھا کہ یہ اتنے بڑے عالم، ایسے عظیم فقیہ، اتنے جلیل القدر محدث اور ایسے بلند پایہ صاحب نسبت ہیں۔ اللہ والوں کی یہی شان ہوتی ہے۔ جو جتنا بڑا اور اونچا مرتبہ رکھتا ہے وہ اپنے آپ کو اسی قدر بچھاتا ہے اور سادہ رکھتا ہے پتھر جتنا وزنی اور بھاری ہوگا، اتنا ہی نیچے کی طرف جائے گا اور غبارہ جتنا ہلکا اور پھولا ہوا ہوگا اتنا اوپر کی طرف جاتا ہے یہی حال مفتی صاحب مرحوم کا بھی تھا۔ تواضع میں کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔ ہمارے شیخ مربی اور استاذ جلیل حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز دعاجو دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ایک شعر پڑھا کرتے تھے۔

تواضع کا طریقہ سیکھ لوگو صراحی سے
کہ جاری فیض بھی ہے اور جھکی جاتی ہے گردن بھی

یہی حال حضرت مفتی صاحب کا بھی تھا کہ ایک طرف تو فقہ و حدیث کے پہاڑ، ادب عربی اور دیگر علوم کے بحر ذخار، لیکن ظاہر دیکھو تو ایک سیدھے بھولے بھالے انسان، علمی ابحاث میں حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے بڑے عجیب نکات بیان کرتے دیکھا۔

(مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی رحمہ اللہ ص ۸)

حافظ القرآن والحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی رحمہ اللہ کے واقعات

تم لوگ مجھ سے بدرجہا بہتر ہو، میں تو بدی کا پتلا ہوں

آپ کے فرزندار جمند حضرت مولانا خلیل الرحمٰن صاحب زید مجدھم تحریر فرماتے ہیں:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو راستے میں ایک بڑھیا روک کر اپنے مسائل سناتی رہتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑی تواضع وانکساری سے اس بڑھیا کی باتیں غور سے سنتے رہتے چہرے پر کبھی ملال نہ آیا، اسی طرح حضرت درخواستی رحمۃ اللہ علیہ بھی انتہائی منکسر المزاج تھے۔ اپنی تعریف تو بالکل پسند نہ فرماتے، دوران تقریر اگر کوئی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے نام کا نعرہ لگاتا تو ناراض ہو جاتے۔ دوپہر کے وقت عیدگاہ میں بغیر تکیے کے ہی خالی چٹائی پر قیلولہ فرماتے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے خود کو کبھی بھی دوسروں سے بڑا نہیں سمجھا، عالم مخاطبین سے فرماتے تم لوگ مجھ سے بدرجہا بہتر ہو، میں تو بدی کا پتلا ہوں۔ باوجود اس کے کہ ۳۲ سال کے طویل عرصہ تک جمعیت علماء اسلام پاکستان کے امیر رہے مگر ہمیشہ خود کو آگے لانے کے بجائے اپنے ماتحت علماء کو اہمیت دیتے۔ حتیٰ کہ اس عرصہ میں جن جن حضرات نے بھی حضرت درخواستی رحمۃ اللہ علیہ کے ماتحت ناظم عمومی کے عہدے پر کام کیا۔ اپنے اپنے دور میں پوری دنیا میں شہرت انکا مقدر بنی۔ انہیں صفات و خصوصیات کو دیکھ کر حضرت درخواستی کے پرانے رفیق سفر سید امین گیلانی فرطِ جذبات میں پکار اٹھے۔

ہونٹوں پہ حق کی بات ہے دل محوِ فکر حق
ان کی نظر نظر میں ہے پیغامِ ذکرِ حق
انسان کی شکل میں عمل و راستی کو دیکھ
کھول آنکھ دل کی حضرتِ درخواستی کو دیکھ

فدا ہوں آپ کی کس کس ادا پر
ادائیں ہیں لاکھوں اور دل بے تاب ایک

(ماہنامہ انوار القرآن ''حافظ الحدیث نمبر'' ص ۳۵۳)

زندگی میں ہم نے کیا ہی کیا ہے جو آپ ہمارے حالات لکھتے ہیں

آپ کے نواسے مفتی عبدالقیوم دین پوری صاحب زید مجدھم تحریر فرماتے ہیں:
تواضع وانکساری کا یہ عالم تھا کہ مولانا قاری فیوض الرحمٰن صاحب مدظلہ جو کہ حضرت کے اجل تلامذہ میں سے ہیں اپنی کتاب ''مشاہیر علماء'' میں لکھتے ہیں کہ:
''میں نے آپ کا سوانحی تذکرہ لکھنے کی بہت کوشش کی مگر آپ نے یہ فرمایا کہ:
زندگی میں ہم نے کیا ہی کیا ہے جو آپ ہمارے حالات لکھتے ہیں، انکار فرمادیا۔

ذرا پی کر بہک جانا یہ کم ظرفوں کا شیوہ ہے

مولانا عرفان الحق حقانی (دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک) تحریر فرماتے ہیں:
عجز وانکساری آپ رحمۃ اللہ علیہ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی تواضع ان کی فطرت تھی۔ جاہ ومرتبہ اور منصب ومقام پا کر یا بڑے رتبہ اور مقام پر پہنچ کر مدارس عربیہ کی سرپرستی، جمعیت علماء اسلام کی امارت، تحریک ختم نبوت، تحریک نظام مصطفیٰ، تحریک نفاذِ شریعت اور دیگر بیسیوں تحاریک کی قیادت، علم تفسیر وحدیث میں جلیل القدر امامت، پورے عالم میں بے مثال محبوبیت کی بلند ترین منزل پر پہنچنے کے باوجود وہ اپنی زندگی میں آخر دم تک بے تکلف اور سادہ تھے۔ ایسے مقامات پر پہنچ کر اچھے اچھے بہک جاتے ہیں۔

ذرا پی کر بہک جانا یہ کم ظرفوں کا شیوہ ہے۔

حضرت درخواستی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مقامات پر پہنچے لیکن نہ تو ان کی بات چیت میں فرق آیا نہ وضع اور لباس میں اور نہ کسی اور چیز میں سوائے اس کے کہ تواضع بڑھتی گئی،

انابت اور تذلل الی اللہ کی کیفیت روز افزوں تھیں۔

حضرت مولانا محمد رضا اجمیری رحمہ اللہ (شیخ الحدیث دار العلوم اشرفیہ راندیر گجرات) کی للّٰہیت وتواضع

شیخ طریقت حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب الہ آبادی (خلیفہ مجاز حضرت مولانا محمد وصی اللہ صاحب الہ آبادی رحمہ اللہ) آپ کے حالات میں تحریر فرماتے ہیں:

مولانا نے زندگی کے اکثر دور میں امامت فرمائی ہے مگر کبھی امامت کی تنخواہ نہیں لی اور مسجد میں امامت کے علاوہ اس کی صفائی، ستھرائی کا خود ہی اہتمام فرماتے۔ بلکہ حوض اور نالیاں خود صاف کر دیتے، تنخواہ کا شدت سے انکار فرماتے اور فرماتے کہ اس میں تو میرا مسجد میں رہنے سے نماز خوب پابندی سے ادا ہو سکتی ہے۔

مولانا نام ونمود، بڑائی اور اظہار سے کوسوں دور تھے، دوسروں کی ادنیٰ تکلیف کا خیال فرماتے، معاملات ومعاشرت میں دوسروں کی راحت وسہولت کا حد درجہ اہتمام فرماتے۔ ضرورت مندوں کی حاجت پوری کرنے میں غایت شفقت سے کام لیتے اور جلد سے جلد پورا فرما دیتے، آنے والے کی تواضع اور اکرام خود فرماتے، چائے شربت خود بنا کر پیش کرتے۔

مولانا اپنے قول وعمل میں کسی کو تکلیف دینا از حد ناپسند فرماتے، اسی وجہ سے اپنا کام خود انجام دیتے اور خدام وغیرہ نہ رکھتے تھے، طلبہ اپنی سعادت وخوش نصیبی سمجھتے، اگر مولانا کوئی خدمت انہیں سپرد فرماتے، لیکن سفر وحضر میں خادموں سے کام ہرگز نہ لیتے اور فرماتے ان بیچاروں کو کیوں تکلیف دی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے طاقت وقوت دی ہے پھر کیوں دوسروں کا آدمی ہر وقت محتاج رہے۔

دوسروں کو بھی نصیحت فرماتے کہ اپنا کام خود کیا کرو، بازار سے سودا سلف خود مہیا فرماتے، راستہ میں کوئی بوجھ لینا چاہتا تو ہرگز گوارا نہ فرماتے۔ کمرہ میں جھاڑو دینا، درس گاہ میں صفائی کرنا، مکان کے سامنے خود جھاڑو لگا لینا آپ کے معمولات میں داخل تھا۔

تواضع و بے نفسی کا یہ حال تھا کہ درسگاہوں کے سامنے طلبہ کے بے ترتیب جوتے پڑے ہوتے تو اپنی چھڑی سے سب کو بالترتیب رکھ دیتے۔اور فرماتے کہ جوتے راستہ کے بیچ میں مت اتارا کرو۔انہیں ترتیب سے رکھا کرو، کسی کی ٹھوکر لگ جائے تو کہاں سے کہاں پہنچ جاتے ہیں۔

مولانا نے تدریس کے زمانہ میں بھی کسی طالب علم سے خدمت لینے کو پسند نہیں کیا، شادی سے قبل کھانا خود اپنے اپنے ہاتھ سے پکا کر کھاتے۔ ہفتہ میں ایک روز پکا لیتے اور سات دن تک اسی کو گرم کر کے کھاتے رہتے۔سلیقہ اور حفاظت سے بچا ہوا کھانا رکھتے تاکہ خراب نہ ہو۔ (اقوالِ سلف حصہ ششم ص ۱۸۶)

شیخ اسلام، شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزئی شہید رحمہ اللہ کے واقعات

صراحی سرنگوں ہو کر بھرا کرتی ہے پیمانہ

مولوی محمد عتیق الرحمٰن لکھتے ہیں:

آپ رحمۃ اللہ علیہ میں تواضع، عاجزی وانکساری ایسی کوٹ کوٹ بھری ہوئی تھی کہ ماضی قریب میں بھی اس کی مثال شاذ و نادر ہی کہیں ملے گی۔

جیسے جیسے آپ رحمۃ اللہ علیہ کا مرتبہ و مقام بڑھتا گیا آپ رحمۃ اللہ علیہ کی عاجزی و تواضع بھی بڑھتی چلی گئی، تین سال قبل ۱۴۲۲ھ کی بات ہے جب راقم الحروف دورۂ حدیث کا طالب علم تھا، جمعرات کے دن صبح کو ہمارا ششماہی امتحان ختم ہوا تھا، جس کے بعد پورے جامعہ میں تین یوم کی تعطیل تھی، ان دنوں حضرت اقدس سید نفیس شاہ صاحب اطال اللہ بقاء کراچی کے دورہ پر جامعہ میں قیام پذیر تھے، مریدین و متعلقین کا تانتا بندھا رہتا تھا، ہر روز بعد نماز عصر جامعہ کے چھوٹے سے باغیچے میں (جو کہ اپنے اندر کئی تاریخی واقعات کو سموئے ہوئے ہے) تشریف فرما ہوتے اور حلقۂ وعظ و نصیحت جمار ہتا۔

اسی دن جمعرات کو عصر کے بعد میں نے کمرے سے باہر آ کے دیکھا کہ جامعہ کے

وسطی باغیچے میں حضرت شاہ صاحب تشریف فرما ہیں اور چاروں طرف لوگ بیٹھے ہوئے ہیں، جس میں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی شاہ صاحب مدظلہ کی بائیں جانب تشریف فرما ہیں اور حضرت الشیخ مولانا ڈاکٹر عبدالحلیم چشتی صاحب اور دیگر اکابر موجود ہیں۔

راقم الحروف بھی قریب آ کر حضرت شاہ صاحب کے دائیں پہلو میں ایک طرف بیٹھ گیا اور کیا عجیب پر کیف و پرنور مجلس تھی، حضرت شاہ صاحب دامت برکاتہم اکابرین کے حالات، کارنامے، مجاہدے، تقویٰ و پرہیز گاری اور ان کی دل سوز قربانیاں بیان فرما رہے تھے۔

اس محفل میں جس چیز نے مجھے ورطۂ حیرت میں ڈالا وہ یہ تھی کہ میں حضرت مفتی صاحب کو دیکھ رہا تھا کہ وہ مسلسل حضرت شاہ صاحب کیطرف آگے کو جھکے ہوئے ہمہ تن گوش اور خاص کر مغرب کی اذان تک دوزانوں بیٹھے رہے، باوجود اس کے کہ بیمار ہیں، کمر کا درد لاحق ہے، اور عمر کہولت کو پہنچی ہوئی ہے۔ لیکن اس کے روادار نہیں کہ اپنے شیخ کے روبرو چار زانو ہو کر بیٹھ جائیں، تا آنکہ مغرب کی اذان کا وقت ہوا، حضرت شاہ صاحب مدظلہ نماز مغرب کی ادائیگی کے لیے کھڑے ہوئے تو حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی ان کی اتباع میں کھڑے ہو گئے اور مسجد میں تشریف لے گئے، ہر دو حضرات نے ایک ساتھ پہلی صف میں نماز ادا فرمائی، اس کے بعد جب حضرت شاہ صاحب ذکر و اذکار میں مصروف ہوئے، تو مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی ساتھ ساتھ ذکر، اذکار میں مشغول رہے، یہاں تک کہ جب حضرت شاہ صاحب نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تو حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ذکر و اذکار کا سلسلہ منقطع کر کے حضرت شاہ صاحب کی اقتداء میں دعا کے لئے ہاتھ بلند کر لیئے جب تک حضرت شاہ صاحب نے دعا ختم نہیں فرمائی، حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ لمبی دعا مانگتے رہے، اور ایک ساتھ ہی سنت و نوافل ادا فرمائے۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اتنے عظیم المرتبت ہونے کے باوجود اپنے اکابر کے سامنے کس ادب و احترام کو ملحوظ رکھے ہوئے تھے؟ میں یہ دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گیا اور بے اختیار یہ شعر لب پر مچلنے لگا۔

جو عالی ظرف ہوتے ہیں ہمیشہ جھک کے ملتے ہیں
صراحی سرنگوں ہو کر بھرا کرتی ہے پیمانہ!

(ماہنامہ بنیات خصوصی نمبر ۱۱۲)

شفقت کا عظیم پیکر

سید معراج الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں:

ہمارے استاذ جامعہ فاروقیہ میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے شاگرد رہ چکے ہیں، انہوں نے ایک واقعہ سنایا جو قارئین کے پیش نظر ہے۔ فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں وفاق المدارس کے سالانہ امتحان میں نگران اعلیٰ مقرر ہوئے۔ پرچے شروع ہو گئے، ایک دن پرچے کے درمیان ایک طالب علم کوئی بات پوچھنے کی غرض سے امتحان ہال میں کھڑا ہو گیا وہ اس انتظار میں تھا کہ کوئی استاذ اس کی طرف متوجہ ہوں تو وہ ان سے سوال کرے۔ کھڑے کھڑے اس نے ایک دوسرے طالب علم سے باتیں شروع کر دیں، امتحان ہال میں کسی طالب علم سے بات چیت بہت سخت جرم سمجھا جاتا ہے اور پھر وہ طالب علم تو کھلم کھلا باتیں کر رہا تھا، لہٰذا اس پر حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو سخت غصہ آ گیا، انہوں نے اس طالب علم کو ایک ہی ہاتھ سے چت کر دیا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا، اب بتائیں کون سی بات پوچھنی تھی، بات بتا کر طالب علم کو بٹھا دیا۔ جب پرچے کا مقررہ وقت اختتام پذیر ہوا تو آپ نے اس طالب علم کو بلایا اور اس سے معافی کی درخواست کی، اس طالب علم کی غلط حرکت پر مفتی صاحب کا غصہ اپنے آخری حد کو پہنچ گیا تھا لیکن ایسے غصے کے عالم میں بھی آپ کی شفقت وتحمل غالب رہی، نہ صرف یہ بلکہ آپ نے بہت ادنیٰ طالب علم سے معافی بھی مانگی۔

(اخبار المدارس خصوصی نمبر ۳۸۷)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حضرت سید مولانا حسین احمد مدنی قدس اللہ سرہ اور دارالعلوم میں برکات کا نزول

جس دن حضرتؒ کا قیام دارالعلوم میں ہوتا نماز عصر کے بعد جلیل القدر اساتذہ کرام خصوصاً حضرت مولانا محمد ابراہیم اور حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب (جن کو حضرت استاذ کہہ کر یاد فرماتے تھے) حضرتؒ کی خانقاہ کے صحن میں رونق افروز ہوجاتے اور دل لگی کی ایسی محفل جم جاتی جس سے اساتذہ کرام کی باہمی محبت کا عجیب نقشہ پیدا ہوجاتا۔ اساتذہ کا ایسی مجالس میں بیٹھنا صرف وقتی تفریح طبع نہیں ہوتی بلکہ اس سے کسی ادارہ سے نظم ونسق پر بہت اچھا اثر پڑتا ہے۔ وہ منظر دیدنی ہوتا جب حضرت مدنیؒ خود یا ان کے اشارے سے بعض اساتذہ مولانا اعزاز علی، مولانا عبدالسمیع رحمۃ اللہ علیہم کی جیب سے پیسے نکالنے کی کوشش کرتے، ان کی روک تھام کے باوجود یہ حضرات کامیاب ہوجاتے اور فوراً بازار سے بالوشاہی منگوائی جاتی اور طلباء ودیگر حاضرین میں تقسیم کی جاتی۔ کبھی کبھی حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ مولانا اعزاز علی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی فرماتے، کبھی اپنی عینک مجھے بھی فرمادیں تاکہ مجھ سے طلباء اس طرح ڈریں جس طرح آپ سے ڈرتے ہیں۔ مولانا محمد ابراہیمؒ کی جماعت ''قاضی مبارک'' کا نتیجہ اچھا نہ نکلا تو حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے فرمایا کہ آپ تو امام المعقولات ہیں، پھر آپ کے طلباء کیوں فیل ہوئے۔ آپ نے تبسم کرتے ہوئے فرمایا۔۔۔ ''امام المعقولات میں ہوں طلباء تو نہیں ہیں۔'' اتنے بڑے ادارے میں کبھی کبھی کوئی نہ کوئی واقعہ خلاف توقع پیدا ہوجاتا تھا مگر اسے فوراً حل کردیا جاتا تھا جو حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی بصیرت کا نتیجہ ہوتا۔

ایک دفعہ حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کسی وجہ سے دارالعلوم آنا چھوڑ دیا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو جب سلہٹ سے واپس آنے پر علم ہوا تو فوراً مولانا کے مکان پر تشریف لے گئے اور ان سے یوں فرمایا کہ اگر قیامت کے دن حضرت استاذ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے پوچھا کہ تو نے دارالعلوم کو کیوں چھوڑ دیا تھا تو میں عرض کروں گا کہ محمد ابراہیم نے چھوڑ دیا تھا اس لئے میں نے بھی چھوڑ دیا۔ یہ سن کر حضرت

بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ آبدیدہ ہوکر اسی وقت دارالعلوم تشریف لے آئے اور پڑھانا شروع کردیا۔ (بروایت حضرت مولانا قاری محمد امین مدظلہٗ فاضل دیوبند مہتمم دارالعلوم عثمانیہ ورکشاپی محلہ، راولپنڈی)

اسی طرح دارالعلوم کے مفتی اعظم مولانا محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ ''اسلام اور نسبی امتیازات'' کی اشاعت پر بڑا ہنگامہ برپا ہوا۔ اس کے جواب میں مولانا حبیب احمد حلیمی صدر مدرس مدرسہ مخزن العلوم سہارنپور نے ایک رسالہ ''القول الاسلم'' لکھا اور دیوبند میں پیشہ ور طبقات نے مفتی صاحب کے خلاف ایک عظیم الشان جلسہ کیا جس میں حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اس لئے دعوت دی کہ مفتی صاحب کے خلاف کہلوالیں گے مگر بقول مولانا محمد تقی عثمانی صاحب، حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تقریر میں والد ماجد صاحب کے رسالہ کی اول سے آخر تک ایسی تائید وحمایت فرمائی کہ والد صاحب فرماتے ہیں کہ میں خود بھی ایسی نہ کرسکتا، تقریباً چار گھنٹے تقریر اور ایک گھنٹہ مسلسل لوگوں کے سوال و جواب کا سلسلہ رہا۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سب کا جواب اسی رسالہ کی عبارت پڑھ پڑھ کر دیتے رہے۔

شیخ الاسلام حضرت مدنی قدس سرہ کے درس ترمذی شریف کی ایک جھلک:

حضرت رحمۃ اللہ علیہ ترمذی شریف میں خاص طور پر بڑی مبسوط تقریر فرماتے تھے، مسئلے کے ہر ہر گوشے کو واضح کردیتے تھے، اسناد متون پر سیر حاصل گفتگو فرماتے تھے، ایک ایک لفظ کی تشریح کرتے تھے، اور مسلک امام رحمۃ اللہ علیہ کو ساتھ ہی ساتھ ثابت کرتے جاتے تھے، بعض اہم مسائل میں تنقیحات بھی فرماتے تھے اور ایک ایک تنقیح پر خوب دل کھول کر تقریر فرماتے تھے، بالآخر مسلک امام کو بڑی خوبی کے ساتھ راجح ثابت فرماتے، بسا اوقات ایک ایک حدیث کئی کئی دن میں حل فرمائی ہے اور مسلک امام کو خاص طور پر روز روشن کی طرح عیاں کردیا ہے، طلباء چاروں طرف سے اعتراضات وشبہات وارد کررہے ہیں اگرچہ ان میں بعض اعتراضات مہمل بھی ہوتے لیکن بہت سے وزنی

بھی ہوتے تھے حضرتؒ کشادہ پیشانی کے ساتھ جوابات دے رہے ہیں اور مطمئن کررہے ہیں، کبھی نہیں دیکھا کہ اعتراضات کی بوچھاڑ سے منقبض یا مکدر ہوئے ہوں۔

ترمذی جلد اول کو آخر تک اسی تحقیق وتدقیق سے پڑھایا کرتے بخاری شریف کے دوتین باب نہایت تحقیق سے پڑھا کر پھر روانی کے ساتھ پڑھایا کرتے البتہ کتاب المغازی، کتاب الحیل اور کتاب التفسیر میں پھر انتہائی تحقیق کے ساتھ مبسوط تقریریں فرمائیں اور مشکل مقامات کو اچھی طرح ذہین نشین کرادیا، حضرت کا طریقہ درس کچھ ایسا تھا کہ بخاری کا ایک پارہ پڑھ لینے کے بعد ایک ذہن طالب علم کے اندر ایک خاص استعداد جلوہ گر ہوتی اور وہ ترجمۃ الباب اور حدیث کے درمیان مطابقت کرنے کی صلاحیت اپنے اندر پیدا کرلیتا تھا حضرت دیگر متعدد کتب حدیث اور شروح حدیث کا حوالہ دیتے جاتے تھے ان کی عبارتیں پڑھتے جاتے تھے جس سے مطالعہ کا ذوق پیدا ہوجاتا تھا اور راہ تحقیق کشادہ ہوجاتی تھی۔

حضرت خود بھی قرأت حدیث فرماتے تھے جب وہ خود قرأت فرماتے تھے دارالحدیث کے بام ودر اسوقت فرط شوق میں وجد میں آجاتے تھے ایک عجیب کیف اور سماں ہوتا تھا اللہ، اللہ وہ دل سے نکلی ہوئی، جذبات سے لبریز، ذوق عرفان سے مالا مال آواز، وہ پرشوکت لہجہ، وہ حوض کوثر سے تعلق رکھنے والی زبان، کیا کہوں ان کی ہر ہر شان وادا میں کیا تاثیر تھی۔

حضرت کے اندر ایک خاص قسم کا رعب تھا اور اس کے ساتھ ساتھ شفقت آمیز سلوک بھی۔ اپنے کفش برداروں سے ان کی کسی غلطی پر ناراض بھی ہوجاتے تھے اور پھر جلد ہی ناراضگی دور بھی ہوجاتی تھی خلاف شریعت عمل پر فوراً ٹوک دیتے تھے اور سخت غصے کا اظہار فرماتے تھے اور پھر جب اس کا طرز عمل صحیح ہوجاتا تھا تو حضرت سے زیادہ نرم وہ کسی کو نہیں پاتا تھا غریب الوطن طلباء کو وہ اتنا خوش رکھتے تھے کہ وہ اپنے عزیزوں اور دوستوں کو بھول جاتے تھے حضرت آخر سال میں دن رات پڑھاتے تھے رات کے بارہ بجے تک سبق ہورہا ہے رات کا وقت ہے اکثر طلباء ذوق شوق سے درس حدیث سن رہے ہیں کچھ ایسے بھی ہیں جن پر نیند غالب آگئی ہے حضرت کی نگاہ فوراً سونے والے پر پہنچ

جاتی ہے اور اس سونے والے سے فرماتے ہیں اٹھیے اٹھیے منہ دھویئے پانی کے مٹکے دارالحدیث کے برآمدے میں رکھے ہوئے ہیں، وہاں اس طالب علم کو بھیجا جاتا تھا، جب وہ اٹھتا تو حضرت یہ مصرعہ پڑھتے۔

ہائے کیسی اس بھری محفل میں رسوائی ہوئی۔

اس کے بعد کوئی اونگھ بھی رہا ہوتا تو ہوشیار ہو جاتا تھا اور وہ صاحب جنہوں نے مٹکے کی سیر کر لی ہوتی تھی پھر سونے کا ذرا مشکل سے نام لیتے تھے حضرتؒ دو، ان درس حسب موقع نکات، تصوف، اسرار، معارف، اقتصادیات، سیاسیات، تاریخی واقعات اور موجودہ زمانے کی مقتضیات پر بھی روشنی ڈالتے تھے، موقع کے لطائف اور اشعار سنا کر بھی طلباء کو تازہ دم کر دیا کرتے تھے کبھی محفل درس میں اعتراضات وشبہات سے سکوت ہوتا تھا تو خود ہی اس سکوت کو ختم فرما کر کوئی ایسی بات ارشاد فرما دیتے تھے جس سے سب طلباء کو نشاط حاصل ہو جائے۔ حضرت مولانا منظور احمد صحب استاذ الحدیث جامع خیر المدارس ملتان والے ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ اس سال چند ایسے طلباء تھے جو فطرتاً زیادہ بولنے والے اور بے تکلف قسم کے تھے یہ طلباء ''کرم ہائے تو مارا کرد گستاخ'' کے مصداق ہو گئے تھے یہ خود نہ بولیں تو حضرت ان کا نام لے کر درمیان تقریر میں کچھ ارشاد فرما دیتے تھے اسی قسم کے ایک طالقانی طالب علم تھے وہ بہت دریافت کرتے تھے اور بڑے مزے سے سوالات کیا کرتے تھے ان کی باتوں سے حضرت کو اور سب طلباء کو ہنسی آجاتی تھی ایک دن ترمذی کا سبق ہو رہا تھا خطبہ جمعہ کے وقت تحیۃ المسجد پڑھنے نہ پڑھنے کی بحث ہے حنفیہ نے عندالخطبہ نماز کو منع کیا ہے اس پر دلائل پیش کرتے ہوئے حضرت نے ارشاد فرمایا کہ دیکھنا یہ جن رکعتوں کے پڑھنے کا آنحضرت ﷺ نے عندالخطبہ حکم فرمایا ہے وہ تحیۃ المسجد ہے یا کوئی اور نماز؟ دعویٰ آپ کا خاص ہے اور استدلال عام پیش کیجئے کہ عندالخطبہ تحیۃ المسجد ہی کا حکم فرمایا ہے یہاں سے تحیۃ المسجد ثابت کرنا ایسا ہے جیسا کہ طالقانی سے دریافت کیا جائے کہ دو اور دو کتنے وہ کہے چار روٹیاں۔ طالقانی اپنا نام سن کر فوراً چونک پڑے اور جھٹ سے بولے حضرت دو اور دو کیا چار نہیں ہوتے حضرت نے تقریر کو جاری رکھا اور تمام طلباء کو ایک نشاط حاصل ہوگا۔ ایک

لطیفہ اور یاد آیا زکوۃ الاموال کا باب ہے اس میں بنت مخاض، بنت لبون، حقہ اور جزعہ کا ذکر آتا ہے ایک طالب علم نے اپنی دانستگی سے دریافت کیا کہ ''حقہ'' کے کیا معنی ہیں حضرت نے ارشاد فرمایا کہ حُقہ نہیں ہے حِقہ ہے محفل درس میں ہنسی کی ایک لہر دوڑ گئی۔

(بحوالہ الجمعیۃ شیخ الاسلام نمبر)

شیخ الاسلام حضرت مدنی قدس سرہٗ کا عفو اور بچوں پر شفقت:

حضرتؒ بھاگل پور میں تشریف لائے ہوئے تھے حاجی ایوب صاحب کے توسط سے ایک نابینا آیا اور یوں عرض حال بیان کرنے لگا، حضرت آپ جب لیگ کے دور میں تشریف لائے تھے میں ہی وہ شخص تھا جس نے کالی جھنڈی دکھائی تھی اور گالیاں دی تھیں اور پتھر پھینکے تھے میں ابھی راستہ میں بھی نہ لوٹا تھا کہ میری دونوں آنکھیں اندھی ہوگئی تھیں توبہ کرنے کے لئے اللہ سے رجوع کیا تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسجد سے کوئی شخص دھکے دے کر نکال رہا ہے۔ حضرت! میری دنیا تو برباد ہوگئی اب آخرت کے لئے دعا کر دیجئے میں نے جو کچھ قصور کیا ہے اسے معاف فرما دیجئے انداز بیان ایسا تھا کہ تمام حاضرین کے رونگھٹے کھڑے ہوگئے حضرتؒ نے بڑی شفقت سے پاس بٹھایا اور تمام حاضرین نے مل کر اس کے لئے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ معاف کر دے۔

آپ ہمیشہ صلح رحمی اور رشتہ داری کی نگہداشت فرماتے۔ کنبہ پروری آپ کی خاص شان تھی، رشتہ داروں میں سے جو کوئی آجاتا یا دارالعلوم میں کوئی طالب علم ہوتا تو اسے کبھی اجازت نہ تھی کہ ان کے گھر کے علاوہ کہیں اور قیام کرے اور کھانا کھائے سبھی کو خاص طور پر تاکید تھی گھر پر کھانا کھایا کریں اور اگر پیسہ کی کمی ہو تو مجھ سے لے لیا کرو یہاں تک کہ ضروریات و حاجات مختلف وقتاً فوقتاً پوری فرماتے۔ نادار رشتہ داروں بیوگان اور پڑوسیوں کو تقریباً ڈیڑھ سو روپے ماہوار امداد فرماتے اور گھر میں ہر چھوٹے بڑے کے لئے جیب خرچ ماہانہ مقرر کر دیا تھا جسے دست خود سے تقسیم فرماتے۔ اکثر و بیشتر علمائے کرام جن کی تنگی معلوم ہو جاتی اسے تنہائی میں لے جا کر ایک خطیر رقم سے امداد فرماتے۔ اور منی آرڈر کر کے سرپرستی اور غمخواری فرماتے۔

آپ بچوں کے ساتھ بڑی شفقت فرماتے اگر کسی وجہ سے دل شکنی ہوتی تو آپ کو بہت ملال گزرتا اور کچھ دیر اس سے مزاح فرماتے۔ دار العلوم میں بچوں کی انجمن تہذیب الاخلاق کے نام سے ہے۔ صاحبزادہ حافظ ارشد (مدنی) صاحب اس کے صدر ہیں اسی مرض الموت میں سالانہ اجلاس کے لئے چندہ طلب کیا تو آپ نے ازراہ شفقت سوال کو پورا کیا اس کے بعد برادر خورد نے برادر بزرگ صاحبزادہ جناب مولانا اسعد صاحب سے طلب کیا تو صاحبزادہ نے کہا میں انجمن کا ممبر نہیں ہوں جو دوں، ابا نے جو دیا ہے! تو سب کی طرف سے ہوگیا۔ برادر خورد نے ابا کے دربار میں شکایت کی کہ بابو چندہ نہیں دیتے ہیں۔ ابا کے دربار میں دونوں برادران حاضر ہوئے تو مولانا اسعد صاحب نے وہی جواب دہرایا۔ لیکن آپ نے جانشینی کی طرف آخری اشارہ فرماتے ہوئے آداب و نصیحت فرمائی کہ ''ان سبھوں کا حق تجھ پر ہے اور تو ہی ذمہ دار ہے''۔ بھائی اسعد صاحب سکتہ میں آگئے اور ذمہ داری کے احساس نے بوجھل بنادیا فوراً پیسے نکال کر برادر خورد کی دلدہی فرمائی۔ کسے معلوم تھا کہ یہ دلدہی نہیں بلکہ ذمہ داری کا بوجھ کاندھے پر ڈال کر اپنے رخصت ہونے کا سامان تیار کررہے ہیں۔ بھائی اسعد صاحب فرماتے ہیں دوسرا آخری اشارہ یہ بھی تھا اس سے پہلے میں اپنی ماں کو آپا کہتا تھا اور حضرت بھی جب حکم فرماتے تو کہتے جا اپنی آپا سے یہ بات کہہ دے لیکن جب مرض الموت میں آپ کی نیند تکلیف و بے چینی کی وجہ سے ختم ہوگئی تھی تو بھائی اسعد صاحب نے شب میں بیداری و نگرانی کے لئے وقت مقرر اور تقسیم کرلیا تھا رات جبکہ حضرت اسعد صاحب حاضر خدمت تھے تو آپ نے فرمایا اپنی والدہ کو جگادے والدہ کی طرف سے اشارہ کرنا خدمت و فرض شناسی کا احساس دلانا تھا۔ (بشکریہ روزنامہ الجمعیۃ شیخ الاسلام نمبر دہلی)

حضرت مولانا خلیل احمد مدنی مہاجر رحمۃ اللہ علیہ

کا طلبہ سے برتاؤ

حضرت مولانا عاشق الٰہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

''میں نے بارہا دیکھا کہ کھانے کا وقت ہوتا تو سارے طلبہ سے کہتے اپنے اپنے

کھانے لے آؤ۔اور جب مختلف قسم کے کھانے سب لے آتے کہ کسی کو دال ملی اور کسی کو ساگ۔کوئی گوشت لایا اور کوئی ترکاری تو اپنے گھر سے بھی کھانا منگاتے اور ایک طشت یا کونڈے میں سب کھانوں کومخلوط

(۱) ﴿ملا کر اور ممکن ہے اس سے یہ مقصود ہو کہ رنگ رنگ کے کھانے نہ رہیں جو زُہد کے خلاف ہے سب مل کر ایک رنگ ہو جائے اور یہ بھی نہ ہو یا اچھا کوئی اڑائے بُرا دوسرے کیلئے رہ جائے سب مساوی رہیں﴾ کر کے فرماتے کھاؤ بسم اللہ۔طلبہ کی اکثر دعوت کیا کرتے اور خفیہ طور پر ان کی تمام ضروریات مالیہ پوری فرماتے۔یتامیٰ و بیوگان اور یگانہ و بیگانہ محتاجوں کی پوشیدہ طریق سے اتنی خدمت کرتے کہ سننے والا حیران ہو جائے۔سادگی اور اپنے نفس کی طرف سے استغنا کا یہ عالم تھا کہ شاید گھر میں پانچ روپیہ کا غلہ بھی ایک دفعہ نہیں ڈلوایا مگر مصارف خیر پر خرچ کا یہ عالم تھا کہ جس وقت انتقال ہوا تو آٹھ ہزار کے مقروض تھے اور کسی کو خبر بھی نہ تھی کہ کس مد میں قرض ہوا۔

(تذکرۃ الخلیل ۲۰۶)

طلبہ کا احترام اور ان سے ہمدردی

حضرت مولانا عاشق الٰہی رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ

''ایک مرتبہ میں حاضر تھا کہ ایک طالب علم کی آپ کے پاس محرر مطبخ کے متعلق شکایت آئی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ وہ طلبہ کو کھانا تقسیم کر رہے تھے۔اس طالب علم کو جلی ہوئی روٹی ملی جس کے لینے سے اس نے انکار کیا اور محرر مطبخ نے سختی سے جواب دیا کہ اب خنے بہک گئے کہ جلی اور موٹی سوجھنے لگی۔لینا ہو لو ورنہ جاؤ مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ اس کو اپنے حصہ میں لگا لوں یا جو روٹی جلے اس کا تاوان دیا کروں۔حضرت یہ خبر سنتے ہی مطبخ میں آئے اور غصہ کی وجہ سے آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔میں ساتھ تھا اور دیکھ رہا تھا کہ حضرت کے بدن اور آواز دونوں میں رعشہ ہے۔محرر مطبخ سے آپ نے واقعہ پوچھا اور جب انہوں نے خود ہی اس توقع پر صحیح صحیح بیان کر دیا کہ طلبہ کا نظام قائم رکھنے کے لئے محرر کی طرفداری کی جائے تو اس وقت آپ نے فرمایا۔منشی جی سنو، مدرسہ انہی پردیسی بے

وطن مسلین طلبہ کے دم سے قائم ہے اور تم اور میں دونوں انہی کے طفیل میں روٹیاں کھا رہے ہیں اگر یہ نہ ہوں تو نہ مطبخ کی ضرورت نہ تمہاری حاجت، مدرسین بھی فارغ اور مدرسہ بھی خالی۔ یہ مسکین سہی محتاج سہی مگر مجھے اور تمہیں دونوں کو روٹیاں دے رہے ہیں۔ مجھے صرف یہ بتا دو کہ تمہیں ترش کلام کرنے کا کیا حق تھا اور تم کون تھے یہ کہنے والے کہ خنثے بہک گئے۔ میں ان کا باپ بنا ہوا ابھی زندہ بیٹھا ہوں تم کو مطبخ سے جز و تنخواہ بنا کر دو خوراک ملتی ہیں آخر کیا وجہ تھی کہ جلی ہوئی روٹی تم اپنی خوراک میں نہ لگا سکے اور مہمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مجبور کیا کہ یا تو یہی جلی ہوئی کھائے ورنہ فاقہ کرے۔ اب تو اپنی خوراک اس کے حوالہ کر دو اور آئندہ کے لئے خوب کان کھول لو کہ کسی طالب کے ساتھ کچھ بھی تیز یا ترش برتاؤ کیا تو کان پکڑ کر مطبخ سے نکال دوں گا، ہاں کسی طالب علم کی کوئی غلطی ہو تو مجھ سے کہو میں تحقیق کے بعد جو سزا مناسب سمجھوں گا دوں گا مگر دوسرے کو نہ دیکھ سکوں گا کہ وہ انہیں ترچھی نظر سے بھی دیکھے۔ چونکہ پہلی غلطی ہے اس لئے اس وقت تنبیہ پر اکتفا کرتا ہوں کہ آئندہ اس کا پورا لحاظ رکھا جائے۔

(تذکرۃ الخلیل ص ۲۲۹)

مدرسین کا احترام

اسی طرح مدرسین کے احترام کا آپ کو خاص اہتمام تھا اور ان کے ساتھ وہ شفقت ولطف کا برتاؤ فرمایا کرتے تھے جو ان کے لئے شایاں تھا۔ باوجودیکہ تمام مدرسین آپ کے شاگرد اور معتقد خادم تھے مگر جب کوئی آتا تو آپ اس کو پاس بٹھا لیتے اور ان کی بُری بھلی سب توجہ سے سنتے تھے۔ مسکراتے اور کوئی شکایت لاتا تو اس کی کافی تحقیق فرما کر ان کو تسلی دیا کرتے تے۔ طالب علم اور استاذ کے مابین کوئی قصہ ہوتا جس میں غلطی استاذ کی ہوتی تو اس وقت بڑی ضیق پیش آتی اور بڑی حسنِ تدبیر سے دونوں پہلو سنبھالا کرتے تھے۔

مولوی ظفر احمد کے مزاج میں غصہ تھا ایک مرتبہ طالب علم کے بے تکے سوالات پر اُن کو پڑھاتے ہوئے غصہ آیا تو کتاب کہ فلسفہ کی تھی طالب علم کے منہ پر ماری۔ حضرت کے قریب ہی ان کی درسگاہ تھی اور حضرت نے سب دیکھ اور سن لیا تھا اس وقت گرفت

کرنے میں طالب علم کی جراءت بڑھنے کا اندیشہ تھا اور حضرت کو اس کا خاص اہتمام رہتا تھا کہ طلبہ کے قلوب میں استاد کی عظمت قائم اور باقی رہے اس لئے ایسا کر دیا گویا سنا ہی نہیں۔ بعد عصر جب مولوی ظفر احمد صاحب مجلس میں آکر بیٹھے تو حضرت نے فرمایا مولوی ظفر کیا کتاب سے بھی مارا کرتے ہیں؟ کتاب تو اس کے لئے موضوع نہیں ہوئی، پھر کتاب بھی مدرسہ کی جو کہ وقف ہے اور جس کی حفاظت ضروری۔'' مولوی صاحب نے غلطی کا اقرار اور آئندہ کے لئے احتیاط کا عہد کیا تو آپ مسرور ہوئے اور پھر محبت کے لہجہ میں فرمایا بھائی آجکل طلبہ کو مارنے کا زمانہ نہیں ہے کیونکہ زمانہ فساد کا ہے قلوب میں تکبر بھرا ہوا ہے۔ بعض نادان مقابلہ سے پیش آنے لگتے ہیں اس سے تو بالکل ہی احتیاط کرو اور اگر کوئی زیادہ بک بک لگا دے اور اس کو مہتمم سے اطلاع کر کے درس سے اٹھا دو۔ بس اس سے زیادہ سزا کی ضرورت نہیں۔

(تذکرۃ الخلیل ۲۲۹)

حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کا مدرسے کے اموال میں احتیاط

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نقل فرمایا ہے کہ:

قدوۃ الاتقیاء حضرت مولانا الحاج شاہ عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ کا یہ مقولہ بہت ہی مشہور تھا اور سنا بھی ہے کہ مجھے مدارس کی سرپرستی سے جتنا ڈر لگتا ہے اتنا کسی سے نہیں لگتا اگر کوئی شخص کسی کے ہاں ملازم ہو وہ مالک کے کام میں کچھ کوتاہی کرے خیانت کرے کسی قسم کا نقصان پہنچائے ملازمت سے علیٰحدہ ہوتے وقت یا مرتے وقت مالک سے معاف کروالے تو معاف ہوسکتا ہے۔ لیکن مدرسوں کا روپیہ جو عام غربا اور مزدوروں کے دو دو پیسے ایک ایک آنے کا چندہ ہوتا ہے ہم سب سرپرستان مدرسہ اس کے مالک تو ہیں نہیں، امین ہیں اگر اس مال کے اندر افراط وتفریط ہو تو ہم لوگوں کے معاف کرنے سے معاف تو نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ دوسرے کے مال میں ہمیں معافی کا کیا حق ہے اتنا ضرور ہے کہ ہم اگر بمصالح مدرسہ چشم پوشی کریں تو اللہ تعالیٰ کی ذات سے قوی اُمید ہے کہ وہ ہم

سے درگزر فرمالے، لیکن اگر اپنے ذاتی تعلقات سے ہم لوگ تسامح کریں تو ہم بھی جرم کے اندر شریک ہیں۔ لیکن جرم کرنے والے سے کسی حال میں بھی معاف نہیں ہوسکتا کیونکہ حقوق العباد ہے جن کا مال ہے وہ اتنے کثیر کہ ان سے معاف نہیں کرایا جاسکتا۔

(سبق آموز واقعات ص ۳۸)

فائدہ:

اس سے معلوم ہوا کہ مدرسہ کے اساتذہ کرام ذمہ داران اور دیگر ملازمین کو مدرسہ کے مال خرچ کرنے میں اسی طرح دوسرے اشیاء کے استعمال میں بہت ہی زیادہ احتیاط کرنے کی ضرورت ہے کوئی بھی چیز غلط مصرف میں استعمال نہ ہونے پائے۔ اسی طرح مدرسہ کے اوقات کا پورا پورا خیال رہے اپنی طرف سے کوئی کوتاہی نہ ہو۔ اور طلبہ بھی اساتذہ کے پاس امانت ہیں ان کی مکمل نگرانی اور تربیت کا پورا پورا لحاظ رکھا جائے کوئی موقع خالی نہ جانے پائے۔ اور ساتھ ہی ساتھ توبہ واستغفار بھی رہے۔ آخر انسان ہیں اپنے تمام تر احتیاط کے باوجود کوتاہی ہوجانے کے احتمال قوی موجود ہے اس لئے توبہ و استغفار پر مداومت رکھنی چاہئے۔

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کا طلباء کا سامان اٹھا کر مسجد لیجانا

حضرت مولانا عبدالشکور صاحب مدظلہ شیخ الحدیث دارالعلوم تعلیم القرآن راولپنڈی نے فرمایا کہ ’’ایک مرتبہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کیمبل پوری رحمۃ اللہ علیہ صدر مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور کی معیت میں سہارن پور سے کیمبل پور آرہے تھے، ہمارے ساتھ کچھ طلباء بھی تھے جو دورۂ تفسیر میں شرکت کے لئے حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچنا چاہتے تھے۔

اتفاقاً حضرت مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی لاہور اسٹیشن پر اکابرین دیوبند کے استقبال کے لئے موجود تھے لیکن وہ لوگ متوقع گاڑی سے نہ پہنچ سکے اور مولانا

عبدالشکور صاحب، حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی صاحب لاہوری رحمۃ اللہ علیہ سے بالکل ناواقف تھے۔

اسی ناواقفیت کی بناء پر انہوں نے مولانا احمد علی صاحب لاہوری رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کی کہ آپ ان طلباء کو شیرانوالہ کی مسجد میں پہنچا دیں۔ حضرت مولانا لاہوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بلا کسی پس و پیش کے ان طلباء کا سامان اٹھایا اور مسجد شیرانوالہ پہنچا دیا۔ طالب علموں کو جب معلوم ہوا کہ سامان پہنچانے والے ہی شیخ التفسیر ہیں تو بہت شرمندہ ہوئے۔

(خدام الدین لاہور ص ۱۶۔ ۲۶ جون ۱۹۶۴ء اور صفحہ ۱۳۵۹ امام الاولیاء نمبر)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

مدرسہ مظاہر علوم کی چارپائیوں، بستروں کا استعمال

''اکابر علماء دیوبند کا تقویٰ'' کتاب سے مختلف واقعات شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت سہارنپوری قدس سرہ کی حیات مبارکہ میں شیخ الحدیث حضرت کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کو جب مہمان خانہ میں جانا ہوتا تو کبھی مدرسہ کی چارپائی پر تشریف نہ رکھتے، مہمان سے بات کرتے کھڑے رہتے یا بیٹھنے کی ضرورت ہوتی تو فرش پر بیٹھ جاتے اور مہمان حضرت قدس سرہ کے ساتھ چارپائی پر ہوتے مگر حضرت قدس سرہ کے وصال کے بعد چونکہ حضرت شیخ مدظلہ جانشین کے طور پر ہو گئے تو یہ مشکل پیش آئی کہ اگر حضرت زمین پر تشریف رکھیں تو مہمان مدرسہ کی چارپائی پر بیٹھے رہیں۔ ان کو بھی نیچے اترنا پڑتا۔ اس پر حضرت نے اس وقت سے ہمیشہ کیلئے مدرسہ کی تمام چارپائیاں اور تمام بستر اپنے ذاتی بنوانے شروع کر دیے تا کہ ان کو حضرات اور ان کے ذاتی مہمان بھی استعمال کر سکیں۔

دار جدید کی بجلی وغیرہ کا بل

دار جدید کی مسجد میں حضرت کے مہمان کا قیام ماہ رمضان المبارک میں اعتکاف کے سلسلہ میں ہونے لگا تو بجلی کے بلب زیادہ لگانا پڑتے تھے۔اس کی وجہ سے حضرت نے مسجد اور باقی سارے دار جدید کے حجروں وغیرہ کے بجلی کا پورے مہینے کا کل بل اپنے ذمہ لے لیا مگر جب معلوم ہوا کہ بل انگریزی مہینوں کے حساب سے آتا ہے اور رمضان میں انگریزی مہینوں دو کی تاریخیں شامل ہوتی ہیں تو حضرت نے پورے دو ماہ کا بل اپنے ذمہ لے لیا یہ کل حساب حضرت کے روزنامچہ میں مفصل درج ہے۔ایک دفعہ مدرسہ کے ایک ذمہ دار جو بجلی کے فن سے ناواقف ہیں۔انہوں نے شبہ ظاہر کیا کہ زیادہ بجلی خرچ ہونے سے بجلی کے تاروں کو بھی نقصان پہنچتا ہے۔حالانکہ فنی لحاظ سے یہ بات اس طرح نہیں ہے لیکن حضرت نے ان کے شبہ کی بنا پر ۱۵۰ روپے کے نئے تار منگوا کر پورے تار بدلوا دیے۔

مدرسہ میں قیام کی وجہ سے کرایہ چندہ کے نام سے

جب حج کیلئے حجاز مقدس تشریف لانا شروع ہوا تو مدرسہ صولتیہ کے دیوان میں کچھ روز قیام ہوتا رہا اس قیام کی وجہ سے ایک دفعہ ایک بھاری رقم مدرسہ میں چندہ کے نام سے داخل کی۔

مدرسہ تحفظ القرآن مدینہ منورہ کا قصہ

مدینہ منورہ میں مدرسہ علوم شرعیہ میں جو قیام کیلئے کمرے وقف ہیں ان کے ایک کمرہ میں حضرت کا قیام رہتا تھا جو مدرسہ والوں کے انتہائی اصرار کی وجہ سے قبول فرمایا ہوا ہے گزشتہ سال حضرت کے برابر والے کمرہ میں تحفظ القرآن کا مکتب تھا جو بعد میں وہاں سے ختم ہو کر مسجد فاطمہ میں منتقل ہو گیا۔ مدرسہ والوں نے کمرہ حضرت کے تصرف میں دے دیا۔وہاں حضرتؒ کے عزیز مولانا عاقل صاحب مدظلہ اور مولانا سلمان

صاحب مدظلہ حضرت کی نگرانی میں حدیث پاک کے سلسلہ میں تراجم بخاری سے متعلق کام کیا کرتے تھے۔ کمرے میں ایک پنکھا رکھا تھا جس کو وہ حضرات تقریباً مہینہ بھر استعمال کرتے تھے۔ بعد میں حضرت کے علم میں آیا کہ یہ پنکھا مدرسہ علوم شرعیہ کا نہیں ہے بلکہ تحفظ القرآن والوں کا ہے جو کہ لاعلمی میں استعمال ہوتا رہا۔ حضرت کو اس کے استعمال سے افسوس ہوا اور اس کا کرایہ ادا کرنے کی غرض سے تحفظ القرآن کے ناظم یا مشرف سے تحریری پوچھا اور آئندہ کیلئے اپنے عزیزان کو بازار سے نیا پنکھا منگوادیا۔ مشرف صاحب نے کہا کہ گزشتہ استعمال کا کوئی کرایہ نہیں، نہ ہمارے ہاں اس کی کوئی مد ہے۔ حضرت اس کا کچھ خیال نہ فرمائیں۔ حضرت نے فرمایا کہ چندہ کے نام سے لے لیں، تخمینہ بتادیں مگر وہ نہیں مانے۔ دو تحریر ارسال کیں کہ میں بحیثیت انچارج لکھتا ہوں کہ آپ پر مدرسہ کی طرف سے کوئی مطالبہ نہیں۔ سابق استعمال کی ہماری طرف سے اجازت ہے۔ ان کی تحریر تو موجود نہیں مگر مضمون یہی تھا۔ اس پر حضرت نے ایک سوریال جو کہ نئے پنکھے کی قیمت ہوتی ہے۔ کرایہ کے بدلہ میں چندہ کے نام سے مندرجہ ذیل پرچہ کے ساتھ ایک صاحب کے ہاتھ روانہ کیے جس کو انہوں نے قبول کیا۔ پرچہ کی نقل درج ذیل ہے۔

مکرم ومحترم الحاج مولانا عبدالمالک صاحب مدفیوضکم بعد سلام مسنون جناب کا گرامی نامہ مختصر پہنچا۔ میں تو پہلے پرچہ میں بہت صفائی سے لکھ چکا ہوں کہ چونکہ چندہ کا مال ہے اس کے معاف کرنے کا حق نہ آپ کو ہے نہ صدر صاحب کو اور نہ آپ کے معاف کرنے سے معاف ہوسکتا ہے۔ آپ یا صدر صاحب اپنے پاس سے مجھے کچھ عطیہ فرمادیں سر آنکھوں پر اور آپ کو یہ لینے میں اشکال ہو تو میری طرف سے چندہ میں داخل کرلیں۔ رسید مجھے چاہیے نہیں اور اگر کوئی دستور آپ کے یہاں رسید کا ہو تو مجھے انکار نہیں۔ آپ کے صدر صاحب سے تو مجھے نیاز نہیں مگر آپ سے کہوں گا کہ آپ ضرور مجھے مرحمت فرمائیں۔ میں لے لوں گا۔

فقط والسلام

حضرت شیخ الحدیث صاحب

بقلم حبیب اللہ ۱۴ جولائی ۷۵ء

طلباء کی سفارش

ذیل کے واقعہ کو حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ بیتی میں اپنی چند بُری عادتوں کے عنوان سے ذکر فرمایا ہے اور بندہ یہاں پر حضرت کے تقویٰ اور تواضع کے تحت نقل کر رہا ہے۔ مثلاً اسی قصہ میں مدرسہ کے مصالح کو اپنی ذاتی مصالح پر مقدم رکھنا تقویٰ ہی کی وجہ سے ہے اس طرح چند واقعات مظاہر کے حالات میں یا کسی دوسرے سلسلہ میں آپ بیتی میں آگئے ہیں۔

دارالعلوم دیو بند کی اسٹرائیک میں میرے ایک بہت قریبی عزیز شریک تھے۔ میں (شیخ الحدیث صاحب) نے مظاہر علوم میں شدت سے یہ اعلان کر دیا تھا کہ دارالعلوم کا کوئی اسٹرائیکی مظاہر علوم میں داخل نہیں کیا جائے گا۔ میرے اس عزیز کے والد مرحوم جو میرے بھی بزرگ اور میرے بڑوں کے بھی بزرگ اور حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ کے بھی اخص الخصوص وہ مرحوم اپنے بچے کو لے کر آئے۔ ہمارے حضرت ناظم صاحب نوراللہ مرقدہ اعلیٰ اللہ مراتبہ اپنے موقعوں پر یہ کہہ کر الگ ہو جاتے تھے کہ زکریا سے بات کر لیجئے۔ مرحوم یہ سن کر زکریا سے بات کر لیجئے بہت خوش ہوئے کہ اب تو گھر کی بات ہوگئی۔ مرحوم نے مجھ سے فرمایا کہ اسے مظاہر میں داخلہ کیلئے لایا ہوں، ناظم صاحب نے تیرے حوالہ کر دیا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ مدرسہ نے یہ طے کیا ہے کہ دارالعلوم کا کوئی اسٹرائیکی مظاہر میں داخل نہ ہوگا۔ اول تو مرحوم نے مجھے بہت شفقت سے فرمایا پھر ڈانٹ کر فرمایا میں نے کہا یہ میری ذات کا قصہ نہیں ہے مدرسہ کا قصہ ہے اور مدرسہ کی مصالح ہمیشہ ذاتی تعلقات پر مقدم ہونے چاہئیں۔ مرحوم نے فرمایا کہ اگر میں حضرت تھانوی کی سفارش لکھوا لاؤں تو کیا کرے گا۔ اگرچہ حضرت تھانوی کے یہاں سفارش بہت مشکل تھی مگر مرحوم کے تعلقات پر مجھے اندیشہ ضرور رہا کہ اگر مرحوم نے درخواست کی تو حضرت قانونی اور آئینی الفاظ میں کچھ ضرور تحریر فرمادیں گے۔ میں نے مرحوم سے عرض کیا کہ اگر حضرت قدس سرہ نے سفارش فرمادی تب تو میں حضرت سے عرض کروں گا کہ حضرت مدرسہ کا قصہ ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش حضرت بریرہ رضی اللہ عنہ نے قبول کرنے سے معذرت کردی تھی اور اگر حضرت نے بحیثیت سرپرست حکم دیا اور تحریر فرمایا کہ میں بحیثیت سرپرست حکم دیتا ہوں تو پھر مجھے کوئی عذر نہ ہوگا اور نہ صرف

عزیز موصوف کو بلکہ جنتوں کیلئے حضرت فرمادیں کہ داخل کرلیا جائے گا۔ یہ خود میں بھی سمجھتا تھا اور وہ بھی سمجھتے تھے کہ حضرتؒ ایسے کیسے تحریر فرماسکتے ہیں۔

مدرسہ کی اینٹیں ڈھونا

آپ بیتی میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''مدرسہ کے معاملات میں نہ صرف اس ناکارہ (شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ) کا بلکہ اس زمانہ کے تقریباً مدرس اور ملازم کا یہ قانون اور اصول موضوعہ کے طور پر طے شدہ مفروضہ تھا کہ ہمارا کوئی حق مدرسہ پر نہیں جو مدرسہ کی طرف سے مل رہا ہے وہ اللہ کا احسان اور اسی کا عطیہ ہے اور ثانیاً مدرسہ کا احساس ہے اور ہم لوگوں کو کوئی حق مدرسہ پر نہیں ہے اور مدرسہ کا ہر ایک کام چاہے کتنا ہی معمولی سا ہو حتیٰ کہ درسگاہ میں جھاڑو تک دینے سے بھی مدرس کو عار نہیں تھا۔ اس زمانہ میں یاد نہیں کہ استنجاء کے ڈھیلوں کی اینٹوں کیلئے حمام کی کڑیوں کیلئے کسی ملازم یا مزدور کو بلانے کی ضرورت کبھی پیش آئی ہو۔ میں نے دربان سے کہہ رکھا تھا کہ جب اینٹوں یا لکڑیوں کی گاڑی آوے اوپر درسگاہ میں مجھے اطلاع کردے میں گھنٹہ کے ختم پر ایک طالب علم کو مولانا عبدالرحمٰن کے پاس یہ کہہ کر بھیج دیتا تھا کہ اینٹیں آئی ہیں، میں نیچے جارہا ہوں مولانا مرحوم بھی فوراً پہنچ جاتے اور ہم دونوں کو جاتے دیکھ کر دونوں کے یہاں کی جماعتیں ایسی دوڑتیں کہ ہم سے پہلے وہاں پہنچ جاتے۔ ہم دونوں کو تو ایک پھیرا بھی مشکل سے کرنا ہوتا تھا کہ راستہ میں کوئی طالب علم چھین لیتا تھا۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا سفر حج ۴۴ھ اور تنخواہ

جب حضرت سہارنپوری نوراللہ مرقدہ ۴۴ھ میں حجاز مقدس روانہ ہونے لگے تو میں نے (حضرت شیخ الحدیث صاحب) عرض کیا کہ حضرت بذل کا کیا ہوگا۔ حضرت قدس سرہ نے بہت قلق کے ساتھ فرمایا کہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا ہوگا۔ تمہارے بغیر تو میں لکھ نہیں سکتا اور تمہارے جانے کی کوئی صورت نہیں۔ اہل وعیال ساتھ ہیں اور طویل قیام ہے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت اب تو یہ خیال ہے کہ میں حجاز چلوں حضرت قدس سرہ کا چہرہ خوب یاد ہے خوشی سے کھل گیا اور فرمایا تمہارے خرچ کا کیا ہوگا۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت اس کا تو بالکل فکر نہیں ۳۸ھ میں بھی قرض لے کر گیا تھا۔ حالانکہ اس وقت

قرض ملنا بہت دشوار تھا اور اس وقت بہت آسان ہے اب بھی لے لوں گا۔ حضرت نے فرمایا تمہاری مدرسہ میں کچھ تنخواہ بھی جمع ہے اس کی شرح یہ ہے کہ ۳۵ھ میں جب میں ملازم ہوا تھا اور میری تنخواہ پندرہ روپے ہوتی تھی (احقر اقبال عرض کرتا ہے کہ اس دور میں حضرت کو دوسرے مدارس میں سینکڑوں روپوں کی بڑی بڑی تنخواہوں کی پیشکش اور بہت اصرار ہوتے تھے مگر حضرت اقدس نے قبول نہین فرمایا تھا یہ دوسرا مضمون ہے اس لیے یہاں تفصیل نہیں لکھتا) اس وقت بڑے حضرت رائے پوری شاہ عبدالرحیم صاحب نوراللہ مرقدہ نے مدرسہ میں تو سفارش کی تھی کہ پندرہ روپے تنخواہ بہت کم ہے کم از کم ۲۵ روپے ہونا چاہیے اور مجھ سے یوں ارشاد فرمایا تھا کہ جب اللہ توفیق دے مدرسہ کی تنخواہ چھوڑ دیجئے۔ جس کا اثر یہ تھا کہ میرا حضرت رائے پوری قدس سرہ کے ارشاد کی وجہ سے تو تنخواہ لینے کو جی نہیں چاہتا تھا مگر میرے حضرت اقدس قدس سرہ لیتے تھے۔ اگر چہ میرے والد میرے صاحب قدس سرہ نے کبھی نہیں لی۔ پھر بھی چونکہ میرے حضرت لیتے تھے اس لیے میں نے نہ لینا بے ادبی سمجھا تھا۔ اس لیے کسی ماہ میں اس کا غلبہ ہوتا تھا کسی میں اس کا۔ البتہ نہ لینے کی وجہ سے میری ترقیاں رکتی رہیں، جب مدرسین کی ترقی کا وقت آتا تو دوسرے مدرسین کی ترقی ہوتی تو اگر میں اس سے پہلے مہینوں میں تنخواہ لینے والا ہوتا تو میری بھی چار پانچ روپے ترقی ہو جاتی اور جس زمانہ میں میں تنخواہ نہ لیتا مہتمم صاحب فرمادیتے کہ وہ تو پہلے ہی سے نہیں لیتا ہے اس کی کیا ترقی؟

بہر حال محرم ۳۵ھ سے شعبان ۴۴ھ تک نوسو پینتالیس روپے میری تنخواہ کے جمع تھے جو اس زمانہ میں حج کے اخراجات سے بہت زائد تھے۔ حج کا خرچ اس زمانہ میں زیادہ سے زیادہ چھ سو روپے تھے حضرت کے ذہن میں یہ تھا کہ بقدر اخراجات لے کر بقیہ اہل وعیال کے خرچ کیلئے دے جاویں میں نے عرض کیا کہ حضرت اس کا فکر نہ فرمادیں خرچ کا انتظام ہو جائے گا۔ اس تنخواہ کا لینا تو جائز نہیں، اکابر کی خدمت میں گستاخ تو ہمیشہ رہا۔ حضرت نے فرمایا کیوں؟ عرض کیا جن مہینوں کی تنخواہ نہیں لی ان میں اس نیت سے پڑھایا کہ تنخواہ نہیں لوں گا اب اس کے لینے کا کیا حق ہے۔ حضرت قدس سرہ نے فرمایا تم نے کوئی درخواست مدرسہ کو دی تم اجیر تھے مدرسہ مستاجر تمہیں یک طرفہ فسخ اجارہ کیا کیا حق تھا جب تک کہ ہم قبول نہ کریں۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت اس میں اجارہ

کی تو کوئی بات نہیں۔ ایک شخص کام کرتے ہوئے یہ نیت کرے کہ بوجہ اللہ کر رہا ہوں۔ اس کے بعد اس کو معاوضہ لینے کا کیا حق ہے۔ حضرت ناظم صاحب بھی تشریف فرما تھے۔ انہوں نے حضرت سے عرض کیا حضرت سے عرض کیا حضرت میں انہیں سمجھا دوں گا۔ حضرت بہت خوش ہوئے اور میں بھی بہت خوش ہوا کہ حضرت کے سامنے تو بہت ادب سے ڈرتے ڈرتے کوئی لفظ کہوں تھا اور ناظم صاحب سے خوب کھل کر مناظرہ ہوا انہوں نے حضرت سے عرض کیا کہ حضرت یہ نہیں مانتا۔

حضرت تھانوی قدس سرہ بھی مدرسہ کے سرپرستوں میں تھے اور مولانا ظفر احمد صاحب تھانہ بھون کے مفتی اعظم اور مجھ سے بے حد بے تکلفی۔ میں نے ان سے کہا کہ مدرسہ کے کاغذات میری تنخواہ کے سلسلے میں حضرت کے پاس آویں گے۔ حضرت سے میری تنخواہ نامنظور کروادیجیو۔ انہوں نے حضرت سے نہ معلوم کیا کہا۔ جب میری درخواست ڈیڑھ سال کی چھٹی کی اور مہتمم صاحب کی طرف سے اس پر تحریر کہ اس کی تنخواہ بھی کچھ رُکی ہوئی ہے اس کے دینے کی بھی اجازت دی جائے تو حضرت تھانوی نے چھٹی بخوشی منظور فرمالی اور تنخواہ کے متعلق تحریر فرمایا کہ اگر قبض الوصول میں تنخواہ درج ہے اور انہوں نے وصول نہیں کی تو اس میں سرپرستان سے اجازت کا کیا مطلب؟ اور اگر اس میں کوئی اشتباہ ہے تو اس کو ظاہر کیا جاوے۔ تاکہ اس پر غور کیا جاوے۔ مولانا عاشق الٰہی صاحب بھی اسی وقت سرپرست بنائے گئے تھے۔ یہاں آئے میں نے ان سے بھی عرض کیا کہ تم سرپرست ہو اس تنخواہ کا لینا میرے لیے جائز نہیں اسے نامنظور کر دیجئے لیکن حضرت قدس سرہ کی منظوری کے بعد حضرت تھانوی تو رد فرما سکتے تھے خدام میں سے کسی کو ہمت پڑتی، یہ گستاخیاں تو اللہ میاں نے اس ناکارہ کے حق میں رکھی تھیں جو ہمیشہ کرتا رہا۔

مولانا عاشق علی صاحب نے اوّل تو مجھ سے مناظرہ کیا اور جب ناظم صاحب کی طرح وہ بھی غالب نہ آسکے تو انہوں نے بحیثیت سرپرست میرے کاغذ پر لکھا کہ ڈیڑھ سالہ رخصت منظور ہے اور تنخواہ کے سلسلہ میں جیسا کہ اس کی طرف سے رخصت، کی درخواست ہے اسی کی طرف سے یہ درخواست بھی ہونا چاہیے کہ میری تنخواہ مدرسہ سے دلوادی جائے۔

حضرت قدس سرہ نے جب حضرت میرٹھی کی تحریر دیکھی تو سمجھ گئے کہ میرا ان سے

بھی مناظرہ ہوا ہے تو میرے حضرت قدس سرہ نے بہت ہی شفقت سے مجھ سے یوں فرمایا کہ بذل میرا ذاتی کام تو نہیں۔ مدرسہ ہی کا کام ہے اگر میں سرپرستان کی منظوری کے بعد تمہیں بکار مدرسہ اپنے ساتھ لے جاؤں اور آمدورفت کے خرچ کے علاوہ وہاں کے قیام کی تنخواہ مدرسہ سے دلوادوں تو تم کیا کہو گے؟

میں نے عرض کیا۔ حضرت یہ عرض کروں گا بالکل جائز ہے ذرا تردد نہیں۔ حضرت نے فرمایا تمہاری جمع شدہ تنخواہ تو بہت کم ہوگی جتنا کہ اس صورت میں مدرسہ تم کو دے گا۔ میں نے کہا بالکل صحیح ہے۔ حضرت قدس سرہ نے فرمایا کہ پھر تم یہی سمجھ لو۔ اس پر میں نے تنخواہ تو لے لی لیکن حضرت رائے پوری کی نسبت کا اثر کچھ ایسا غالب تھا کہ مدینہ منورہ پہنچ کر میں نے سب سے پہلے مہتمم صاحب کو ایک خط لکھا جس میں اس تنخواہ کا تو ذکر نہیں کیا البتہ یہ لکھا کہ میرا ارادہ ایک عرصہ سے مدرسہ کے ان حقوق کے معاوضہ میں جو مجھ پر ہیں مدرسہ میں ایک بڑی رقم پیش کرنے کا ہو رہا ہے۔ مگر آپ کو معلوم ہے کہ مجھ سے جمع ہونا مشکل ہے۔ اس لیے بالفعل میری طرف سے صرف ایک ہزار روپے کا وعدہ اس طرح تحریر فرمالیں کہ اسی ماہ جمادی الاولیٰ سے مبلغ پانچ روپے ماہانہ میری واپسی تک میرے کارکن مولوی نصیر الدین سے اور بعد واپسی کے خود مجھ سے وصول فرماتے رہیں۔ اگر اس کے پورا ہو جانے سے قبل میرا انتقال ہو جائے تو اس وقت جس قدر رقم باقی ہو وہ میری وصیت ہے جو کہ متروکہ سے وصول کی جائے۔

محررہ از مدینہ منورہ ۵ جمادی الاول ۴۵ھ اللہ کے فضل سے جب یہ رقم ادا ہوگئی تو مجھے رائے پوری جذبہ سے یہ خیال ہوا کہ اس سے پہلے زمانہ میں جو تنخواہیں لی ہیں وہ بھی واپس کردی جاویں۔ اللہ نے وہ بھی واپس کرادیں۔ یہ تو چندہ کے طور پر گویا خفیہ طور پر واپسی تھی۔ اس کے بعد آخری زمانہ میں جبکہ اکثر مدرسین حضرت کے خدام ہی میں سے تھے ان کی تعلیم وتربیت کی غرض سے دوبارہ تنخواہ ہی کے نام سے رقم داخل مدرسہ کی۔

اپنے تعلق کی وجہ سے کسی طالب علم کا کھانا جاری کروانا

یہ ناکارہ (حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ) رجب ۲۸ ہجری میں مدرسہ میں طالب علم کی حیثیت میں آیا اور اب محرم ۹۳ھ تک طالب علمی، مدرسی، سرپرستی سارے ہی مراحل طے کر چکا ہے مگر مجھے یاد نہیں کہ ان سارے ادوار میں کسی طالب علم کی

اپنے تعلق کی وجہ سے مدرسہ میں کھانا جاری کرنیکی سفارش کی ہو۔ بارہا بلکہ بیسیوں مرتبہ اس کی نوبت آئی کہ کسی طالب علم کا کسی جرم یا امتحان میں ناکامی پر کھانا بند ہوا اور اس نے حضرت مولانا الحاج عبد اللطیف صاحب نور اللہ مرقدہ (ناظم صاحب) سے خود یا اولیاء کے ذریعہ سے سفارش کرائی اور حضرت ناظم صاحب نے تحریر فرما دیا کہ اگر زکریا سے سفارش لکھوا دو تو میں جاری کر دوں گا اور جب وہ کاغذ یا پیام میرے پاس آتا تو میرا ایک ہی جواب ہوتا تھا کہ مدرسہ سے تو سفارش نہیں کروں گا۔ جب تک اس کا کھانا بند ہے میرے ساتھ کھا لیا کرے۔

مطبخ سے اپنے لیے کھانا جاری کروانے کو ہمیشہ کیلئے بند کر دیا

ایک دفعہ حضرت کے گھر والے سہارنپور میں موجود نہیں تھے۔ اس وقت حضرت نے اپنے لیے مدرسہ کے مطبخ سے ایک خوراک اپنے نام جاری کروا رکھی تھی۔ ایک طالب علم جو حضرت کے ساتھ کھانا کھاتے تھے وہ اپنا کھانا بھی مدرسہ سے لاتے تھے۔ ایک دن انہوں نے کہا کہ آپ کے شوربہ کے پیالہ میں تاڑ زیادہ ہوتا ہے اور میرے میں کم اور یہ اس لیے ہے کہ مدرسہ میں آپ کا لحاظ ہے۔ حضرت نے دونوں پیالوں کو دیکھا تو واقعی حضرت کے پیالہ میں تاڑ (اوپر کی روغنی رونق) زیادہ تھا۔ حضرت نے اسی دن سے ہمیشہ کیلئے اپنے نام سے کھانا منگوانا بند کر دیا۔ البتہ کئی کئی طلباء کا کھانا حضرت کے حساب میں جاری رہا کرتا تھا۔

کوئی حدیث بلا وضو نہیں پڑھی

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے ایک رفیق درس حسن احمد مرحوم تھے والد صاحب نور اللہ مرقدہ کے دورۂ حدیث میں میرے اور مرحوم کے دو اہتمام تھے ایک یہ کہ کوئی حدیث ایسی نہ ہو کہ جو استاد کے سامنے پڑھنے سے رہ جائے۔ دوسرے یہ کہ بے وضو کوئی حدیث نہ پڑھی جائے۔ میرا اور مرحوم کا دستور یہ تھا کہ ہم میں سے جس کو وضو کی ضرورت پیش آجاتی (اس لیے کہ پانچ چھ گھنٹے مسلسل سبق ہوتا تھا) وہ دوسرے کو کہنی مار کر یک دم اٹھ جاتا اور دوسرا ساتھی فوراً ابا جان پر کوئی اشکال کر دیتا۔ اگرچہ اس کی نوبت تو بہت کم آتی تھی، مہینے دو مہینے میں اس کی نوبت آتی تھی، اس لیے کہ صحت اچھی تھی اس سیاہ کار (شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ) کا تو اس زمانے میں ظہر کے وضو سے عشاء پڑھنے کا

معمول سالہا سال رہا۔ پھر بھی کبھی نہ کبھی ضرورت پیش آجاتی تھی۔ والد صاحب پہلی مرتبہ یہ سمجھ گئے تھے کہ یک دم ایک ساتھی اٹھا ایک منٹ میں آستین اتارتا ہوا بھاگا آرہا ہے۔اس سے ان کو اندازہ بھی ہوگیا تھا اوراس چیز سے ان کو مسرت بھی تھی۔ایک مرتبہ حسن احمد مرحوم اللہ تعالیٰ ان کو بہت ہی بلند درجے عطا فرمائے میرے کہنی مار کر اٹھا اور اس کے اٹھتے ہی میں نے والد صاحب نوراللہ مرقدہ سے عرض کیا کہ حضرت فتح القدیر میں یوں لکھا ہے کہ بالکل بے سوچے کہا۔اس فقرے پر والد صاحب بے ساختہ ہنس پڑے اور کتاب میں نشان رکھ کر اس کو بند کر کے مجھ سے فرمایا کہ جب تک حسن احمد آوے میں تمہیں ایک قصہ سنادوں۔ میں تمہاری فتح القدیر سے کہاں لڑتا پھروں گا۔ چنانچہ ایک قصہ سنادیا (اور وہ مرحوم واپس آگئے) ہم دونوں کے وضو میں آدھے منٹ سے زائد وقت نہ لگتا تھا۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا درس حدیث میں انہماک و پابندی

ڈاکٹر مولانا تقی الدین صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت اقدس جن انہماک دلسوزی نشاط وسرگرمی تیاری و پابندی سے درس دیتے تھے اب اس کی صحیح تصویر کشی مشکل ہے۔ ایک دفعہ موسلا دھار بارش ہورہی تھی۔ساری سڑک پر گھٹنوں گھٹنوں پانی بھر رہا تھا۔ یہ ناکارہ (شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ) مدرسہ قدیم میں کتاب لیے ہوئے منتظر تھا کہ بارش کم ہوتو سبق میں حاضر ہوں مگر بارش اسی زور وشور سے ہورہی تھی۔حضرت مولانا اسد اللہ صاحب مدظلہ العالی اس وقت مدرسہ قدیم میں تشریف رکھتے تھے۔ میں نے ان سے دریافت کیا کہ حضرت اقدس آج بھی درس میں تشریف لے گئے ہوں گے۔انہوں نے کہا بظاہر تو مشکل معلوم ہوتا ہے باہر سے معلوم کرلو۔ میں مدرسہ کے دروازے پر آیا وہاں فروٹ بیچنے والے سائبان میں بیٹھے ہوئے تھے۔میں نے دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ حضرت تو دیر ہوئی تشریف لے گئے۔ یہ بے بضاعت جلدی جلدی دارالحدیث میں حاضر ہوا وہاں بجلی بھی غائب تھی۔ دارالحدیث میں اندھیرا چھایا ہوا تھا مگر درس شروع ہوچکا تھا۔یہ ناکارہ چپکے سے جا کر بیٹھ گیا کہ مبادا نظر نہ پڑے مگر حضرت نے دیکھ لیا۔ فرمایا جانتے ہو کیسے آیا ہوں اپنے مکان سے چلا تو ایک ہاتھ میں بخاری شریف کا پارہ اور

دوسرے میں چھتری تھی۔ جوتے ہاتھ میں نہیں لے سکتا تھا۔ نصف راستے تک آیا تو ایک رکشہ والا مل گیا اس نے اصرار سے مجھے بٹھایا اور یہاں لاکر میرے پیروں کو اور پائجامہ کے نیچے کا حصہ دھویا اور دارالحدیث پہنچا گیا۔ یہ ناکارہ یہ سن کر پانی پانی ہوگیا۔

مدارس کے معاملات میں اکابرین کا تقویٰ اور مدارس کی سرپرستی

یہاں سے ص ۲۷ سے ۳۵ تک ''اکابر علماء دیوبند کا تقویٰ'' کتاب از شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ سے ماخذ ہے

قدوۃ الاتقیاء حضرت مولانا الحاج شاہ عبدالرحیم صاحب نوراللہ مرقدہ سرپرست دارالعلوم دیوبند و مظاہر علوم سہارنپور کا یہ مقولہ بہت مشہور تھا کہ مجھے مدارس کی سرپرستی سے جتنا ڈر لگتا ہے اتنا کسی سے نہیں لگتا۔ اگر کوئی شخص کسی کے یہاں ملازم ہو اور وہ مالک کے کام میں کچھ کوتاہی کرے خیانت کرے کسی قسم کا نقصان پہنچائے۔ ملازمت سے علیحدہ ہوتے ہوئے یا مرتے وقت مالک سے معاف کرالے تو وہ معاف ہوسکتا ہے لیکن مدرسوں کا روپیہ جو عام غرباء اور مزدوروں کے دو دو پیسے ایک ایک آنہ کا چندہ ہوتا ہے ہم سب سرپرستان مدرسہ اس کے مالک تو ہیں نہیں امین ہیں۔ اگر اس مال کے اندر افراط و تفریط ہو تو ہم لوگوں کے معاف کرنے سے معاف تو نہیں ہوسکتا۔ اس لیے کہ دوسروں کے مال میں ہم کو معافی کا کیا حق ہے۔ اتنا ضرور ہے کہ ہم اگر بمصالح مدرسہ چشم پوشی کریں تو اللہ تعالیٰ کی ذات سے قوی امید ہے کہ وہ ہم سے درگزر فرمالے لیکن اگر اپنے ذاتی تعلقات سے ہم لوگ تسامح کریں تو ہم بھی جرم کے اندر شریک ہیں، لیکن جرم کرنے والے سے کسی حال میں بھی معاف نہیں ہوسکتا کہ حقوق العباد ہے اور جن کا مال ہے وہ اتنے کثیر کہ معاف کرایا نہیں جاسکتا۔

مولانا احمد علی صاحب کا تقویٰ

حضرت اقدس شیخ المشائخ مولانا الحاج احمد علی صاحب محدث سہارنپوری بخاری ترمذی کتب حدیث کے محشی اور مشہور عالم محدث ہیں۔ جب مظاہر علوم کی قدیم تعمیر کے چندہ کے سلسلہ میں کلکتہ تشریف لے گئے کہ وہاں مولانا کا اکثر قیام رہا ہے اور وہاں کے

لوگوں سے وسیع تعلقات تھے تو مولانا مرحوم نے سفر سے واپسی پر اپنے سفر کے آمد و رفت کا مفصل حساب مدرسہ میں داخل کیا تو وہ رجسٹر میں نے (حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ) خود پڑھا۔ اس میں ایک جگہ لکھا تھا کہ کلکتہ میں فلاں جگہ میں اپنے ایک دوست سے ملنے گیا تھا اگرچہ وہاں چندہ خوب ہوا لیکن میرے سفر کی نیت دوست سے ملنے کی تھی۔ اس لیے وہاں کی آمد و رفت کا اتنا کرایہ آمد و رفت سے وضع کر لیا جائے۔ (اکابر علماء دیوبند کا تقویٰ ص ۳۵)

حضرت مولانا مظہر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نانوتوی کا تقویٰ

حضرت مولانا مظہر صاحب نانوتوی قدس سرہ (جو گویا مظاہر علوم کے بانی ہیں) کا یہ معمول میری جوانی میں (یعنی حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ) عام سے مشہور اور لوگوں کو معلوم تھا کہ مدرسہ کے اوقات میں جب کوئی مولانا قدس سرہ کا کوئی عزیز ذاتی ملاقات کیلئے آتا تو اس سے باتیں شروع کرتے وقت گھڑی دیکھ لیتے اور واپسی پر گھڑی دیکھ کر حضرت کی کتاب میں ایک پرچہ رکھا رہتا تھا اس پر تاریخ اور منٹوں کا اندراج فرما لیتے تھے اور ماہ کے ختم پر ان کو جمع فرما کر اگر نصف یوم سے کم ہوتا تو آدھ روز کی رخصت اور اگر نصف یوم سے زائد ہوتا تو ایک یوم کی رخصت مدرسہ میں لکھوا دیتے۔ البتہ اگر کوئی فتویٰ وغیرہ پوچھنے آتا تو اس کا اندراج نہیں فرماتے تھے۔ (ایضاً ص ۳۵)

حضرت سہارنپوری کی تنخواہ لینے سے معذوری

حضرت قدس سرہ سید مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہ جب ایک سالہ قیام حجاز کے بعد آخر ۳۴ھ میں مظاہر علوم واپس تشریف لائے تو میرے والد (شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے والد) حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب نور اللہ مرقدہ کا شروع ذیقعدہ میں انتقال ہو چکا تھا۔ حضرت نے مدرسہ سے تنخواہ لینے سے یہ تحریر فرما کر انکار کر دیا تھا کہ میں نے ضعف و پیری کی وجہ سے کئی سال سے مدرسہ کا کام پورا نہیں کر سکتا لیکن اب تک مولانا یحییٰ صاحب میری نیابت میں دورہ کے اسباق پڑھاتے تھے اور تنخواہ نہیں لیتے تھے۔ وہ میرا ہی کام سمجھ کر کرتے تھے اور میں اور وہ دونوں مل کر ایک مدرس سے زیادہ کام کرتے تھے۔ اب چونکہ ان کا انتقال ہو چکا ہے اور میں مدرسہ کی تعلیم کا پورا کام بخوبی

نہیں کرسکتا اس لیے قبول تنخواہ سے معذور ہوں۔ اس پر حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم صاحب نوراللہ مرقدہ سے بڑی طویل تحریرات ہوئیں۔

حضرت رائے پوری نے لکھا کہ آپ کے وجود کی مدرسہ کو سخت ضرورت ہے۔ آپ کے وجود سے مدرسہ کا سارا نظام باحسن وجوہ قائم ہے۔ اس لیے آپ کو مدرسہ اب تعلیم کی تنخواہ نہیں دے گا بلکہ ناظم مدرسہ کی تنخواہ دے گا۔ حضرت کی مدرسہ میں تشریف نہ رکھنے سے مدرسہ کا سخت نقصان ہے۔

حضرت تھانوی نوراللہ مدرقہ نے حضرت رائے پوری کی تائید فرمائی اور اس پر حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے تنخواہ لینی قبول فرمائی۔ (آپ بیتی)

تنخواہ میں اضافہ

اس سے قبل کا قصہ تو بہت ہی مشہور ہے کہ حضرت سہارنپوری کی تنخواہ صرف چالیس تھی اور عرصہ تک یہی رہی اور جب بھی ممبران مدرسہ کی طرف سے حضرت کی ترقی کا مسئلہ پیش ہوتا تو حضرت ارشاد فرماتے کہ میری حیثیت سے یہ بھی زیادہ ہے مگر جب ماتحت مدرسین کی تنخواہ چالیس تک پہنچ گئی تو ممبران نے اصرار کیا کہ آپ کی وجہ سے نیچے کی مدرسین کی تنخواہ رک جائے گی کہ صدر مدرس سے دوسروں کی تنخواہ بڑھ جائے۔ اس پر حضرت نے اضافہ قبول فرمایا۔

حضرت شیخ الہند کا تقویٰ

حضرت شیخ الہند کے متعلق بھی اسی نوع کا قصہ معروف ہے کہ حضرت نے پچاس سے زیادہ کا اضافہ قبول نہیں فرمایا لیکن عرصہ کے بعد اسی اشکال کی وجہ سے حضرت نوراللہ مرقدہ نے اضافہ قبول فرمایا۔ (آپ بیتی)

حضرت سہارنپوری کا مدرسہ کی اشیاء کو استعمال نہ کرنا

میں نے خود تو یہ واقعہ نہیں دیکھا مگر دو واسطوں سے سنا ہے کہ حضرت اقدس سہارنپوری کی خدمت میں ایک صاحب عزیزوں میں سے جو بڑے رتبہ کے آدمیوں میں سے تھے ملاقات کیلئے تشریف لائے۔ حضرت سبق پڑھا رہے تھے اختتام سبق تک تو

حضرت، نے توجہ بھی نہ فرمائی، ختم سبق کے بعد حضرت ان کے پاس تشریف لائے، انہوں نے اصرار کیا کہ حضرت اسی جگہ تشریف رکھیں، حضرت نے ارشاد فرمایا مدرسہ نے یہ قالین صرف سبق پڑھانے کیلئے دیا ہے ذاتی استعمال کیلئے نہیں۔ اس لیے اس قالین سے علیحدہ بیٹھ گئے البتہ یہ واقعہ میرا ہمیشہ کا دیکھا ہوا ہے کہ مدرسہ قدیم (دفتر مدرسہ) میں حضرت کی ہمیشہ چارپائی رہتی تھیں انہیں پر حضرت آرام بھی فرماتے تھے ان ہی پر بیٹھتے تھے، مدرسہ کی اشیاء کو استعمال کرتے ہوئے میں نے نہیں دیکھا۔ (آپ بیتی)

جلسہ کے موقع پر بھی اپنے گھر کا کھانا کھانا

مظاہر علوم کا جب سالانہ جلسہ ہوتا تھا میں نے اکابر مدرسین میں سے کبھی کسی کو جلسہ کے کھانے یا چائے یا پان کو کھاتے نہیں دیکھا۔ جملہ مدرسین حضرات اپنا اپنا کھانا کھاتے جب بھی وقت ملے۔ حضرت قدس سرہ مدرسہ کے خصوصی مہمانوں کے ساتھ کھاتے تھے لیکن حضرت کے مکان سے دس بارہ آدمیوں کیلئے کھانا آتا تھا جو متفرق مہمانوں کے سامنے رکھ دیا جاتا تھا۔ اسی میں سے حضرت نوش فرماتے تھے۔ مدرسہ کی کوئی چیز کھاتے نہیں دیکھا۔ مولانا عنایت علی صاحب مہتمم دوشب و روز مدرسہ کے اندر رہتے اور ظہر کے وقت یا رات کے بارہ بجے اپنے دفتر کے کونے میں بیٹھ کر ٹھنڈا اور معمول کھانا تنہا کھالیتے تھے۔ مولانا ظہور الحق صاحب مدرس مدرسہ اس زمانہ میں مطبخ طعام کے منتظم ہوتے تھے اور چوبیس گھنٹہ مطبخ کے اندر رہتے تھے لیکن سالن، چاول وغیرہ کا نمک کسی طالب علم سے چکھواتے تھے خود نہ چکھتے تھے۔ جب وقت ملتا اپنے گھر جا کر کھانا کھا آتے اسی طرح سے دیگر اکابر مدرسین کو میں نے کوئی شے مدرسہ کی چکھتے نہیں دیکھا۔ ان سب احتیاط کے باوجود حضرت سہارنپوری قدس سرہ جب ۴۴ھ میں مستقل قیام کے ارادے سے حجاز مقدس تشریف لے گئے تو اپنا ذاتی کتب خانہ یہ فرما کر مدرسہ کے اندر وقف کر گئے تھے کہ نہ معلوم مدرسہ کے کتنے حقوق ذمہ رہ گئے ہوں گے۔

سالن گرم کرنے کا معاوضہ حضرت مولانا یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تقویٰ

میری والد صاحب کے زمانہ میں مدرسہ کا مطبخ جاری نہیں ہوا تھا نہ مدرسہ کے

قریب کسی طباخ کا مکان تھا گھر والوں کے نہ ہونے کے زمانے میں جامع مسجد کے قریب ایک طباخ کی دکان تھی جس کا نام اسماعیل تھا۔ اس کے یہاں سے کھانا آیا کرتا تھا سردی کے زمانہ میں وہاں سے کھانا آتے آتے خصوصاً شام کو ٹھنڈا ہو جاتا تھا تو سالن کے برتن کو مدرسہ کے حمام کے سامنے اندر نہیں بلکہ باہر رکھوا دیتے تھے۔ اس کی تپش سے وہ تھوڑی دیر میں گرم ہو جاتا تھا تو یہ فرما کر دو تین روپے ہر ماہ چندہ کے اندر داخل فرمایا کرتے تھے کہ مدرسہ کی آگ سے انتفاع ہوا ہے۔ تنخواہ تو میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہ نے اپنے سات سالہ قیام مدرسہ میں کبھی لی ہی نہیں۔

مدرسہ کا قلم دان

حضرت مولانا الحاج عنایت الٰہی صاحب مہتمم مدرسہ اللہ ان کو بہت ہی بلند درجات عطا فرمائے۔ مدرسہ کے مہتمم بھی تھے منشی بھی تھے اور عدالتی تمام کاروائیاں ان ہی کے ذمہ تھیں اور اس معنی کہ محصل چندہ شہر بھی تھے کہ محصل چندہ شہر جب کسی کے متعلق یہ کہتا کہ فلاں صاحب نے چندہ نہیں دیا دو مرتبہ جا چکا ہوں تو حضرت مہتمم صاحب اپنے گھر آتے یا جاتے ہی اس کے گھر جاتے اور خوشامد فرماتے کہ تمہارا چندہ نہیں آیا۔ ان کی خوبیوں کا بیان تو اس مختصر تحریر میں آ نہیں سکتا لیکن دفتر کے اندر ان کے پاس دو قلمدان رہتے تھے ایک ذاتی اور دوسرا مدرسہ کا۔ ذاتی قلمدان میں کچھ ذاتی کاغذ رہتے۔ اپنے گھر کوئی ضروری پرچہ بھیجنا ہوتا تو اپنے قلمدان سے لکھتے مدرسہ کے قلمدان سے کبھی نہیں لکھتے تھے گرمیوں میں سات بجے کے قریب اور سردیوں میں آٹھ بجے کے قریب آتے اور عصر کے بعد تشریف لے جاتے۔ ساری دوپہر کام کرتے اور آتے ہوئے اہل چندہ کے گھر ہوتے ہوئے آتے لیکن حضرت سہارنپوری نور اللہ مرقدہ نے ایک مرتبہ دوسرے ملازمین کی ترقی کے ساتھ یہ کہہ کر ان کی ترقی روک دی تھی کہ مدرسہ کے اندر دیر سے تشریف لاتے ہیں۔ میں نے ہر چند عرض کیا کہ حضرت ۶ گھنٹے سے زیادہ کام کرتے ہیں۔ بار بار سفارش اور اصرار بھی کیا لیکن حضرت فرماتے رہے کہ مدرسہ کے اوقات کی پابندی ملازم کیلئے ضروری ہے۔

حضرت مہتمم (مولانا عنایت الٰہی صاحب) کی جدوجہد اور جانفشانی

ہمہ تن مدرسہ کے امور میں اشتغال اتنے کثیر واقعات ہیں جو اس قابل تھے کہ ان کی مکمل سوانح لکھی جائے۔ آخر زمانہ حیات میں امراض کی کثرت اور ضعف کی وجہ سے میں نے یہ تجویز پیش کی کہ حضرت مہتمم صاحب کی پنشن ہو جائے۔ مہتمم صاحب مدرسہ کے ابتدائی قیام کے وقت میں ابتدائی طالب علموں میں تھے۔ اس کے بعد معین مدرسہ ہوئے اور ترقی فرماتے ہوئے مدرس دوم تک پہنچے۔ دوسرے کے اسباق بھی اس زمانہ میں مرحوم کے یہاں ہوئے ۳۳ھ سے باوجود مرحوم کے شدید انکار کے بضرورت مدرسہ مہتمم مقرر ہوئے اور اسی عہدہ پر ۴۷ھ ۲۰ جمادی الثانی کو انتقال ہوا۔ غفر اللہ لہ آخر زمانہ میں ضعف و پیری کے علاوہ شدید امراض کا ابتلا رہا۔ صبح کو ڈولی میں بیٹھ کر مدرسہ آتے اور بعد عصر ڈولی میں بیٹھ کر واپس تشریف لے جاتے۔ اس مشقت کو دیکھ کر مجھے ترس آتا تھا میں نے تفصیلی حالات لکھ کر حضرات سرپرستان کی خدمت میں مرحوم کی خدمات جلیلہ کے پیش نظر خصوصی طور پر پنشن کی تجویز پیش کی تھی۔ حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سرپرست مدرسہ نے یہ تحریر فرمایا کہ مدرسہ کے موجودہ چندہ سے پنشن جائز نہیں ہے اس کیلئے آپ ایک مستقل مد قائم کر کے چندہ قائم کریں۔ اس میں سے پنشن دی جا سکتی ہے۔ مہتمم صاحب کے متعلق جو لکھا وہ بالکل صحیح ہے۔ میں اس سے زیادہ واقف ہوں ان کیلئے جو تم مناسب سمجھو تنخواہ تجویز کر کے مخصوص احباب سے چندہ مقرر کر والو۔ پانچ روپے ماہانہ میں اپنی ذات سے دوں گا۔

حضرت مولانا محمد منیر صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

ایک مرتبہ وہ مدرسہ کے ڈھائی سو روپے لے کر مدرسہ کی روئیداد طبع کرانے دہلی تشریف لے گئے۔ اتفاق سے روپے چوری ہو گئے۔ مولوی صاحب نے اس چوری کی کسی کو اطلاع نہیں کی اور اپنے مکان آ کر اپنی کوئی زمین وغیرہ بیع کی اور ڈھائی سو روپے لے کر دہلی پہنچے اور کیفیت مدرسہ چھپوا کر گھر لے آئے۔ کچھ دنوں کے بعد اس کی اطلاع اہل مدرسہ کو ہوئی۔ انہوں نے مولانا گنگوہی کو واقعہ لکھا اور حکم شرعی دریافت کیا۔ وہاں سے جواب آیا کہ مولوی صاحب امین تھے اور روپیہ بلا تعدی کے ضائع ہوا ہے اس لیے

ان پر ضمان نہیں۔ اہل مدرسہ نے مولانا محمد منیر صاحب سے درخواست کی کہ آپ روپیہ لے لیجیے اور مولانا کا فتویٰ دکھایا۔ مولوی صاحب نے فتویٰ دیکھ کر فرمایا کہ میاں رشید احمد نے فقہ میرے ہی لیے پڑھا تھا اور کیا یہ مسائل میرے ہی لیے ہیں۔ ذرا اپنی چھاتی پر ہاتھ رکھ کر تو دیکھیں اگر ان کو ایسا واقعہ پیش آتا تو کیا وہ بھی روپیہ لے لیتے؟ جاؤ لے جاؤ اس فتویٰ کو۔ میں ہرگز دو پیسے بھی نہ لوں گا۔ (ارواح ثلاثہ)

مہمان خانہ کا کرایہ ادا کرنا

حضرت اقدس شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری نور اللہ مرقدہ کی طویل اور شدید علالت میں حضرت کے معالج ڈاکٹر برکت علی مرحوم کے اصرار پر حضرت اقدس کو بجائے بھٹ کے سہارنپور تشریف لانا پڑا اور کچھ زمانہ مدرسہ قدیم کے مہمان خانہ میں ڈاکٹر برکت علی صاحب کی تجویز سے قیام کیا۔ اس سال کی عید الاضحیٰ بھی مدرسہ قدیم کی مسجد میں پڑھی۔ اپنے اس چند روز قیام کا حضرت قدس سرہ نے مدرسہ کے چندہ کے نام سے بہت بڑا کرایہ کیا جو حضرت قدس سرہ کے خدام کیلئے خاص طور سے سبق آموز اور عبرت انگیز ہے۔ اس ناکارہ (حضرت شیخ الحدیث صاحب) نے بہت عرض کیا کہ حضرت کا قیام مدرسہ کی ضروریات میں داخل ہے۔ مدرسہ کو حضرت کے قیام سے بہت زیادہ نفع ہے مگر حضرت نے منظور نہیں فرمایا۔ خود بھی چندہ کے نام سے کرایہ ادا کیا اور آنے والے مہمانوں سے بھی خاص طور پر تاکید کر کے چندہ دلوایا کہ حضرت قدس سرہ کی وجہ سے ان لوگوں کا بھی مدرسہ میں قیام ہوتا تھا۔ خاص طور سے پاکستان سے آنے والے مہمانوں سے بھی چندہ دلوایا۔ (اکابر علماء دیوبند کا تقویٰ ص ۴۴ تا ۴۱)

حضرتِ مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی بلندشہری مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور مدرسہ کی خیر خواہی

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ صدر دارالعلوم کراچی نے بیان فرمایا کہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب بانی دارالعلوم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حیرت انگیز واقعہ بیان کیا فرمایا کہ میں نے دارالعلوم کے استقبالیہ کے پاس جامن کا

ایک درخت لگوایا تھا جب وہ سات یا آٹھ فٹ اونچا ہوگیا تو ایک روز موسلا دھار بارش ہوئی جس کے ساتھ نہایت تیز ہوا کے جھکڑ چل رہے تھے میں نے اپنے گھر کی کھڑکی کھول کر دیکھا کہ باہر کیا ہو رہا ہے۔ میں حیرت زدہ رہ گیا جب میری نظر مولانا عاشق الٰہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر پڑی میں نے دیکھا کہ وہ اس جامن کے درخت کو دونوں ہاتھوں سے مضبوطی کے ساتھ پکڑے ہوئے تھے کہ کہیں مدرسہ کا درخت ہوا کے زور سے گر نہ جائے۔ کھلے آسمان تلے بارش میں بھیگ رہے تھے لیکن مدرسہ کا نقصان گوارا نہ تھا۔ (یادگار اسلاف ص ۲۶)

مدرسہ کا پیسہ خرچ کرنے میں احتیاط

مولانا قاری عبدالملک صاحب استاذ قراءت جامعہ دارالعلوم کراچی نے بیان کیا کہ میں حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مکاتب قرآنیہ دورے پر گیا جو دارالعلوم کی طرف سے قائم ہوئے تھے اور حضرت ان کی سرپرستی فرماتے تھے اس دورے کا مقصد طلبا کا امتحان اور اساتذہ کی جهود ومساعی کا اندازہ لگانا تھا۔ دارالعلوم کی طرف سے آمد ورفت کے لئے ٹیکسی کا کرایہ دیا جاتا تھا جب امتحان لینے گئے تو کرائے کی کار کے ذریعہ تشریف لے گئے لیکن واپسی میں بس کے ذریعہ آرہے تھے بس کھچا کھچ بھری ہوئی تھی اور کھڑے ہو کر سفر کرنا پڑ رہا تھا دھکے بھی لگ رہے تھے میں نے عرض کیا ''حضرت جب دارالعلوم پیسے دیتا ہے تو ٹیکسی کے ذریعہ کیوں واپس نہیں جا رہے'' اس پر فرمایا ''قاری صاحب! مدرسہ کے پیسے کو ہمدردی سے استعمال کرنا چاہئے آتے وقت تو ہمیں ٹیکسی کے ذریعہ آنے کی ضرورت تھی کیونکہ صحیح وقت پر پہنچنا تھا اب تو گھر ہی جانا ہے ذرا دیر سے پہنچے تو کیا ہوا؟'' یعنی جو رقم بچے گی وہ مدرسہ کو واپس کردیں گے۔ (یادگار اسلاف ص ۲۶)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تعلیم ایک عبادت، لازوال سعادت، عرفانِ حق اور خدارسی کا ایک زینہ، دنیا و آخرت کی کامیابیوں اور کامرانیوں کا وسیلہ ہے۔ معاشرے کے اجتماعی شعور اور انفرادی تشخص کے ارتقاء کا زیادہ تر انحصار اساتذہ کے کردار پر ہوتا ہے، نظامِ تعلیم میں اساتذہ کو ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہے کوئی بھی نظامِ تعلیم اچھے اساتذہ کے بغیر کامیاب نہیں ہوسکتا، ہر دور میں اساتذہ کو اہمیت حاصل رہی ہے اساتذہ ہی انسانیت کی تعمیر کرتے ہیں اور معیارِ تعلیم کو بلند اور پست کرنے میں کردار ادا کرتے ہیں۔

زیرِ نظر کتاب ''اساتذہ کے لئے تربیتی واقعات'' میں اساتذہ کی صفات، طلباء کے ساتھ شفقت و رحمت، مساوات، اکرام، ہمت افزائی، خوش طبعی، مالی معاونت، طلباء کی اخلاقی تربیت، عادات و اطوار کو بہتر بنانے اور اچھی عادتیں پیدا کرنے سے متعلق علماء اور سلف صالحین کے قیمتی نصائح اور سنہری اصول جمع کردیئے گئے ہیں جو ایک کامیاب مدرّس کے لئے بہترین تحفہ ہیں۔

E-mail: ishaat@pk.netsolir.com
ishaat@cyber.net.pk